222872

مترجمہ

مولانا عنایت اللہ دہلوی بی اے

UNIVERSAL LIBRARY
OU_222872
UNIVERSAL LIBRARY

The Drinched Book

text fiy book

UP—556—13-7-71—4,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۳ ف

Accession No. U 1153 ۱۱۵۳

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

(جملہ حقوق محفوظ)

زاہد غرور داشت سلامت نہ بُرد راہ
رند از رہِ نیاز بدار السلام رفت

تائیس

مُصنّفہ

اناطول فرانس

مُترجمہ

مولوی عنایت اللہ صاحب دہلوی بی اے

(سابق ناظم دار الترجمہ۔ حیدرآباد دکن)

ناشر:۔ ساقی بُکڈپو۔ دہلی

۱۹۳

قیمت عہ

Checked
CHECKED 1983

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
(۱)	مقدمہ از پروفیسر مرزا محمد سعید - ایم - اے - آئی - ای - ایس	۳
(۲)	عرض منجانب ناشر	۱۱
(۳)	دریائے نیل کا پھول	۱۳
(۴)	قصب البردی	۳۲
(۵)	ضیافت	۱۰۴
(۶)	فرفیوں	۱۵۹
(۷)	تلمیحات	۲۱۷

مقدّمہ

مقدمہ نویسی کے جواز کی صرف ایک ہی صورت ہوسکتی ہے۔ کہ مقدمہ کسی کتاب کے مضامین کو سمجھنے میں مدد دے۔ یا اس کے مُصنّف اور ناظرین کے درمیان تعارف پیدا کرنے کا وسیلہ بن سکے۔ "تائیس" افسانہ ہونے کی حیثیت سے کسی مزید تشریح و توضیح کا محتاج نہیں۔ اور اس کے مصنّف کی شخصیت میری تعریف و توصیف سے مُستغنی ہے۔ میرے مخدوم و محترم مولوی عنایت اللہ صاحب کا بزرگانہ ارشاد ہے کہ میں اُن کے ترجمے "تائیس" کا مقدمہ لکھوں۔ اور میں حیران ہوں۔ کہ وہ مضامین عالی کہاں سے پیدا کروں۔ جو "تائیس" کے شہرۂ آفاق مصنف کی بلند خیالی کے مقابلہ میں پست نہ معلوم ہوں۔ اور وہ زبان اپنے خیالات کے اظہار کے لئے کہاں سے لاؤں۔ جو اس کے یگانۂ دھر مترجم کی شیریں بیانی کے ساتھ بے جوڑ نہ سمجھی جائے۔ اور جس پر ٹاٹ کا پیوند بافت والی مثل صادق نہ آئے تاہم ایک خیال ہے جس سے اس نازک کام کے کرنے کی تھوڑی بہت ہمت بندھتی ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ اناطول فرانس کے نام نامی سے اس ملک میں لوگ عام طور پر واقف نہیں۔ نیز "تائیس" کا اسلوب و انداز اُن انگریزی ناولوں کے رنگ سے جو عموماً اردو میں ترجمہ ہوئے ہیں اس درجہ مختلف ہے کہ مصنف اور تصنیف دونوں کی ایک مختصر سی تقریب شاید کتاب کے مطالعہ میں معاون و مفید ثابت ہو۔

اناطول فرانس٥ کے انتقال کو کچھ بہت عرصہ نہیں ہوا لیکن اس کی پیدائش انیسویں

---

٥ فرانس اس مصنف کا اصلی نام نہیں۔ اس نے یہ نام تصنیف و تالیف کے لئے اختیار کرلیا تھا اور اب اسی نام سے مشخص ہے۔ اصلی نام

صدی کے ... انقلاب فرانس کی شکست ... میں واقع ہوئی تھی۔ اور ۱۸۶۸ء میں اس کی پہلی تصنیف علمی دنیا سے روشناس ہوگئی تھی۔ اس کی طبیعت اگرچہ ایک سدا بہار درخت کی مانند زمستان پیری میں بھی شگوفہ کاری سے عاری نہ تھی۔ لیکن اس کی تصنیف و تالیف کی اصلی بہار انیسویں صدی کے آخری تیس برس کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور "تائیس" کی تخلیق بھی اناطول فرانس کے اسی حصہ عمر سے تعلق رکھتی ہے۔ یوں تو مصنوعات لطیفہ (اور تائیس تو شاہکار بھی ایسی ہی ہونا چاہیئے) زمانہ اور وقت کی قید سے آزاد ہیں۔ اور ایک لطیف شئے خواہ وہ دو ہزار برس قبل وجود میں آئی ہو یا کل کی ساختہ پرداختہ ہو۔ حسن و تحسین کے اعتبار سے یکساں تاثیر رکھتی ہے۔ لیکن تو بھی انسان کے اور کاموں کی مانند فنون لطیفہ کے کرشمے بھی تاریخی ارتقاء کے ایک حد تک پابند ہیں۔ اور جس زمانہ میں وہ عالم خیال سے موجودات کی دنیا میں آئے ہوں۔ اس زمانے کی خصوصیات کی کچھ جھلک ان میں ضرور پائی جاتی ہے۔ انیسویں صدی کا آغاز نپولین اعظم کی عالمگیر فتوحات کی بدولت فرانس کے لئے بے نظیر عظمت و صولت کا زمانہ تھا۔ لیکن اس زمانہ کی مدت بہت قلیل ثابت ہوئی۔ اور جو اقتدار اسے چند سال میں حاصل ہوگیا تھا۔ وہ بعد کے تیس چالیس سال میں رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا۔ اور نپولین سوم کے عہد میں جرمنی کے ہاتھوں جو شکست اسے نصیب ہوئی اس نے تو گویا اس وقت خاص کے لئے اس اقتدار کا بالکل خاتمہ ہی کر دیا۔ نپولین اعظم کے زمانہ میں جو عظیم جد و جہد فرانس نے کی تھی اس سے ملک پر ایک قسم کی تکان عارض ہوگئی تھی جس کے مادی و اخلاقی اثرات ہر طرف نمایاں تھے۔ اہل فرانس کی وہ نسل جس نے اس ماحول میں پرورش پائی تھی۔ رفعت خیال سے زیادہ پست خیالی اور یقین سے زیادہ شک کی جانب مائل تھی۔ اور اس عہد کا کوئی مصنف شاید ہی ان مسموم اثرات سے محفوظ رہا ہو۔ مذہب اور اس کے لوازمات ان مصنفین کے مخاصمانہ جذبات کے خاص طور پر تختۂ مشق بن گئے تھے۔ کیونکہ اہل الرائے افراد کی ایک کثیر تعداد مذہب کو دنیا اور خصوصاً فرانس کی ترقی کے لئے سد راہ سمجھتی تھی۔ ... ناقدانہ مساعی نے عیسائی مذہب کی تاریخی بنیادوں کو متزلزل کر دیا تھا۔ اور اس کے دین الٰہی ہونے کا اعتقاد تعلیم یافتہ گروہ کی نگاہ میں پا بہ گل ...

ساقط الاعتبار قرار دیا گیا تھا۔ بعض لوگ مذہب کو قومی میراث کا ایک جزو سمجھ کر دبی زبان سے اس کی حمایت میں بھی کبھی کچھ کہہ دیتے تھے۔ لیکن عام طور پر مذہب کے لئے قلم در کف دشمن است کا مضمون تھا۔ اس لا مذہبی کے عام میلان کو اس واقعہ سے بھی تقویت پہنچی تھی۔ کہ فرانس میں مذہب کے معنی عام طور پر رومن کیتھولک مذہب سمجھے جاتے تھے۔ اور اس مذہب کے بعض عقاید اور نیز کلیسا کے گذشتہ کئی سو برس کے اعمال معاندانہ تنقید کے لئے خاصی گنجائش رکھتے ہیں۔ مذہب کے ساتھ اخلاق کے تسلط میں بھی بہت کمی واقع ہو گئی تھی اور ارباب علم و فن اگر اپنے ذاتی عمل میں نہیں تو کم از کم اپنی تصنیفات و مصنوعات میں اخلاقی قیود کو نظر انداز کرنے کے عادی ہو گئے تھے۔ اخلاق کو فنون لطیفہ سے بالکل بے تعلق تصور کیا تھا۔ اور فنون لطیفہ کے علمبردار مذہب و اخلاق کی توہین کو اپنے فن کے لئے باعث رونق تصور کرتے تھے۔ عشق و محبت جو ہر زمانہ میں فنون لطیفہ اور ادب کے محرکات مانے گئے ہیں۔ اس زمانہ میں نفس پرستی کے مترادف سمجھے جاتے تھے اور جذبات اسفل کی تحقیق و تشریح اس زمانہ کے مصنفین کا پسندیدہ خاطر مشغلہ تھا۔ ممنوع مضامین کی حرص و ہوس اس درجہ ترقی کر گئی تھی۔ کہ اپنے زمانہ اور اپنے ملک سے گزر کر غیر ممالک اور دوسرے زمانوں کے عیش اور نفس پرستی کی داستانیں تلاش کی جاتی تھیں۔ اور اس قسم کی داستانوں سے فرانسیسی ادب میں رنگینی پیدا کرنے کی سعی کی جاتی تھی۔

"تائیس" کے ناظرین کو اس کے مطالعہ سے یہ انکشاف ضرور ہو جائے گا۔ کہ جن اثرات کی جانب ہم نے مندرجہ بالا سطور میں اشارہ کیا ہے۔ ان کا شائبہ ایک حد تک اس کتاب میں بھی موجود ہے۔ مذہب و اخلاق کے خلاف جرأت بیجا کے الزام سے یہ کتاب بھی بری نہیں۔ اور اس کا حسن و خوبی بھی ایک حد تک ان رنگینیوں کا منت کش ہے جس کی تلاش اس زمانے کے مصنفین کے تخیل کو دور دور از ممالک اور قرون ماضیہ میں سرگرداں رکھتی تھی۔ لیکن اس بدنما میلان کے باوجود "تائیس" اپنے زمانے کے ادبیات میں ایک ممتاز تصنیف ہے جس کی خوبیوں کا ہر شخص معترف نظر آتا ہے۔ اگر اس زمانے کے فرانسیسی ادب کی عام کثافت و غلاظت پر نظر رکھتے ہوئے ہم "تائیس" کی نزاکت و لطافت پر غور کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک پھول ہے جو کبھی

کسی خس وخاشاک کے انبار پر کھل کر ان تنگ خیال معلمین اخلاق پر خندہ زن ہوتا ہے۔ یہ دعوے کرتے ہیں کہ برائی سے بھلائی کبھی پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ "تائیس" کی سب سے بڑی خوبی اس کا دلکش اسلوبِ بیان ہے۔ جو کم و بیش اناطول فرانس کی تمام تصانیف میں پایا جاتا ہے۔ اس اسلوب کا تجزیہ کچھ آسان کام نہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی تمام تر سعی اس پر منحصر ہے۔ کہ زبان صاف اور سادہ ہو۔ لیکن یہ صفائی اور سادگی اس قسم کی ہے جس کو فنِ شعر میں سہل الممتنع کہا جاتا ہے۔ وہ خود اس سادگی کی ان الفاظ میں تعریف کرتا ہے۔

"سادہ اسلوب سفید روشنی کے مانند ہے۔ یعنی یہ کہ وہ دراصل مرکب ہے۔ لیکن بظاہر ایسا نہیں معلوم ہوتا۔ زبان کی خوشنما اور پسندیدہ سادگی محض ایک نمود ہے۔ جو مختلف نوع کے الفاظ کی عمدہ ترتیب اور ان کے استعمال میں کمال احتیاط سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔"

اناطول فرانس نے سادہ اسلوب کے لئے جو حدود قائم کی ہیں۔ ان کا وہ خود غایت درجہ پابند ہے۔ اور شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ کہ صاف اور سادہ مگر موثر نثر نگاری میں فرانس تو کیا یورپ کے کسی اور ملک میں بھی اس کا ثانی نظر نہیں آتا۔

"تائیس" کی دوسری خوبی اس کا موضوع ہے۔ جو اپنی وسعت و رفعت کے لحاظ سے ہر زمانے اور ہر ملک کے آدمیوں کے لئے دلچسپ ہو سکتا ہے۔ یعنی وہی جسم و روح کا تصادم۔ وہی نیکی اور بدی کا تضاد۔ وہی اہرمن اور یزداں کی جنگ جو زرتشت کے زمانے سے لے کر آج تک دینیات و روحانیات کے اسرار کی کلید ہے۔ اناطول فرانس نے اس موضوع کو عیسائی رہبانیت کے خاص رنگ میں پیش کیا ہے اور دکھایا ہے۔ کہ نیک و بد رجحان کیونکر ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ رہتے ہیں۔ اور ان کے اس رابطہ کو قطعاً منقطع کرنے سے انسانی جدوجہد قاصر ہے لیکن اگر یہ سمجھا جائے۔ کہ "تائیس" کے مصنف کو اس مسئلہ کے اخلاقی پہلو سے کچھ زیادہ اعتنا ہے۔ تو یہ ایک گونہ غلط فہمی ہوگی۔ کیونکہ اناطول فرانس کے فلسفہ میں اخلاقی اعتقاد کے لئے چنداں گنجائش نہیں۔ اس کو تو صرف اس خیال کا اظہار مقصود ہے کہ جس کو عام طور پر روحانیت کہا جاتا ہے۔ وہ بھی درحقیقت جسم ہی کے بعض خاص میلان ہیں۔ اور ان کی اصلیت کو

بے نقاب کرنے کے لئے بسا اوقات ایک اشارہ کافی ہوتا ہے۔ تصوف کے شائقین غالباً پہچان جائیں گے۔ کہ یہ وہی نکتہ ہے جس کا متصوفین کے کلام میں بار بار اعادہ ہوتا ہے ؎

رشک آیدم وگر نہ نقابت کشودمے
دستِ ترا گرفتہ بہ عالم نمودمے

صرف فرق اتنا ہے کہ متصوفین کے عقیدہ میں جو کچھ ہے۔ وہ روح کی نمود ہے۔ اور اناطول فرانس کے خیال میں جو کچھ ہے وہ جسم کا کرشمہ۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ اس قدر شکی مزاج واقع ہوا ہے کہ اس کو جسم و روح دونوں میں سے ایک پر بھی کافی اعتماد نہیں اور جن آراء کو وہ بظاہر خود پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ان پر بھی اس کو اتنا واثق یقین نہیں۔ کہ وہ اختلاف سے جیں بہ جبیں ہو۔ اس کی طبیعت ایک شفاف سطح آب ہے جس پر مختلف خیالات و آراء اپنا عکس تو ڈالتے ہیں لیکن مکدر نہیں کر سکتے۔ وہ ہر قسم کے انسانوں کو سمجھ سکتا ہے۔ اور ہر نوع کے عقائد میں دلچسپی لے سکتا ہے۔ اس کے لئے دشت لبیا کا نیم وحشی اور نامعقول راہب بھی اسی قدر دلچسپ ہے جس قدر کہ اسکندریہ کی آراستہ اور معطر عروس بازاری۔ وہ تنگ خیال غیسائی اسقفوں سے بھی اتنا ہی حظ اٹھاتا ہے جتنا کہ پادریہوا فلسفیوں کے مناقشات سے۔ اس کے خیال کی یہی شیرینی ہے جو باوجود اپنے خلاف مذہب رجحان کے بھی کسی پرستار مذہب کو ترش رو ہونے کا موقعہ نہیں دیتی۔ جب وہ ہمارے عقائد کو بچیس بھی لگاتا ہے۔ تو ایسے ہلکے ہاتھ سے کہ پھولوں کی چھڑی کا گمان ہوتا ہے۔ اگرچہ رومن کیتھولک کلیسیا نے ایک زمانے میں اس کی تصانیف کو ممنوعات کی فہرست میں شامل کر دیا تھا۔ لیکن اس سے اناطول فرانس کی ہر دلعزیزی کو مطلق صدمہ نہیں پہنچا۔ اور ۱۹۲۱ء میں نوبل پرائز کے مل جانے سے تو وہ ان مستثنیین کے زمرہ میں شامل ہو گیا ہے۔ جن کی تصانیف کا عام میلان مصلحانہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ "تائیس" کے نکتہ سنج مترجم نے تو اس کتاب کے مضمون کو خواجہ حافظ کے اس شعر کے ساتھ بالکل مطابق پایا ہے کہ ؎

زاہد غرور داشت سلامت نہ بُرد راہ
رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔ کہ شاید اس سے بہتر خلاصہ "تائیس" کا نہیں ہو سکتا۔ اور حقیقت میں اگر اس خاص پہلو سے دیکھا جائے تو یہ کتاب جو بظاہر عیسائیت سے بہت دُور نظر آتی ہے۔ حضرت مسیح کے بعض اقوال اور میری میگڈالن کی حکایت سے بہت قریب معلوم ہوتی ہے۔

"تائیس" کی ایک اور قابلِ ذکر خصوصیت وہ کمال ہے۔ جو اس کے نقش و نگار میں ایک محو شدہ زمانے کے آثار نمودار کرنے میں ظاہر کیا گیا ہے۔ قرونِ ماضی کے ظاہری کوائف کو قلمبند کرنا چنداں دشوار کام نہیں لیکن مُردہ خیالات و جذبات کا احیاء ایک قسم کا سحر ہے جس پر بہت کم سحر نگار قدرت رکھتے ہیں۔ اناطول فرانس کو یہ قدرت اپنے وسیع و عمیق مطالعہ اور ہمہ گیر ذہانت کے زور سے حاصل ہوئی ہے۔ اس کا دماغ زمان و مکان کی تعبیروں کو توڑ کر عالمِ خیال کے دُور و دراز اطراف و جوانب کی سیر کر سکتا ہے۔ اور اس دُنیا کا کوئی گوشہ اُسے اجنبی نہیں معلوم ہوتا۔ اناطول فرانس کی استعداد علمی حیرت ناک تھی۔ اور جس آسانی و سلاست سے اپنی وسیع معلومات کو وہ اپنی تحریر میں استعمال کرتا تھا۔ اُس کی مثال دُنیا کے ادبیات میں بہت کم ملتی ہے۔

ان اوصاف سے متصف مصنف کی تحریر کو دوسری زبان میں ترجمہ کرنا کس قدر دشوار و جانکاہ کام ہے۔ اس کو ہر شخص خود قیاس کر سکتا ہے۔ اس کے لطیف خیالات کو ان کی ادبی لطافتوں کے ساتھ کسی غیر زبان میں ادا کرنا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اور خصوصاً اُردو زبان کا تو ذخیرہ الفاظ ابھی تک اس قدر محدود ہے کہ اس میں غیر مانوس خیالات کا اظہار ذرا تکلّف ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اس مشکل کی جانب مولوی عنایت اللہ صاحب اپنے ایک خط میں بدیں الفاظ اشارہ کرتے ہیں کہ:۔

"انگریزی زبان میں الفاظ کی کثرت اور خوب صورت ترکیبیں اس قدر ہیں اور اُردو میں ان چیزوں کی اس قدر قلّت ہے کہ ترجمہ سے بعض وقت نفرت ہو جاتی ہے۔ انگریز مصنّف تو دریا میں کھڑے نہاتے ہیں۔ اور ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک ٹب میں بیٹھے تھوڑے سے پانی کو گھنگول رہے ہیں طبیعت الفاظ کی کمی سے بیزار ہو جاتی ہے۔ مگر ترجمہ کئے بغیر بھی چین نہیں۔ کیونکہ عادت سی ہو گئی ہے۔"

ان کی یہ بے چینی اُردو زبان کی خوبیٔ تقدیر کی دلیل ہے۔ کیونکہ اصحاب ذوق سلیم انکے تراجم کو اُردو کے بہترین تراجم میں شمار کرتے ہیں۔ اور میرے خیال میں اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کسی منصف مزاج شخص کو ذرا بھی تامل نہیں ہوسکتا۔ کہ عنایت اللہ صاحب کو فطرت سے ترجمہ کے لئے موزوں طبیعت ودیعت ہوئی ہے۔ اور اس فن شریفہ میں انہیں خداداد ملکہ حاصل ہے۔ وہ لگاؤ جوان کی طبیعت کو فن ترجمہ کے ساتھ ہے۔ ایک حد تک موروثی بھی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان کے محترم و نامور پدر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی مرحوم ومغفوران معدودے چند افراد میں سے تھے جنہوں نے اُردو زبان کی کم مائگی پر نظر رکھتے ہوئے مغربی زبانوں سے اخذ و ترجمہ کی ضرورت کو محسوس کیا اور مدت العمر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ساعی رہے۔ عنایت اللہ صاحب ابھی علی گڈھ کالج میں متعلمانہ حیثیت ہی میں مقیم تھے۔ جب ان کے ترجموں کی شہرت ادبی حلقوں میں پھیلنے لگی۔ اس صنف تحریر میں ان کا سب سے اوّل کارنامہ سر تامس آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام (اشاعت اسلام) کا ترجمہ تھا۔ جو سر سیّد احمد خاں صاحب مرحوم ومغفور کی تحریک و ترغیب سے عمل میں آیا۔ اس کے بعد ان کے مختلف تراجم ملک کے جرائد اور رسائل میں شائع ہوکر مقبولیت کی داد پاتے رہے۔ کوئی بیس بائیس برس ہوئے۔ جب انھوں نے رڈیارڈ کپلنگ کی معرکتہ الآرا تصنیف جنگل بک کی دو کہانیوں کا حیرت ناک ترجمہ اُردو میں کرکے اس بات کا ثبوت دیا۔ کہ اُردو زبان باوجود انگریزی کے مقابلہ میں کم بضاعت ہونے کے ہر قسم کے معجزات تحریر کی اہلیت رکھتی ہے۔ جب حیدرآباد میں دارالترجمہ قائم ہوا تو اس کی نظامت کچھ مدت کے بعد انہیں کے لائق ہاتھوں میں تفویض ہوئی۔ اور اس سلسلہ میں ایک سے زیادہ تاریخی کتابوں کا ترجمہ ان کے اپنے قلم سے سرانجام پایا۔ غرضیکہ "تائیس" کے ترجمہ سے قبل وہ بہت سی مختلف الانواع کتابوں کا ترجمہ کرچکے ہیں۔ اور ہر قسم کے خیالات کو اُردو زبان کے قالب میں ڈھالنے میں جس قدر کامیابی ان کو حاصل ہوئی ہے۔ وہ کسی اور فرد واحد کو نصیب نہیں ہوئی۔

میری اس تحریر سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ کہ عنایت اللہ صاحب محض دوسروں ہی کے خرمن سے خوشہ چینی کرسکتے ہیں۔ ان کے متعدد طبع زاد مضامین

اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے کافی ہیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ اُنھوں نے وہ ادبی ذوق اور لُطف زبان پیدا کیا ہے۔ کہ ان کا معمولی سا خط بھی واقف کار لوگوں کی نگاہ میں ادبی دلچسپی کا ایک سرمایہ ہوتا ہے۔

دہلی کی خالص اور اصلی زبان کو ادبی لطافتوں کے ساتھ استعمال کرنے میں آپکو خاص دسترس حاصل ہے۔ اور اس کا ایک بیّن ثبوت "نائیس" کے ترجمہ کی شکل میں ہمارے پیش نظر ہے۔ اصل کتاب کی زبان میں مصنف نے یہ رعایت رکھی ہے کہ اس کا طرز بیان پُرانی مذہبی داستانوں سے ملتا جلتا بھی ہے۔ اور اس میں شوخی و ظرافت کی اس قدر آمیزش بھی ہو کہ روایاتِ قدیمہ کی ثقاہت و جمود اس پر عارض نہ ہو جائے۔ ترجمہ میں بھی یہ خصوصیت قائم رہی ہے۔ اکثر مقامات کی عبارت بادی النظر میں بالکل ایسی معلوم ہوتی ہے کہ کسی مذہبی تذکرہ سے ماخوذ ہے۔ لیکن دو چار سطریں پڑھنے کے بعد ہی کوئی نکیلا فقرہ یا چبھتی ہوئی ترکیب پڑھنے والے کے دل پر بالکل دوسری ہی کیفیت وارد کر دیتی ہے۔ اس پُرلطف کیفیت سے ناظرین کو زیادہ دیر تک محروم رکھنا ایک نوع کا گناہ ہے۔ اس لئے اپنی اس روکھی پھیکی تحریر کو یہیں ختم کرتا ہوں۔

محمد اسمٰعیل

عرض منجانب ناشر

مصنف، مترجم اور ترجمہ کے متعلق پروفیسر مرزا محمد سعید صاحب کے عالمانہ مقدمہ کے بعد اور کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ مجھے یہاں تائیس کی طباعت و اشاعت کے متعلق کچھ کہنا ہے۔

تائیس کا پہلا ایڈیشن اب سے تقریباً دس سال پہلے دارالاشاعت لاہور سے شائع ہوا تھا۔ مگر اس شہرۂ آفاق کتاب اور بے مثل ترجمے کی قدر ہندوستان میں یہ ہوئی کہ اب تک اس کے پہلے ایڈیشن کی چند جلدیں ناشر کے پاس برائے فروخت موجود ہیں۔ دوسرا ایڈیشن مولانا کی مرضی کے مطابق میں شائع کر رہا ہوں اور میں اس خیال سے مطلق ہراساں نہیں ہوں کہ طبع ثانی کی نکاسی اور بھی زیادہ سستی سے ہوگی۔ ساقی بک ڈپو سے جو کتابیں شائع کی گئی ہیں اُن میں کبھی تجارتی پہلو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ مقصد صرف یہ رہا ہے کہ کسی اچھی چیز کو اچھی طرح شائع کیا جائے۔ اگر ہر ادارہ بازاری کتابیں حصولِ زر کے لئے شائع کرنے لگے تو پڑھنے والوں کا مذاق اُبھر چکا۔ ستھرا لٹریچر اگر آپ پیش کرنا چاہیں تو منافع کا خیال ہی سرے سے چھوڑ دیں۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مذاقِ عامہ کو سنوارنا ناشرین کا اخلاقی فرض ہے۔ اسلئے اگر کوئی اچھی کتاب نہیں بکتی تو یہ قصور ہے ناشرین کا کہ انہوں نے بیکار لٹریچر پیش کرکے کارآمد لٹریچر کی اشاعت کے لئے جگہ تنگ کر دی۔

تائیس کا ترجمہ مولانا کو اپنے سب ترجموں سے زیادہ عزیز ہے۔ اسکو وہ کئی کئی دفعہ پڑھ چکے ہیں اور فرماتے ہیں کہ پھر پڑھنے کو جی چاہتا ہے اسکے ہر مطالعہ میں مولانا نے کچھ نہ کچھ ترمیم کی ہے اس طرح زیرِ نظر نسخہ منجھ منجھا کر نکھر گیا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ

دوسرا ایڈیشن "دو آتشہ" ہو گیا ہے اور بزبانِ غالب ع:- "ایں مے از قحطِ خریداری کہن خواہد شدن"۔ اس سے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔

تائیس کے آخیر میں تلمیحات کا جو باب ہے بطورِ خاص لائق ذکر ہے۔ یہ باب اصل کتاب میں نہیں ہے اور ہونا بھی نہیں چاہیئے تھا کیونکہ یورپ کے ادبِ عالیہ میں یہ تلمیحات عام ہیں۔ مولانا نے نہایت کاوش اور انتہائی جانفشانی سے انہیں تلاش کر کے ترجمہ کیا ہے۔ فرماتے تھے کہ تائیس کے ترجمے سے زیادہ مجھے اس پر محنت کرنی پڑی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ مولانا کا ایک ایسا مفید اضافہ ہے جس کے بغیر تائیس کا اصلی لطف اردو پڑھنے والوں کو حاصل ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

شاہد احمد

دریائے نیل کا پھول

جس زمانہ کا یہ قصہ ہے مصر میں طیبی کا صحرا عیسائی راہبوں سے آباد تھا۔ دریائے نیل کے دونوں کناروں پر دُور دُور تک جھونپڑیاں پڑی تھیں جوان راہبوں نے مٹّی اور پتّوں سے بنائی تھیں اور ان میں اتنا اتنا فصل رکھا تھا کہ اُن کے رہنے والوں کو تنہائی بھی نصیب رہے اور اگر ضرورت ہو تو وقت پر ایک دوسرے کی مدد کو بھی آسانی سے آسکیں۔ جھونپڑیوں سے کچھ اونچے نکلے ہوئے گرجا بھی جا بجا موجود تھے۔ ان کی چوٹیوں پر صلیبیں نصب تھیں عشائے ربّانی اور اسرارِ مسیحی کی رسوم کے موقعوں پر یہ تارک الدنیا عیسائی ان گرجاؤں میں جمع ہوا کرتے تھے۔ دریا کے کناروں سے ملے ہوئے مسیحی زاہدوں کے گھر تھے، یہ سب اپنے اپنے تنگ و تاریک حجروں میں علیحدہ علیحدہ رہتے تھے۔ مگر باہمی اتحاد بھی رکھتے تھے۔ جس کی غرض صرف یہ تھی کہ جو طریقہ گوشہ نشینی کا اختیار کیا ہے وہ خوش اسلوبی سے ہمیشہ برقرار رہ سکے۔

یہ زاہد اور راہب بڑے پرہیزگار ہوتے تھے۔ جب تک آفتاب غروب نہ ہو کچھ کھاتے پیتے نہ تھے اور کھانے میں بھی سوائے روٹی، نمک اور زوفے کے ساگ کے اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ ان میں بعض راہب بالکل ہی ریگستان میں جاکر آباد ہوئے تھے۔ کسی نے کسی غار کو اور کسی نے کسی ٹوٹے ہوئے مقبرے کو اپنا گھر بنا لیا تھا۔ اور یہاں اور بھی زیادہ تنہائی میں زندگی بسر کرتے تھے۔

یہ سب لوگ ایک بہت نیچا کُرتہ پہنتے تھے جس کی پشت پر ایک رومال سا ہوتا تھا۔

جس کو اُلٹ کر سر ڈھک لیتے۔ رات کو بہت دیر تک وظیفے اور عبادت میں مصروف رہتے۔ اور خدا کی حمد گانے کے بعد زمین پر بغیر فرش کے سو جاتے اور ہر روز گناہوں کی تلافی میں کوئی نہ کوئی عجیب جسمانی تکلیف اُٹھاتے۔ آدم کے سب سے پہلے گناہ کے کفارے میں اُنھوں نے اپنے جسم کو ہر طرح کی راحت و آسائش سے محروم کر دیا تھا۔ اور یہی نہیں بلکہ اپنے تن بدن کی اتنی خبر بھی نہ رکھتے جو ہر انسان کے لئے بالکل ضروری ہوتی ہو۔ سمجھتے تھے کہ بدنی امراض جس قدر زیادہ ہوں اسی قدر روح کی اصلاح بھی زیادہ ہوتی ہے اور جسم کی زینت کے لئے پھوڑے پھنسیوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ بلکہ ان کے ان ہی زخموں سے انبیائے بنی اسرائیل کے اس قول کی تصدیق ہوتی تھی کہ صحرا پھولوں سے ڈھک دئے جائیں گے۔"

اس بیابانِ مقدس میں جو لوگ دُنیا چھوڑ کر بسے تھے اُن میں بہت سے لوگ تو صرف ریاضت اور نفس کُشی میں اپنا کل وقت صرف کرتے تھے۔ اور بہت سے ایسے تھے جو کچھ روزی پیدا کرنے کے لئے درختوں کی چھالیں اُتار کر ان کے ریشوں سے رسیاں بٹا کرتے۔ یا جب فصل تیار ہو جاتی تو پاس کے زمینداروں کے ہاں جا کر مزدوری کر لیتے۔ بُت پرست سمجھتے کہ یہ چور اور اُٹھائی گیرے ہیں اور جو رہزن قافلوں کو لوٹا کرتے ہیں ان سے میل ملاپ رکھتے ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں غلط تھیں۔ ان راہبوں کو روپے پیسے سے بالکل نفرت تھی۔ وہ خدا کے نیک بندے تھے جن کی نیکیاں خوشبو بن کر آسمان تک پہنچا کرتی تھیں۔

فرشتے نوجوانوں کے بھیس میں مسافروں کی طرح ہاتھ میں عصا لئے ان راہبوں کی بستیوں میں آیا کرتے۔ اور شیاطین بھی حبشیوں اور جنگل کے جانوروں کا روپ بھر کر گمراہ کرنے کیلئے ان میں گشت لگاتے۔ اور جب صبح کے وقت یہ راہب اپنے اپنے برتن لے کر چشمے سے پانی لینے جاتے تو بھوتوں اور عفریتوں کے نقشِ قدم ان کو ریت پر نظر آیا کرتے۔ مذہبی نظر سے دیکھنے والوں کے نزدیک طیبی کا مقدس مقام بیابان ایک میدانِ کارزار تھا جہاں عرش کی پاک اور تحت الثریٰ کی خبیث روحوں میں

ہمیشہ بالخصوص رات کے وقت بڑے بڑے ہنگامے برپا رہتے تھے۔

شیاطین کی فوجیں رات دن ان غریب راہبوں پر یورشیں کیا کرتیں۔ مگر یہ خدا کے نیک بندے فرشتوں کی مدد اور خدا کے فضل سے سخت روزے رکھ کر اور جسم کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچا کر شیاطین کے حملوں کا جواب دیتے۔ بعض وقت نفس کی خواہشیں ان پر ایسی غالب ہوتیں کہ تکلیف سے چلّانے لگتے اور اس وقت ان کی آواز ایسی ہوتی جیسے بھوک میں بھیڑیئے چیختے ہوں۔ خبیث روحیں اچھی اچھی صورتیں بنا کر ان کے پاس آیا کرتیں، گو در اصل وہ کریہ منظر ہوتی تھیں لیکن اپنی بُری طبیعت کو چھپانے کے لئے اچھی صورت بنالیتیں اور صحرائے طیبی کے تارک الدنیا اپنی اپنی جھونپڑیوں میں عیش وعشرت کے وہ وہ نقشے دیکھا کرتے جو اِس زمانہ کے عیاشوں اور بدکاروں کے ذہن میں بھی نہ آتے ہونگے۔ لیکن چونکہ صلیب کا سایہ ان پر تھا اس لئے کسی بُری بات کی تحریکیں ان کو نہ ہوتی اور صبح ہوتے ہی یہ خبیث روحیں اپنی اصلی صورتیں اختیار کر کے دل میں نہایت شرمندہ وخجل بھاگ جاتیں۔ بلکہ اکثر دن نکلنے پر کسی راہب کو نظر آتا کہ ان ہی ناپاک روحوں میں سے ایک روح روتی پیٹتی بھاگی جاتی ہو اور جب سبب پوچھا جاتا تو کہتی کہ "یہاں ایک عیسائی رہتا ہو اُس نے مجھے ڈنڈے مار کر اور بہت بے عزت کر کے اپنے گھر سے نکال دیا ہے"۔

صحرا کے سن رسیدہ راہب خوب جانتے تھے کہ گنہگاروں پر ان کا کس قدر رعب چھایا رہتا ہے۔ بعض وقت دُنیاداروں کے ساتھ ان بڈھے راہبوں کی نیکیاں بھی نہایت خطرناک ہوتی تھیں۔ خدائے برحق کے مقابلہ میں خطاکاروں کو سزائیں دینے کا اختیار ان کو "مسیحی رسولوں" سے ودیعت ہوا تھا۔ جس کسی کو خاطی سمجھ لیتے پھر اس کو کہیں پناہ نہ ملتی۔ شہروں شہروں یہاں تک کہ سکندریہ میں بھی لوگ بہت خوف زدہ ہو کر کہا کرتے کہ ان بڈھوں کا ڈنڈا جس پر پڑ گیا پھر زمین شق ہو کر اس کو نگل ہی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے تمام بدکار خاص کر نقال اور مسخرے کسبیاں اور متاہل پادری ان سے لرزتے رہتے تھے۔

ان پیرانہ سال زاہدوں کے اعمال ایسے اچھے ہوتے تھے کہ وحشی جانور بھی ان کا حکم مانتے تھے مشہور تھا کہ جب ایک راہب بیمار ہو کر مرنے کو ہوا تو جنگل سے ایک شیر آیا کہ بیمار کی قبر اپنے پنجوں سے کھودے۔ شیر کے آتے ہی راہب سمجھ گیا کہ خدا اب اسکو اپنے پاس بلانے والا ہے چنانچہ وہ اپنے سب بھائیوں سے گلے ملا۔ اور پھر زمین پر دراز ہوا تاکہ خداوند کے سایہ میں میٹھی نیند سو جائے۔

جب سے قسیس اعظم انطونی نے جس کی عمر اب سو برس سے زائد تھی کوہ کلزین پر گوشہ نشینی اختیار کی تھی اور اس کے دونوں مشہور شاگرد مکاروس اور اماتوس بھی صحرا چھوڑ کر اس کے ساتھ رہنے لگے تھے اس وقت سے طیبی کی وسیع اقلیم میں انصینو کے قسیس پفنوتوس سے بڑھ کر خدا کی راہ میں نیک کام کرنے والا کوئی باقی نہ رہا تھا۔ یہ سچ ہے کہ افریم اور اسرافیون بھی صحرا کے مشہور اکابر میں شمار ہوتے تھے جن کی ماتحتی میں راہبوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، اور اپنی اپنی خانقاہوں کے دینی و دنیوی انتظام میں بھی بہت شہرت حاصل کر چکے تھے لیکن عبادت اور ریاضت میں پفنوتوس ان دونوں سے ممتاز تھا۔ روزے نہایت سخت قسم کے رکھتا بعض اوقات تین تین دن تک کچھ کھاتا پیتا نہ تھا۔ بھیڑ کے بالوں کا بنا ہوا ایک نیچا پیرہن پہنتا اور صبح و شام اپنے ہی ہاتھ سے اپنی پیٹھ پر کوڑے لگاتا اور اکثر منہ کے بل زمین پر پڑا رہتا۔

پفنوتوس کی جھونپڑی کے پاس ہی اس کے چوبیس شاگردوں نے اپنی جھونپڑیاں بنالی تھیں۔ اور جس طرح یہ راہب جسمانی ایذائیں اٹھاتا اسی طرح اس کے شاگرد بھی اٹھاتے۔ مسیح کیواسطے اس کو اپنے شاگردوں سے بے انتہا محبت تھی۔ اور نفس کشی کی ان کو ہمیشہ ہدایت کرتا رہتا تھا۔ اس کی اس روحانی اولاد میں ایسے لوگ بھی تھے جو برسوں قزاقی کا پیشہ کرتے رہے تھے۔ لیکن پفنوتوس کی نصیحتوں سے وہ راہ راست پر آئے اور دنیا کی مکروہات سے انہوں نے اپنا دامن کھینچ لیا۔ ان ہی شاگردوں میں ملکہ حبش کا ایک رکابدار تھا جسے پفنوتوس نے رہبانیت کی تعلیم دی۔ اور پھر اس شاگرد کو سوائے

گریہ وزاری کے دوسرا کام نہ رہا۔ اسی طرح فلے ویان جو کلیسا میں شماس کا درجہ رکھتا تھا اور بڑا عالم اور فصیح مانا جاتا تھا پفنوتوس کی ہدایت سے تارک الدنیا ہوا لیکن اس کے تلامذہ میں سب سے بڑا درجہ ایک نوجوان کاشتکار کو ملا تھا جس کا نام پال تھا۔ اسکا لقب "سادہ لوح" رکھ دیا گیا تھا کیونکہ وہ بہت ہی بے عقل تھا۔ اور لوگ اس کی صورت دیکھ کر ہنسا کرتے تھے۔ لیکن خدا کی نظروں میں وہ بہت پیارا تھا۔ عالم رویا میں ہر چیز کی حقیقت کو پہچاننے اور پیشین گوئی کرنے کی قدرت اُس کو عطا ہوئی تھی۔

پفنوتوس بڑا عالم باعمل تھا۔ اپنے شاگردوں کو ترکِ دُنیا اور نفس کُشی کا سبق دینے کے علاوہ وہ کتبِ مقدسہ کے دقیق مضامین پر اکثر غور کیا کرتا۔ اور الفاظ کے ظاہری مفہوم سے قطع نظر کرکے ان کے پوشیدہ معنی تلاش کرنے میں مصروف رہتا۔ اور اسی وجہ سے کہ ابھی نوجوان تھا اس میں بہت سی نیکیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ بھوت پریت صحرا کے تمام راہبوں کو تنگ رکھتے لیکن اس کے پاس تک کوئی نہ آتا تھا۔ رات کے وقت سات چھوٹے چھوٹے گیدڑ اُس کی جھونپڑی کے دروازے کے سامنے کان لگائے چُپ چاپ بیٹھے رہتے مشہور تھا کہ یہ ابلیس کی زرّیات ہیں جنکو پفنوتوس نے خدا پرستی کی قوت سے اپنے دروازے کے سامنے قید کر رکھا ہے۔

پفنوتوس اسکندریہ کے شہر میں شریف ماں باپ کے گھر پیدا ہوا تھا۔ دینوی علوم میں ادب کی کتابیں اس کو بہت غور سے پڑھائی گئی تھیں۔ شاعروں کے مبالغوں پر جان دیتا تھا۔ اور باطل پرستی کا یہ حال تھا کہ دیوکالیون کے طوفان میں بنی نوع انسان کے غرق ہوجانے کا یقین رکھتا تھا۔ اور جو لوگ اس کے ہم مکتب تھے ان سے خدا کی فطرت اور اس کی صفات بلکہ وجود باری پر بھی مخالفانہ بحثیں کیا کرتا۔ اُس زمانے میں اس کی زندگی بالکل لہو ولعب کی تھی اور یہی حال اس وقت اور بُت پرستوں کا بھی تھا۔ اب پفنوتوس اپنے پچھلے حالات یاد کرکے ہمیشہ شرمندہ اور پریشان رہا کرتا۔ اور اپنے دینی بھائیوں سے کہتا کہ اس کی زندگی کا

وہ زمانہ ایسا تھا جیسے دُنیا کی لذتوں کی ایک دیگ چڑھی ہو۔ اور یہ بھی ان ہی لذتوں میں جوش کھاتا ہو۔ اس فقرے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ اس زمانہ میں وہ خوش ذائقہ چیزیں کھاتا اور حماموں میں جہاں سب طرح کے لوگ آیا کرتے نہانے میں مصروف رہتا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ اُس نے بیس برس کی عمر تک بے دین بُت پرستوں میں زندگی بسر کی تھی جس کو زندگی کیا موت کہنا بہتر تھا لیکن جب مکاروس تلمیذ انطونی نے اس کو مذہب کی تعلیم دی تو وہ بالکل نیا آدمی ہو گیا۔

مذہب کی حقیقت اور سچائی نے اس کے دل پر بیحد اثر کیا۔ بلکہ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ چیزیں تلوار کی طرح اُس کے سینے میں اتر گئی ہیں۔ وہ عیسائی مذہب قبول کر کے مسیح مصلوب کی پرستش کرنے لگا اصطباغ لینے کے بعد بھی وہ ایک برس تک بُت پرستوں میں رہا لیکن ایک دن گرجا میں گیا تو پادری کی زبان سے انجیل کی یہ عبارت سُنی کہ "اگر تو کامل بننا چاہتا ہے تو جا اور جو کچھ تیرے پاس ہے اس کو بیچ ڈال اور مسکینوں کو دے دے" اتنا سُن کر وہ اپنے گھر آیا اور جس قدر مال و اسباب رکھتا تھا اس کو بیچ کر قیمت غریبوں میں تقسیم کر دی۔ اور خود دُنیا چھوڑ بیٹھا۔ اور اب دس برس سے لذائذ دُنیا کی دیگ میں اُبلنے کے بدلے توبہ و تاسف کے روغن سے گناہوں کے زخموں کو مندمل کیا کرتا تھا۔

ایک دن حسب معمول وہ ان وقتوں کو یاد کر رہا تھا جو اُس نے خُدا سے دور رہ کر بسر کئے تھے اپنی خطاؤں کو ایک ایک کر کے یاد کرنے لگا تاکہ اُن کی سنگینی اور شدت کا اندازہ کرے۔ اسی حال میں اس کو یاد آیا کہ برسوں ہوئے اسکندریہ کے تماشا خانہ میں اُس نے ایک تماشا کرنے والی کو دیکھا تھا جو بہت ہی حسین تھی۔ اور اُس کا نام تائیس تھا۔ یہ عورت تماشے دکھایا کرتی تھی اور ایسے ناچ ناچنے میں اس کو مطلق شرم نہ تھی جنہیں دیکھ کر شہوانی قوا کو تحریک ہو۔ یا وہ ایسی بے شرمی کی حرکتوں کی نقلیں اتارتی جو بُت پرستوں کے قصوں میں بڑی بڑی دیویوں مثلاً ونیس۔ لیدا اور پاسیفی سے منسوب تھیں۔ ان نقلوں سے وہ تماشائیوں

کے دلوں میں تعیش کی آگ بھڑکا دیتی۔ اور جب عاشق مزاج خدبرد جوان یا مالدار بڈھے ہمیشہ کے تماشبین اس کے دروازے پر پھولوں کے گنٹھے لٹکانے آتے تو ان کو اندر بلا کر بہت ہی خاطر و مدارات سے پیش آتی۔ اور جس طرح اپنا دین و ایمان غارت کیا تھا ان لوگوں کا دین و ایمان بھی غارت کرتی۔

پفنوتوس بھی اس عورت کے عاشقوں میں تھا۔ وصل کے ارمان نے اس کے خون میں بھی ایک جوش پیدا کیا۔ یہاں تک کہ ایک دن بیتاب ہو کر تائیس کے دروازے تک پہنچ گیا۔ لیکن چونکہ ابھی بہت نوعمر تھا (پندرہ برس کا سن تھا) مکان کے اندر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور ڈرا کہ کوئی وہاں سے نکال نہ دے۔ غرض اس طرح خدا کے فضل سے ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ وہ ایک بڑے گناہ سے بچ گیا۔ لیکن خدا کے اس فضل کی اس وقت قدر نہ ہوئی۔ کیونکہ ابھی تک اپنے فائدے اور نقصان میں تمیز کرنے کی اُسے سمجھ نہ تھی۔

پفنوتوس ان پرانے قصوں کو یاد کرتے کرتے دفعتاً چونکا اور لکڑی کی صلیب کے سامنے جس میں مسیح مصلوب کی مورت اس طرح لٹک رہی تھی گویا میزان عدل میں ایک طرف دنیا کے گناہ اور دوسری طرف ان کا کفارہ تولا جاتا ہے زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہوا اور اپنے گناہوں کو یاد کرنے میں تائیس کا خیال دل میں جمایا۔ کیونکہ اس عورت کا شمار بھی اس کے گناہوں میں تھا۔ رہبانیت کے قواعد مجبور کرتے تھے کہ نفس کی لذتوں کے خوفناک نتائج پر ہمیشہ غور کیا جائے۔ چونکہ جہل و معصیت کے زمانے میں اس عورت نے اس کے نفس کو لذت کی ترغیب دی تھی اس لئے دیر تک وہ اس کے خیال میں مستغرق رہا۔ چند گھنٹے اسی حال میں گذرنے کے بعد تائیس اس کو اپنی اصلی شکل و صورت میں نظر آنے لگی۔ دیکھا تو اس کا حسن و جمال وہی ہے جو پہلے تھا۔ شروع میں وہ اس طرح نظر آئی کہ جیسا دیبی کی طرح سنبل کی سیج پر لیٹی ہے منہ اونچا کئے ہے آنکھیں روشن اور نیم باز ہیں نتھنوں کو حرکت ہوتی ہے۔ چھاتیاں اُبھری ہیں۔ اور دونوں بازو اس طرح پھیلا رہی ہے جیسے عشق و لذت کے دو چشمے رواں

ہوں۔ یہ دیکھ کر پفنوتوس نے اپنا سینہ کوٹ لیا۔ اور کہا "اے خدا میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں کہ اب میں نے اپنے گناہ کی شدت کو سمجھ لیا۔"

تائیس کی صورت اب بدلنی شروع ہوئی۔ دونوں باہیں نیچے کو جھک کر منہ کھل گیا۔ اور رفتہ رفتہ ایک عجیب کیفیت درد و الم کی چہرے سے ظاہر ہونے لگی آنکھوں میں چمک تھی اور آنسو بھی بھرے تھے اور سینے سے سانس اس طرح آتا تھا۔ جیسے طوفان سے پہلے ہوا کے تیز جھونکے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد بلند ہوتے ہوں۔ یہ حالت دیکھ کر پفنوتوس کے دل پر تیر سا لگا۔ طبیعت میں گدازہ پیدا ہوا۔ زمین پر اسی حال میں گھٹنے ٹیکے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور خدا سے اس طرح فریاد کی۔ "اے تو جس نے ہمارے دلوں میں رحم اس طرح ڈالا ہے جیسے سبزے پر صبح کی شبنم گرتی ہو اے عادل و رحیم۔ تیری حمد ہر وقت زبان پر ہے۔ میرے دل کے اس گداز کو جس سے نفس کو تحریص ہوتی ہے دور کر دے۔ اور صرف اپنی راہ میں مخلوق کی محبت میرے دل میں پیدا کر کیونکہ مخلوق فانی ہے اور تجھ کو ہمیشگی ہے۔ اس عورت کے لئے اگر میرے دل میں درد ہے تو صرف اس لئے ہے کہ وہ تیرے ہی ہاتھوں کی بنائی ایک چیز ہے۔ فرشتے بھی دردمندی سے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ خداوندا کیا تیرے ہی نفسِ پاک نے اس میں روح نہیں پھونکی تھی، پھر ہر کس و ناکس کے ساتھ اسکا مبتلائے گناہ ہونا بند کر دے۔ مجھے اس کی حالت پر ترس آتا ہے۔ اس کے گناہ نہایت مکروہ اور سنگین ہیں جن کے خیال سے مجھ پر خوف طاری ہوتا ہے اور بدن کے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جس قدر اس کے گناہوں میں ترقی ہوتی ہے اتنا ہی میرا ترس اس کے لئے بڑھتا جاتا ہے۔ جس وقت خیال آتا ہے کہ مرنے کے بعد وہ کیسے سخت عذاب میں مبتلا ہوگی تو زار و قطار رونے لگتا ہوں۔"

ان ہی خیالات میں منہمک تھا کہ ایک چھوٹے سے کیڑے کو اپنے قدموں کے پاس بیٹھا دیکھا۔ پفنوتوس کو اس پر حیرت ہوئی کیونکہ جھونپڑی کا دروازہ صبح سے بند تھا۔ کیڑے کی صورت سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس راہب کے خیالات سے بالکل

واقف ہے۔ ایک رفیق کتے کی طرح وہ بار بار دُم ہلاتا ہے۔ پفنوتوس نے اپنے سینے پر نشان صلیب بنایا اور وہ گیدڑ فوراً غائب ہو گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر راہب کو خیال ہوا کہ آج پہلا دن ہے کہ شیطان کو اس کی جھونپڑی میں آنے کا موقعہ ملا۔ فوراً ایک دُعا پڑھی اور پھر تائیس کے خیال میں مصروف ہوا اور دل میں کہنے لگا "خدا کی مدد شامل حال رہی تو ضرور اس عورت کو گناہوں سے بچالوں گا" اور اسی خیال میں سو گیا۔

دوسرے دن عبادت اور وظیفے سے فارغ ہوتے ہی ایک بڑے خدا رسیدہ راہب کے پاس گیا جو یہاں سے کچھ فاصلے پر رہتا تھا۔ اس راہب کا نام بلمون تھا۔ دیکھا کہ وہ بہت ہی بشاش ہے۔ ہنستا چہرہ ہے اور حسب معمول اپنے باغیچے میں زمین کھود رہا ہے۔ یہ راہب بہت بُڈھا تھا اور اس باغیچہ کا وہی مالک بھی تھا۔ جنگل کے وحشی جانور اس سے مانوس تھے اور قریب آکر اس کے ہاتھ چاٹنے لگتے تھے۔ شیاطین بھی اس کو مطلق نہ ستاتے تھے۔

پفنوتوس کو دیکھتے ہی بلمون نے کدال چلانی بند کی مگر اسی طرح جھکے قد کدال کے دستے پر ہاتھ ٹیک کر بولا "سب تعریف خدا کی ہے بھائی پفنوتوس"

پفنوتوس نے جواب دیا "سب تعریف اسی پروردگار کی ہے۔ تجھ پر سلامتی ہو۔ بھائی بلمون"

بلمون اب سیدھا کھڑا ہوا اور پیشانی کا پسینہ ہاتھ سے پونچھ کر بولا "اور تجھ پر بھی سلامتی ہو۔ بھائی پفنوتوس"

اس طرح سلام و جواب ختم ہونے کے بعد پفنوتوس نے کہا "بلمون چونکہ ہماری گفتگو کا مقصد ہمیشہ اس ذات اقدس کی تعریف و تمجید ہوتی ہے جس نے وعدہ فرمایا ہے کہ اپنے ان بندوں پر ظاہر ہوگا جو اس کا نام لیتے ہوئے ایک ہی جگہ جمع ہوا کرینگے۔ اس لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں کہ اپنا ایک ارادہ ظاہر کروں جس سے مُراد خداوند کے نام کی بُزرگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے"

بِمُوَن- یفنونوس خدا تمہارے ارادے میں ایسی ہی برکت دے جیسے میری کیارڈ کے ساگ پات میں وہ برکت دیتا ہے۔ ہر روز میرے اس چھوٹے سے باغ کو اپنی رحمت کی اوس برسا کر وہ رونق بخشتا ہے اور جو تر کاریاں میری ان کیاریوں میں بہ افراط ہوتی ہیں۔ وہ بھی سب اسی کا احسان و کرم ہیں اور اسی کی حمد بہ وقت بجا لاتا ہوں۔ آؤ۔ بھائی خدا سے التجا کریں کہ وہ ہمیشہ ہمارے قلب کو اطمینان بخشے۔ کیونکہ بے قاعدہ خواہشوں سے جو فکر و پریشانی انسان کو ہوتی ہے۔ ان سے ہمیشہ ڈرنا چاہیئے۔ جب اس قسم کی خواہشیں دل میں پیدا ہوتی ہیں تو ہمارا حال ایک شرابی کا سا ہو جاتا ہے۔ کہ چلنے میں پاؤں کبھی ادھر پڑتا ہے اور کبھی اُدھر۔ اور ہر قدم پر معلوم ہوتا ہے کہ گر پڑینگے اور ذلیل ہونگے۔ بعض تحریکیں دل میں مسرت انگیز ولولے پیدا کرتی ہیں۔ مگر یہ سب ناجائز اور اعتدال سے خارج ہوتی ہیں۔ اگر انسان اپنی یہی حالت قائم رکھتا ہے تو شیاطین اس پر ہنستے ہیں اور ان کے ہنسنے کی آواز سب طرف گونج اٹھتی ہے۔ یہ جوش اور ولولے جو قابلِ افسوس ہوتے ہیں انسان کو طرح طرح کی مصیبت و قباحت میں گرفتار کر دیتے ہیں۔ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب رنج اور حواس پر مشکلیں ہجوم کرتی ہیں تو طبیعت پر ایک افسردگی طاری ہوتی ہے اور یہ بڑی ہی مکروہ چیز ہے۔ اس مسرت سے بھی زیادہ مہلک ہے جو نفس کی بُری خواہشوں کی پیروی میں پیدا ہوتی ہے۔ بھائی یفنونوس میں تو ایک گنہگار ہوں۔ لیکن ایک عمر دراز بسر کرنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ افسردگی سے بڑھکر کوئی دشمن ایک راہب کا نہیں ہو سکتا۔ اس افسردگی سے میری مراد طبیعت کی وہ مایوسانہ اور ہر چیز کو بُری نظر سے دیکھنے کی عادت ہے جو انسان کی روح کے گرد ایک غبارِ کثیف کی طرح چھا جاتی ہے اور خدا کے نور کو اس کی طرف نہیں آنے دیتی۔ شیطان کی سب سے بڑی فتح اس میں ہے کہ وہ ایک نیک بندے کے دل میں شقاوت اور ترش مزاجی کا بیج بو دے۔ انسان کی سلامتی میں اس سے زیادہ خدشے کی کوئی چیز نہیں۔ اگر شیطان صرف دُنیا کی لذتوں کی

ترغیب دیا کرتا تو وہ چنداں خطرناک نہ تھا۔ لیکن وہ تو ہمیں آزار پہنچانے میں انتہا سے بڑھا ہوا ہے۔ کیا اس نے ہمارے محترم انطونی کو ایک نہایت خوبصورت سیاہ فام بچہ نہیں دکھایا تھا جس کی خوبصورتی کو دیکھ انطونی گریہ کرنے لگا تھا لیکن انطونی شیطان کے دھوکے میں نہ آیا۔ اور یہ میرا چشم دید واقعہ ہے کہ جب تک یہ بزرگ ہم راہبوں میں آباد رہا۔ ہمیشہ خوش و بشاش رہا۔ افسردگی کبھی اس پر طاری نہ ہوئی لیکن پفنوتوس تم تو اپنا کوئی ارادہ مجھ سے بیان کرنے آئے ہو۔ ضرور بیان کرو۔ یہ تمہاری بڑی نوازش ہوگی کیونکہ تمہارے ارادے کا مقصد خدا کے نام کو بزرگی دیتا ہے۔"

پفنوتوس۔ "ہاں میرا مقصد یہی تھا۔ اب آپ اپنے مشورے سے میرے دل کو تسکین دیں کیونکہ آپ کو خدا کا نور ملا ہوا اور گناہوں نے کبھی آپ کی عقل کو تاریک نہیں کیا۔"

بلمون۔ "بھائی پفنوتوس میں تو اس قابل بھی نہیں کہ تمہاری نعلین کے تسمے کھول سکوں اور میرے گناہ تو اتنے ہیں جتنے ریگستان میں ریگ کے ذرّے لیکن میں بڈھا ہوں اور اب تک جو کچھ تجربہ مجھ کو حاصل ہوا ہے اس سے تمہاری مدد کروں گا۔"

پفنوتوس۔ "تو پھر اے برادر مہربان سنیئے۔ ایک خیال نے میرے دل کو نہایت غمگین کر رکھا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسکندریہ کے شہر میں ایک تماشے والی ہے جس کا نام تائیس ہے۔ وہ خود گناہوں میں مبتلا ہے۔ اور دوسروں کو بھی گنہگار کرتی ہے۔"

بلمون۔ "یہ تو بڑی ناپاکی ہے۔ بے دینوں میں بہت سی عورتیں اسی طرح زندگی بسر کرتی ہیں۔ تو کیا تم نے اس کا کوئی علاج سوچا ہے؟"

پفنوتوس۔ "ہاں میرا ارادہ ہے۔ کہ اسکندریہ جا کر اس عورت کو تلاش کروں اور خدا کی مدد سے اسے نیک راستے پر لاؤں۔ یہی میرا قصد ہے۔ آپ اس کو پسند کرتے ہیں یا نہیں؟"

بلموں۔ "بھائی پفنوتوس میں تو ایک گنہگار بندہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں۔ لیکن قبیس اکبر انطونی کا قول مجھے یاد ہے کہ جہاں کہیں بھی تم ہو وہاں سے دوسری جگہ جانے میں جلدی نہ کرو۔"

پفنوتوس۔ "تو کیا بھائی بلموں آپ کو میرے اس ارادے میں کوئی بات کھٹکتی ہے؟"

بلموں۔ "خدا وہ دن نہ لائے کہ میں کسی بھائی کے ارادے کو بدگمانی کی نظر سے دیکھوں۔ لیکن ہمارا مقدس انطونی کہا کرتا تھا کہ جب مچھلیاں پانی سے نکال کر زمین پر ڈال دی جاتی ہیں تو وہ مر جاتی ہیں۔ اسی طرح راہب جب اپنی جھونپڑیوں اور حجروں سے نکل کر دنیا کے لوگوں میں جاتے ہیں تو وہ اپنے پاک مقصد سے ہٹ جاتے ہیں۔"

اتنا کہہ کر بلموں نے پھر اپنی کدال سنبھالی اور ایک انجیر کے درخت کی جڑ کے پاس مٹی کو نرم کرنے لگا۔ جس میں کثرت سے پھل آئے ہوئے تھے۔ اس کام میں مصروف تھا کہ ایک ہرنی جو باغیچہ کی باڑ کود کر اندر آ گئی تھی کچھ دور ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی اور پھر دو چوکڑیاں بھر کر بلموں کے پاس چلی آئی اور اس کی گود میں اپنا منہ ڈال دیا۔ بلموں بولا "صحرا کے ان غزالوں کو دیکھ کر خدا کی تعریف کرو۔"

اس کے بعد وہ اپنی جھونپڑی میں گیا۔ خوبصورت ہرنی بھی پیچھے پیچھے گئی۔ راہب نے کچھ روٹی نکالی اور ہرنی اس کے ہاتھ سے روٹی کھانے لگی۔

پفنوتوس دیر تک زمین کی طرف دیکھتا ہوا کسی خیال میں غرق رہا۔ پھر آہستہ قدم اپنی جھونپڑی کی طرف چلا اور بلموں سے جو کچھ سنا تھا اس پر برابر غور کرتا رہا۔ دل میں کہنے لگا۔ "یہ راہب بڑا آزمودہ کار ہے۔ مزاج میں بہت احتیاط ہے اس نے میرے ارادے کو درست نہیں سمجھا بہرکیف تائیس کو یونہی شیطان کے قبضہ میں رہنے دینا اب تو ایک ظلم معلوم ہوتا ہے۔ خدا میری رہنمائی کرے اور مجھ کو نیک ہدایت دے۔"

یہی سوچتا ہوا جا رہا تھا کہ دیکھا ریت پر چڑیمار کے جال میں ایک پرندہ پھنس گیا ہے صورت دیکھ کر پہچانا کہ وہ بگلے کی مادہ ہے۔ اتنے میں اس کا نر تیز اُڑتا ہوا

آیا اور اپنی چونچ سے جلدی جلدی جال کے پھندوں کو توڑنے لگا۔ یہاں تک کہ جال میں ایک بڑا سوراخ ہو گیا۔ اور بگلے کی مادہ قید سے آزاد ہو کر اڑ گئی۔ خدا پرست راہب نے اس واقعہ پر غور کیا اور اپنے نفس کی پاکیزگی سے جو معنی اس میں مخفی تھے انکو آسانی سے سمجھ گیا۔ خیال ہوا کہ جال میں پھنسے ہوئے پرندے سے مراد سوائے تائیس کے اور کون ہو سکتا ہے۔ جو اس وقت قعرِ عصیاں میں ڈوب رہی ہے اور جس طرح اس وقت بگلے نے اپنی چونچ سے جال کے پھندے توڑے ہیں اسی طرح پند و نصیحت کی قوت سے ان نا پدید بندشوں کو توڑ ڈالنا چاہیئے۔ جنہوں نے تائیس کو گناہوں میں جکڑ رکھا ہے۔ اس خیال کے آنے پر اس نے خدا کی تعریف کی اور اپنے ارادے میں بالکل پختہ ہو گیا۔ لیکن جب پیچھے مڑ کر دیکھا کہ جس پرندے نے جال توڑا تھا خود اس کے پنجے جال میں پھنس گئے ہیں۔ تو اس کو اپنے ارادے میں تذبذب ہوا۔

رات بھر پفنوتوس کو نیند نہ آئی۔ صبح ہونے سے پہلے اس نے خواب میں دیکھا کہ تائیس پھر اس کے سامنے آئی ہے اور آج اس کے چہرے پر کوئی علامت جس سے ہوا و ہوس پیدا ہوتی ہو نہیں پائی جاتی۔ لباس بھی اس کا باریک نہیں ہے۔ بلکہ ایک موٹی چادر میں سر سے پاؤں تک لپٹی ہے۔ سارا جسم چھپا ہے صرف آنکھیں نظر آتی ہیں جن میں آنسو بھرے ہیں۔

یہ دیکھ کر پفنوتوس بھی رونے لگا۔ اور سمجھا کہ خواب میں یہ شکل خدا کی طرف سے اس پر ظاہر کی گئی ہے۔ بس اس کا تذبذب بالکل جاتا رہا۔ اور ایک لکڑی جو اوپر سے کچھ ٹیڑھی تھی اور نصرانیت کا نشان سمجھی جاتی تھی ہاتھ میں لے جھونپڑی سے باہر آیا۔ دروازہ احتیاط سے بند کیا تاکہ کتابِ مقدس جو سرہانے رہا کرتی تھی اسکو صحرا کے چوپائے اور پرندے اندر آکر خراب نہ کریں۔ پھر اس نے اپنے چوبیس شاگردوں میں سے فلے ویان کو طلب کیا اور باقی تیئیس شاگردوں کی نگرانی و نگہداشت اس کے سپرد کی اور کمبل کا نیچا کُرتا پہنے دریائے نیل کی طرف اس ارادے سے چل پڑا کہ

وحشت لیبیہ کی جانب جو کنارہ دریا کا چلا گیا ہے اس کی ریتی ریتی چل کر اسکندر مقدونی کے بسائے ہوئے شہر اسکندریہ میں پہنچ جاتے۔ سورج نکلتے ہی ریتی میں چلنا شروع کر دیا۔ نہ تکان کی پروا تھی نہ بھوک اور پیاس کی۔ یہاں تک کہ آفتاب افق مغرب کے قریب پہنچا۔ آسمان پر شفق پھولی اور دیکھا کہ جن پہاڑیوں کے بیچ میں سے دریا گزرا تھا وہ آگ کا شعلہ یا سونے کا ڈلا بن گئی ہیں اور دریا کی موجوں پر کسی نے خون کی افشاں کر دی ہے۔ اسی حال میں دریا کے کنارے کنارے سفر جاری رکھا جب بھوک بہت ستاتی اور ایسی جھونپڑیاں رستے میں ملتیں جو عشق خدا میں ایک دوسرے سے بے تعلق دور دور ڈالی گئی تھیں تو ان کے دروازے پر جا کر روٹی مانگتا۔ اگر روٹی کے بدلے جواب میں گالیاں یا انکار یا دھمکیاں سننی پڑتیں تو اُن کو بہت خوشی سے گوارا کرتا نہ اسے قزاقوں کا ڈر تھا نہ جنگلی درندوں کا۔ اتنی احتیاط البتہ ضرور کی کہ اگر کہیں گاؤں یا بستیاں ملیں تو ان سے بچ کر نکلا۔ کیوں کہ اس کو ان بچوں سے ڈر لگتا تھا جو اپنے گھروں کے سامنے سوکھی ہڈیوں سے کھیلتے ہوتے تھے یا اس کا خوف ہوتا تھا کہ کہیں عورتیں نیلے کرتے پہنے اس دھج سے نظر نہ آئیں کہ پانی کے برتن اپنے کندھوں سے اُتار کر کسی تالاب کے کنارے رکھتی ہوں۔ راہب کے لئے ہر چیز میں ایک خوف اور اندیشہ موجود ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ انجیل میں اس مضمون کا پڑھنا بھی خالی از خطر نہیں کہ خداوند یسوع مسیح ایک شہر سے دوسرے شہر میں گیا اور اپنے شاگردوں کے ساتھ ضیافت کھائی۔ یہ راہب اپنے دامن ایمان پر جس قدر نیکیوں کے پھول بوٹے کاڑھتے تھے وہ جیسے خوبصورت ہوتے ویسے ہی نازک بھی ہوتے تھے۔ دنیا کی ذرا سی ہوا لگتے ہی ان کا رنگ ماند پڑ جاتا تھا۔ اسی لئے وہ شہروں میں جانے سے پرہیز کرتے تھے۔ کیونکہ ڈرتے تھے کہ کہیں آدمیوں کی حالت دیکھ کر ان کے دل میں کسی طرح کی نرمی یا گداز نہ پیدا ہو جائے۔

کبھی شاہ راہ چھوڑ کر وہ دوسرے رستوں سے سفر کرتا۔ جب شام ہو جاتی اور

املیوں کے گھنے درخت ہوا سے جھومنے لگتے تو یہ کیفیت دیکھ کر وہ خود بھی کانپ جاتا۔ اور جلدی سے مُنہ ڈھانک لیتا کہ قدرت کی حسین چیزوں پر نظر نہ پڑے۔ چھ دن سفر کرنے کے بعد وہ ایک مقام پر پہونچا جسے سلسلی کہتے تھے۔ یہاں دریائے نیل ایک تنگ گھاٹی میں سے گذرا تھا۔ دونوں طرف کناروں سے قریب سنگ خارا کے اونچے اونچے پہاڑ کھڑے تھے اسی مقام پر مصر قدیم کے لوگوں نے جبکہ وہ شیاطین اور بلیہات کی پرستش کرتے تھے اپنے معبودوں کی سنگین مورتیں بڑے بڑے چٹانوں کو تراش کر بنائی تھیں۔ ان ہی بتوں میں ایک بہت بڑا سر ابوالہول کا نظر آیا جو پہاڑوں کے بیچ میں ایک بڑی چٹان کو کاٹ کر بنایا تھا۔ راہب ڈرا کہ کہیں کسی شیطانی اثر سے یہ سر زندہ نہ ہو جائے اس نے فوراً اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور مسیح کا نام لیا۔ اس نام کے لیتے ہی اس سر کے کان میں سے ایک چمگادڑ نکل کر اڑی۔ پفنوتوس سمجھا کہ اس بت میں جو بلائے بد صدہا برس سے متمکن تھی وہ مسیح کا نام لیتے ہی فرار ہوئی۔ جوشِ ایمان اور بڑھا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر اُس نے ابوالہول کے چہرے پر مارا۔ پتھر کے لگتے ہی یہ چہرہ اس درجہ غمزدہ معلوم ہونے لگا کہ پفنوتوس کو اس پر بے اختیار رحم آیا۔ حقیقت میں اس چہرہ سے ایسا غم و الم ظاہر ہونے لگا کہ بے درد سے بے درد کا دل بھی اسے دیکھ کر ہل جائے۔ غرض پفنوتوس نے اس پتھر کے ابوالہول سے کہا:-

"اے جانور مسیح کے خدا ہونے کا قائل ہو۔ پھر میں باپ بیٹے اور روح القدس کا نام لے کر تجھے برکت دوں گا"

اتنا کہتے ہی ابوالہول کے چہرے پر ایک سخت روشنی چمکی اور اس کی آنکھوں کے موٹے موٹے پپوٹوں میں حرکت پیدا ہوئی۔ اور پتھر کے ہونٹوں سے مسیح کا نام ایسی آواز میں سُنائی دیا جو کسی انسان کے مُنہ کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی تھی۔ اسپر پفنوتوس نے فوراً اپنا داہنا ہاتھ بلند کیا اور ابوالہول کے حق میں دُعا کی۔

اس کے بعد آگے چلا۔ جب تنگ گھاٹی سے باہر آیا تو ایک عظیم الشان شہر کے

صدہا کھنڈر نظر آئے۔ اس برباد مقام میں جو بُت خانے اب تک سلامت تھے ان کی چھتیں بُتوں کے سروں پر رکھی تھیں گویا ان عمارتوں کے ستون سب بڑے بڑے قدآور بُت تھے۔ اب ان تمام بُتوں نے خواہ ان کی شکل عورتوں کی تھی یا شاخدار جانوروں کی خدا کے حکم سے یکلخت یفنوتوس کی طرف اپنی نظریں جما دیں جس کی وجہ سے راہب کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ سترہ دن تک وہ سفر کرتا رہا۔ جنگلی پھل زمین سے اُٹھا کر کھا لیتا۔ اور رات کو برباد محلوں میں کہیں پڑ رہتا جہاں فرعونوں کے زمانے کے جنگلی بلاؤ اور چوہے ایسی عورتوں کے ساتھ رہا کرتے تھے جن کا نیچے کا دھڑ فلس دار ماہی کا سا ہوتا تھا۔ یفنوتوس کو خوب معلوم تھا کہ یہ عورتیں دوزخ سے نکل کر یہاں آباد ہوئی ہیں۔ چنانچہ جہاں اس کو ان کی ذرا بھی آہٹ معلوم ہوتی فوراً صلیب کا نشان بنا کر اُن کو دُور کر دیتا۔

اٹھارویں دن اس کا گذر ایک بہت ہی خستہ حال جھونپڑی سے ہوا جو کھجور کے پتّوں کی بنی ہوئی تھی۔ اس کے قریب نہ کوئی گاؤں تھا نہ بستی۔ اور چاروں طرف ہوا سے ریت کے اتنے اونچے ڈھیر ہو گئے تھے کہ جھونپڑی زمین میں گڑی معلوم ہوتی تھی۔ یفنوتوس سمجھا کہ اس میں کوئی بڑا ہی بزرگ راہب رہتا ہوگا۔ غرض جھونپڑی کے قریب آیا۔ دروازہ میں کواڑ نہ تھے۔ باہر ہی سے نظر آیا کہ اندر پانی کا ایک گھڑا اور کونے میں ایک طرف کچھ پیاز کی گٹھیاں پڑی ہیں۔ اور ایک چھوٹا سا خشک پتوں کا بچھا ہے۔

یفنوتوس نے دل میں کہا کہ گھر کا یہ سامان تو کسی بڑے ہی عابد و زاہد کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگ گھر سے دُور نہیں جایا کرتے۔ یہیں کہیں آس پاس ہوگا اور جلد ملاقات ہو جائے گی۔ اور جب اس سے ملاقات ہوگی تو اسے سلام کر کے اس کی پیشانی کا بوسہ لونگا۔ اور یہ تتبع ہوگا قسیس محترم انطونی کی مثال کا۔ کیونکہ جب وہ اس صحرا کے ایک مشہور راہب پولوس کی جھونپڑی کے پاس سے گذرا تھا تو تین مرتبہ اس سے بغل گیر ہوا تھا۔ میں بھی اس راہب سے ... ہی معانقہ کرونگا۔ اور

پھر ہم دونوں مل کر خدا کی باتیں کریں گے اور کیا عجب ہے کہ اس وقت خداوند کسی کوّے کو چونچ میں روٹی لئے ہوئے ہمارے پاس بھیجے اور یہ راہب مجھ کو بھی ایک ٹکڑا اس روٹی میں سے دے۔

اسی شوق میں ارادہ کیا کہ جھونپڑی کے گرد ایک چکّر لگانا چاہیئے۔ شاید راہب سے ملاقات ہو جائے۔ اس قصد سے کوئی سَو قدم گیا ہو گا کہ دریا کے کنارے ایک آدمی بیٹھا دکھائی دیا۔ سر سے پاؤں تک بالکل برہنہ۔ ڈاڑھی اور سر کے بال جیسے بگلے کے پر۔ اور بدن کا رنگ ایسا جیسے لوہے پر زنگ آگیا ہو۔ اب ذرا شُبہ نہ رہا کہ جھونپڑی کا رہنے والا یہی بڈھا ہے۔ فوراً قریب گیا اور راہبوں کے طریقے کے مطابق اس پیرِ سال خوردہ کو اس طرح سلام کیا۔

پفنوتوس "پیر و مرشد آپ پر سلامتی ہو۔ اور جنت کے شیریں میوے کھانے نصیب ہوں"

بڈھے نے کچھ جواب نہ دیا اور جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح دم سادھے بیٹھا رہا۔ بلکہ معلوم ایسا ہوا کہ اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔ پفنوتوس سمجھا کہ شاید یہ خاموش حالت وجدان کی ہے جو اکثر درویشوں پر طاری رہا کرتی ہے۔ بہرکیف اس بڈھے کے سامنے وہ اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر گھٹنوں کے بل کھڑا ہوا اور شام کی عبادت کے وقت تک یوں ہی کھڑا رہا۔ جب دیکھا کہ اس بزرگ کو کسی طرح جنبش ہی نہیں ہوتی تو کہنا شروع کیا۔

"بابا۔ اگر آپ اپنے مراقبہ سے فارغ ہو چکے ہوں تو خداوند یسوع مسیح کا نام لے کر مجھے برکت دیجئے"

اب بڈھے نے بغیر گردن پھیرے جواب دیا کہ "اے اجنبی۔ نہ میں تیری بات کا مطلب سمجھتا ہوں اور نہ میں خداوند یسوع مسیح کو جانتا ہوں کہ وہ کون ہے"

اتنا سنتے ہی پفنوتوس تعجب سے چلّا کر بولا۔ "بابا یہ کیا کہتے ہو یسوع مسیح تو وہ ہے جس کی خبر نبیوں نے دی تھی ہزارہا لوگ اس کے نام پر شہید ہوئے۔

خود قیصر نے اس کی پرستش کی اور ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ میں نے سلسلی کے ابوالہول کو اس کا نام پکارتے ہوئے سنا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم خداوند کے نام کو نہ جانتے ہو؟"

بڈھا۔ "اے عزیز یہ بالکل ممکن ہے۔ اور اگر یقین کا وجود دنیا میں ہوتا تو یہ امکان بالکل یقینی ہوتا۔"

یفنوتوس کو اس بڈھے کی لاعلمی پر سخت تعجب اور افسوس ہونے لگا۔ اور بڈھے سے کہا۔ "اگر تم یسوع مسیح کو نہیں جانتے تو تم کو اس ریاضت سے کیا نفع ہو سکتا ہے۔ بغیر خداوند کو جانے تم ہمیشہ کی زندگی کبھی نہ پا سکو گے۔"

بڈھے نے جواب دیا۔ "پانا نہ پانا۔ زندگی اور موت میرے لئے سب ہیچ ہیں۔"

یفنوتوس۔ "ہائیں تو کیا تمہیں ہمیشہ کی زندگی کی بھی پروا نہیں۔ کیا تم اس صحرا میں ایک راہب کی طرح جھونپڑی میں نہیں رہتے ہو؟"

بڈھا۔ "ظاہر تو ایسا ہی ہوتا ہے۔"

یفنوتوس۔ "کیا تم ہر قسم کے سامان سے محروم اور برہنہ نہیں ہو؟"

بڈھا۔ "ظاہر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے۔"

یفنوتوس۔ "کیا تم جڑی بوٹی گھاس کھا کر نہیں جیتے ہو؟"

بڈھا۔ "ظاہر میں تو یہی نظر آتا ہے۔"

یفنوتوس۔ "کیا تم نے دنیا کی باطل اور فضول باتوں سے کنارہ نہیں کیا؟"

بڈھا۔ "ہاں یہ سچ ہے کہ میں نے ایسی باطل اور فضول چیزوں سے پرہیز کیا ہے جن کے حاصل کرنے کی اکثر لوگ کوشش کرتے ہیں۔"

یفنوتوس۔ "تو پھر تم ایسے ہی ہوئے جیسا کہ میں ہوں یعنی مفلس۔ پاک باز اور تارک الدنیا۔ لیکن میری طرح عشق معبود کا پرتو اور آسمان کی نگاہِ مہر تم پر نہیں ہے اگر تم یسوع مسیح پر ایمان نہیں رکھتے تو پھر تمہاری ان نیکیوں سے کیا حاصل، اگر تم کو آسمان پر نعمتیں ملنے کی توقع نہیں تو پھر دنیا کی نعمتوں سے کیوں اپنے تئیں محروم کیا؟"

بڈھا۔ "اے اجنبی۔ میں نے اپنے تئیں کسی چیز سے محروم نہیں کیا۔ صرف مجھے ایک ایسا طریقہ زندگی بسر کرنے کا معلوم ہو گیا ہے جو میری تسکین کے لئے کافی ہے۔ گو واقعہ یہ ہے کہ یہ طرز زندگی نہ اچھا ہے نہ بُرا۔ کوئی بات بذات خود نہ قابل فخر ہے نہ قابل شرم۔ نہ اس میں انصاف ہے نہ بے انصافی۔ نہ وہ خوش گوار ہے نہ ناگوار۔ یہ فقط انسان کا خیال ہے جو ہر شے میں اس کی صفات اس طرح پیدا کر دیتا ہے جیسے نمک کھانوں میں ذائقہ پیدا کر دیتا ہے۔"

پفنوتوس۔ "تو پھر کیا تمہارے خیال میں یقین کا دُنیا میں وجود ہی نہیں۔ کیا تم کو اس حقیقت سے انکار ہے جس کی تلاش میں بُت پرست تک رہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ جہالت میں تم ایسے ڈوبے ہو جیسے تھکا ہوا کتا نیند کا ماتا ہو کر کیچڑ میں بے خبر سو جائے۔"

بڈھا۔ "فلسفیوں کو بُرا کہنا بھی ایسا ہی بیکار ہے۔ جیسے کتوں کو بُرا سمجھنا ہم کو نہیں معلوم کہ کتا کیا ہے اور ہم خود کیا ہیں۔ ہمیں تو کسی چیز کا بھی علم نہیں۔"

پفنوتوس۔ "ارے بڈھے۔ تو پھر کیا تو اس مسخرے فرقے کا آدمی ہے جس کو متشکک کہتے ہیں۔ کیا تو بھی ان کو رنجت احمقوں میں ہے جن کو حرکت اور سکون دونوں سے انکار ہے اور جن کی بصارت اتنی بھی نہیں کہ دن کے اُجالے اور رات کے اندھیرے میں تمیز کر سکیں۔"

بڈھا۔ "اے عزیز۔ اس میں کلام نہیں کہ میں متشکک ہوں۔ اور مجھے ایسے فرقے سے تعلق ہے جس کو تم مسخرا اور میں اچھا سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ایک ہی شے مختلف صورتوں میں نظر آیا کرتی ہے۔ منف کے اہرام طلوع آفتاب کے وقت گلابی روشنی کے مخروط معلوم ہوتے ہیں مگر وہی اہرام غروب کے وقت جب کہ آسمان پر شفق ہوتی ہے ایک مشتعل سطح پر سیاہ مثلث نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کی اندرونی کیفیت کسی پر ظاہر نہیں۔ تو صورتوں کے انکار پر مجھے ملامت کرتا ہو حالانکہ میں صرف صورتوں ہی کو حقیقت مانتا ہوں۔ آفتاب مجھ کو روشن معلوم ہوتا ہے مگر اس کا

ماہیت سے میں آگاہ نہیں۔ جانتا ہوں کہ آگ جلا دیتی ہے لیکن کس طرح اور کیوں جلا دیتی ہے اس سے ناواقف ہوں۔ اے میرے عزیز تو مجھے بہت بُرا خیال کرتا ہے مگر تیرے اس خیال سے میرا کچھ بنتا بگڑتا نہیں۔"

پفنوتوس۔ "اس صحرا میں سوکھی کھجوریں اور جنگلی پیاز کھا کر کیوں گذر کرتے ہو، کیوں اپنے نفس پر اس طرح کی سختیاں جھیلتے ہو؟ میں بھی تمہاری طرح دُنیا چھوڑ کر پرہیزگاری سے زندگی بسر کرتا ہوں۔ لیکن یہ طریقہ میں نے خدا کو خوش کرنے کے لئے اختیار کیا ہے تاکہ مسرت جاوید مجھے نصیب ہو۔ یہ ایک معقول وجہ ہے کسی بڑے انعام کے لئے تکلیفیں اُٹھانی عقل کی بات ہے، برعکس اس کے یہ جنون ہے کہ انسان جان بُوجھ کر ایسی تکلیفیں برداشت کرے جن سے کچھ حاصل نہ ہو۔ اگر میں ایمان نہ رکھتا ہوتا (اور اے نور قدیم و ازلی تو اس کفر کہنے پر مجھے معاف کریگا) اگر میں خدا کی نسبت جو تعلیم مجھے دی گئی ہے اُسے نبیوں کے کلام اور اہل اللہ کی مثال اور رسولوں کے اعمال اور دینی مجالس کے احکام اور شہیدوں کی گواہی کی بنیاد پر یقین نہ کرتا ہوتا۔ اگر مجھ کو علم نہ ہوتا کہ جسم کو آزار پہنچانے سے روح کی اصلاح ہوتی ہے۔ اگر میں تیری طرح اسرار رہبانیت سے ناآشنا ہوتا تو فوراً دُنیا کی طرف پلٹ جاتا۔ دولت کمانے کی فکر کرتا۔ زندگی کا حظ اُٹھاتا اور عیش و نشاط کی دیویات سے کہتا۔ "آؤ۔ آؤ۔ میری بیٹیو۔ میرے شاد ماؤں آؤ۔ اور اپنی اپنی شرابیں اور عرقیات اور عطریات میرے سامنے رکھو۔" لیکن تم ایسے عقل کے دشمن ہو کہ تمام لذائذ سے بلا وجہ محروم ہوگئے۔ نقصان تو تم اُٹھاتے ہو اور فائدہ کچھ نہیں حاصل کرتے۔ اپنی چیز دوسرے کو مستعار دیتے ہو۔ اور اس کی توقع نہیں رکھتے کہ وہ واپس ملے گی۔ ہم عابدوں اور راہبوں کی نقل تم اس طرح اتارتے ہو۔ جیسے کوئی بندر ایک دیوار پر اپنے پنجوں سے چھاپے مارے اور سمجھے کہ وہ کسی باکمال مصوّر کی تصویر کی نقل اُتار رہا ہے۔ اے بے وقوفوں کے سردار بتاؤ کہ وہ کیا اسباب و دلائل ہیں جن کی بنا پر تُونے اپنا یہ درجہ کیا ہے!!"

پفنوتوس نے یہ جملے بہت ہی جوش و خروش میں کہے تھے۔ لیکن بڈھے پر مطلق اثر نہ ہوا۔ اور بہت ہی نرمی سے بولا:۔

بڈھا۔ "یار عزیز۔ کیچڑ میں سوتے ہوئے کتے یا ایک شریر بندر کے پاس اسباب و دلائل ہوں تو کیا اور نہ ہوں تو کیا"

پفنوتوس کی غرض اس گفتگو سے محض خدا کے نام کو بزرگی دینی تھی۔ اب اس کا غصہ جاتا رہا شرمندہ ہوا اور اپنے نفس کو ملامت کر کے بڈھے سے کہنے لگا:۔

"تو میرا بھائی ہے۔ اگر حق سے کہنے میں مجھ سے تجاوز ہوا تو مجھے معاف کر۔ خدا میرا شاہد ہے کہ مجھے تیری ذات سے کسی طرح کی پرخاش نہیں۔ صرف تیری خطا و غلطی سے نفرت ہے کیونکہ میں بواسطہ مسیح تجھ سے الفت رکھتا ہوں۔ اور تیری نجات میری دلی تمنا ہے۔ اب بتا کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر تو نے جہالت اختیار کی۔ مجھ کو ان کے سننے کی ضرورت ہے تاکہ میں تجھ پر ان کی غلطی ثابت کر سکوں"

بڈھے نے بہت نرمی سے جواب دیا:۔

"بولنے کو بھی ایسا ہی جی چاہتا ہے جیسا چپ رہنے کو۔ میں اپنے اسباب و دلائل تیرے سامنے بیان کر دونگا۔ لیکن تیرے دلائل سننے کی مجھے خواہش نہیں کیونکہ مجھے کسی طرح کی دلچسپی تیرے ساتھ نہیں۔ نہ مجھے تیری خوشی کا خیال ہے نہ رنج کا۔ اور جو کچھ تیرے خیالات میری نسبت ہیں وہ میرے حق میں بالکل بے اثر ہیں۔ کیونکہ میں نہ کسی سے عداوت رکھ سکتا ہوں نہ دوستی۔ عداوت اور انسانی ہمدردی دونوں ایک عاقل کے لئے صفر ہیں۔ لیکن جب تو پوچھتا ہے تو سن۔ میرا نام تیموکلیس ہے۔ میں کوس کے شہر میں ایسے ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوا تھا جنہوں نے تجارت سے بہت دولت پیدا کی تھی۔ میرا باپ جہازوں کے لئے لڑائی کا سامان مہیا کرتا تھا۔ ذہانت اور ہوشیاری میں وہ سکندر کی مثل تھا لیکن ویسا محق نہ رکھتا تھا۔ میرے دو بھائی تھے۔ انھوں نے بھی ہتھیار اور جنگی سامان بیچنے کا

پیشہ اختیار کیا۔ بیسن میں تحصیل فنون کی طرف مائل ہوا۔ میرے باپ نے میرے ایک بھائی کی شادی کورنیا کی ایک عورت سے جبراً کر دی۔ اس عورت کا نام تمیسا تھا۔ میرے بھائی کو وہ اس قدر ناپسند ہوئی کہ وہ اس کے ساتھ نہ رہ سکا، اور اس کا اسے مطلق افسوس بھی نہ ہوا۔ اب میرے دوسرے بھائی کو تمیسا کے ساتھ ناپاک عشق پیدا ہوا۔ اور اس کی حالت دیوانگی تک پہنچ گئی۔ لیکن تمیسا کو میرے دونوں بھائیوں سے نفرت تھی۔ اس کو درحقیقت ایک بانسری بجانے والے سے عشق تھا اور رات کو چھپ کر وہ اس کے پاس آیا بھی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اسی طرح شب باش ہونے کے بعد جب صبح ہوتے اٹھ کر چلا تو اپنی تاج نما ٹوپی جو محفلوں میں پہنا کرتا تھا وہیں بھول گیا۔ جب میرے دونوں بھائیوں کو تمیسا کے کمرے میں یہ ٹوپی ملی تو انہوں نے اس بانسری والے کو ہلاک کرنے کی قسم کھائی اور دوسرے دن اس کو پکڑ کر اتنے کوڑے مارے کہ وہ مر گیا۔ اس کی منت سماجت آہ وزاری کی مطلق پروا نہ کی۔ میری بھاوج کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ دیوانی ہوگئی اور اس کا اور میرے دونوں بھائیوں کا یہ حال ہوا کہ بالکل مجنوں ہو کر وحشی جانوروں کی طرح شہر کے گرد پھرنے لگے۔ بھیڑیوں کی طرح چیخا کرتے۔ منہ سے کف جاری رہتے۔ اور آنکھیں زمین پر گڑی رہتیں۔ شہر کے لڑکوں کی ایک بھیڑ پیچھے پیچھے ہوتی۔ اور یہ لڑکے ان دیوانوں کو پتھر مارا کرتے۔ غرض اسی حال میں کچھ دنوں بعد یہ تینوں مر گئے۔ میرے باپ نے ان کو دفن کیا۔ تھوڑے دن کے بعد میرا باپ بیمار پڑا۔ اس کا معدہ کسی طرح کی غذا قبول نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ محض فاقوں سے مر گیا۔ حالانکہ دولت اس کے پاس اتنی تھی کہ اگر چاہتا تو ایشیا کے تمام بازاروں میں جس قدر کھانے پینے کی چیزیں تھیں ان سب کو وہ خرید لیتا۔ مرتے وقت اس کو افسوس تھا کہ اپنی دولت وہ میرے لئے چھوڑ چلا ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد اس کا روپیہ میں نے سیر وسفر میں صرف کرنا شروع کیا۔ اطالیہ۔ یونان۔ افریقہ میں پھرتا رہا۔ لیکن کہیں عقلمند اور خوش رہنے والا انسان نہیں ملا۔ ایتھنز اور اسکندریہ میں قیام کر کے

حکمت و فلسفہ کی تحصیل کی اور ان علوم پر اتنی بحثیں سنیں کہ طبیعت بے تنگ آگئی آخرکار ہندوستان پہنچا۔ وہاں گنگا کے کنارے ایک برہنہ جوگی کو دیکھا کہ آسن مارے بالکل دم بخود بیٹھا ہے اور تیس برس اسی حال میں گذرے ہیں۔ درختوں کی بیلیں اس کے خشک و لاغر جسم پر چڑھ گئی ہیں اور سر کے بال بڑھ کر لٹکنے لگے ہیں کہ پرندوں نے ان میں آشیانے بنائے ہیں۔ مگر باوجود اس کے یہ آدمی زندہ ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر مجھے نمیسا اور اس کے آشنا اور اپنے دونوں بھائیوں اور باپ کا خیال آیا اور یہ سمجھ میں آیا کہ دنیا میں اگر صاحب عقل کسی کو کہہ سکتے ہیں تو وہ یہی جوگی ہے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ انسان کی تکلیف کا باعث یا تو یہ ہوتا ہے کہ جس چیز میں اسے نفع کا یقین ہو اس چیز سے وہ محروم کر دیا جائے یا اگر کوئی نفع حاصل ہے تو اس کے ضائع ہو جانے کا خوف پیدا ہو یا اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس کے ساتھ بلا وجہ بدسلوکی کی گئی ہے۔ غرض ان باتوں کا یقین فی الحقیقت انسان کی تکلیف کا موجب ہوتا ہے۔ پس اگر اس یقین ہی کو دل سے نکال دیا جاتا تو تکلیفیں ظاہر ہے کہ خود بخود مٹ جائیں گی اس خیال کے آتے ہی جوگی کی مثال کو پیش نظر رکھ کر میں نے فیصلہ کیا کہ اب کسی چیز کو سود مند نہ سمجھونگا اور دنیا کے ساز و سامان سے علیحدہ رہنے کو اپنا طریقہ قرار دے کر بالکل تنہائی اور بے حسی کی حالت میں زندگی بسر کرونگا۔"

لفنونوس بڈھے کے قصے کو بغور سن کر کہنے لگا۔

"تیموکلیس۔ اتنا میں ضرور تسلیم کرونگا کہ جس طریقہ سے زندگی بسر کرنے کا فیصلہ تم نے کیا ہے۔ اس کی سب باتیں غلط نہیں ہیں۔ مثلاً یہ دانشمندی ہے کہ دنیا کی محبت سے تم نے نفرت کی لیکن جو ذات ازلی و ابدی ہے اس کو کچھ نہ سمجھنا اور خدا کی تعظیم اپنے اوپر لینا صرف جنون و دیوانگی ہے جو کہ نادانی و جہالت پر مشتمل ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ حق بات تم کو سمجھا دوں اور وہ یہ ہے کہ خدا موجود ہے یہی اقنوم ہیں اور ہم پر خدا کی طاعت تم پر ایسی ہی فرض ہے جیسے بیٹے پر باپ کی فرمانبرداری۔"

اتنا سنتے ہی بڈھے نے پفنوتوس کی بات کاٹ کر کہا:-

"اے اجنبی۔ اپنے مذہب کی باتیں بیان کرنے سے باز رہ۔ اور اپنے عقائد اختیار کرنے پر مجھے مجبور نہ کر۔ بحث مباحث سب بیکار ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ انسان کو کوئی رائے رکھنی ہی نہیں چاہیئے۔ جب تک میں ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح نہیں سمجھتا تمام تکلیفوں سے بری ہوں۔ پس اے راہب اپنی راہ لے۔ اور مجھے اس حالت بے حسی سے نکالنے کی کوشش نہ کر۔ مجھ کو اسی میں راحت ہے۔ جیسے ایک تھکا آدمی گرم پانی میں غوطہ لگا کر آرام پاتا ہے وہی کیفیت اس حالت استغراق میں میری ہے"

پفنوتوس عیسوی مذہب کا بڑا عالم تھا۔ اور لوگوں کے دلوں کی کیفیت خوب پہچانتا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس بڈھے کو خدا کی برکت نصیب نہیں ہوئی۔ اور اس کی روح کے لئے جو عدم نجات کے خطرے سے ناآشنا ہے ابھی تک نجات کا دن نہیں آیا ہے۔ پس پفنوتوس نے اس خیال سے جواب دینا مناسب نہ سمجھا کہ کہیں اس کی نصیحتوں کا اس شخص پر الٹا اثر نہ ہو۔ کیونکہ بعض وقت بے دینوں کو نصیحت کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بجائے سعادت حاصل کرنے کے وہ اور زیادہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ حق سے آگاہ ہیں ان کو اس کی اشاعت میں بہت احتیاط کرنی پڑتی ہے۔

پفنوتوس نے کہا "اچھا میں رخصت ہوتا ہوں۔ مگر تیمیقلیس تم بڑے بدنصیب ہو"

اتنا کہہ کر پفنوتوس نے ایک آہ سرد کھینچی اور تاریکی میں اپنا سفر جو خدا کی راہ میں اختیار کیا تھا پھر شروع کر دیا۔

جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ دریا کے کنارے سیاہ اور سفید پروں والے لق لق ایک ایک پاؤں پر چپ چاپ کھڑے ہیں۔ اور ان کی لمبی لمبی گلابی اور سفید گردنوں کا عکس پانی میں پڑتا ہے۔ بید مجنوں کے درخت دریا کی دونوں جانب دور تک سایہ کئے ہیں۔ صاف ستھرے آسمان پر بگلے کھونٹی قطاریں باندھے اڑ رہے ہیں۔

نرسلوں کے جھنڈ سے بطوں کی آوازیں آرہی ہیں۔ گو نظر ایک بھی نہیں آتی۔

جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی دریا سبز رنگ موجوں میں بہتا دکھائی دیتا تھا۔ کہیں کہیں اس پر کشتیاں چل رہی تھیں۔ ان کے اُجلے اُجلے بادبان بگلوں کے پر معلوم ہوتے تھے۔ دریا میں جہاں کہیں ٹاپو تھے وہاں طرح طرح کے میووں اور پھلوں کے درخت اور کھجوروں کے جھنڈ کھڑے تھے۔ اور ان میں سے قاز اور مرغابیاں ایک کے پیچھے ایک غل مچاتی آسمان کی طرف قطاریں باندھ اونچی اُڑتی نظر آتیں۔

دریا کے بائیں کنارے سرسبز گھاٹی دُور تک پھیل کر صحرا سے جا ملی تھی۔ اس کے کھیتوں اور باغوں پر خوشی و خرمی کی ایک لہر آئی ہوئی تھی۔ دھوپ میں اناج کے خوشے سونے کے طرّے معلوم ہوتے تھے۔ اور زمین کے جوش نمو نے اپنے پھلوں اور پھولوں سے گرد راہ کو بھی معطر کر رکھا تھا۔ اس کیفیت میں پفنوتوس دونوں گھٹنے زمین پر ٹیک کر اس طرح دعا مانگنے لگا:-

”تعریف ہو اُس خدا کی جس نے میرے اس سفر پر رحمت کی نظر رکھی۔ اے خدا۔ جو آرمینو کی زمین میں انجیر کے درختوں پر صبح نمودار کرتا ہے۔ تائیس کی روح پر بھی اپنا نور برسا دے۔ باغ کے درختوں اور پھولوں کو تو نے اپنی محبت سے خلق کیا ہے۔ تائیس کو پیدا کرنے میں تیرا پیار کچھ کم نہ تھا۔ اے خدا۔ تو اُسکی روح کو اس طرح شگفتہ کر دے جیسے تیرے آسمانی پردۂ شبنم میں گلاب کھلتا ہے۔“

جب کسی درخت میں پھول کھلے دیکھتا یا کوئی خوش رنگ پرندہ نظر آتا تو وہ تائیس کے خیال میں محو ہو جاتا۔ غرض اسی حال میں دریا کے بائیں کنارے کے زرخیز اور آباد علاقوں سے گذرتا ہوا چند روز میں اسکندریہ کے قریب پہنچ گیا جسے یونانی حسین و زریں شہر کہا کرتے تھے۔ دن نکلنے پر دو گھڑیاں گئی ہونگی کہ ایک پہاڑی پر سے یہ عظیم الشان شہر اس کو نظر آیا۔ شہر کی بلند عمارتیں صبح کی ہلکی ہلکی سُرخ روشنی میں چمک رہی تھیں۔ چلتے چلتے ٹھہر گیا اور سینہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہنے لگا:-

”یہ وہ خوشنما مقام ہے [illegible]

جس میں زہریلی خوشبوئیں سونگھا کرتا تھا۔ یہی وہ عیش کا سمندر ہے جس پر دلفریب موسیقی کے راگ سنا کرتا تھا۔ جسم کے اعتبار سے یہی میرا گہوارہ اور دنیا کے اعتبار سے یہی میرا وطن تھا۔ اہل دنیا کے نزدیک یہی گہوارہ پھولوں کا پنگورہ اور یہی وطن ثمر لقبول کا مسکن تھا۔ اے اسکندریہ۔ بچوں کے لئے یہ ایک قدرتی امر ہے کہ تجھ کو ماں سمجھ کر تجھ سے الفت رکھیں میں نے بھی تیرے ہی سینے سے جس پر جاہ و حشم نثار تھا پرورش پائی تھی۔ لیکن متشکک کل فطرت سے بیزار ہے۔ اسرار پرست مظاہر قدرت کو حقیر جانتا ہے۔ عیسائی اس آدم دیس کو پردیس سمجھتا ہے۔ اور راہب دنیا ہی چھوڑ بیٹھا ہے۔ اے اسکندریہ میں نے تیری چاہت چھوڑ دی میں تجھ سے بیزار ہوں۔ تیری دولت سے۔ تیرے علم و فضل سے۔ تیرے اخلاق اور تیرے حسن سے مجھ کو قطعی نفرت ہے۔ اے معبد شیاطین میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں۔ اے بے شرمی کی گندی سیج اور اے ابیقوری نصرانیت کے پلید کلیسا تجھ پر نفرین ہو۔ اے ابن اللہ جس کی رہنمائی سے ہمارا راہب مقدس انطونی صحرا سے نکل کر اس دارالاصنام میں آیا اور گنہگاروں کے اظہار حسن کردار کے دین کو مضبوط کیا اور شہید ہونے والوں کی ہمت بڑھائی۔ اے یسوع۔ اے حسن و جمال کے فرشتے۔ اے مولود غائب۔ خدا کے کلام اول میرے آگے آگے پرواز کر تازہ اور اپنے پروں کی حرکت سے اس متعفن ہوا کو مشکبار کر دے جس میں اب میں ایسے لوگوں کے ساتھ سانس لینے کو ہوں جو ظلمت کدۂ دنیا کے بڑے بڑے ملعون و شیاطین ہیں"

یہ دعا مانگ کر پفنوتوس آگے بڑھا۔ شہر میں شمسی دروازہ سے داخل ہوا۔ یہ دروازہ سنگین تھا۔ اور اس کی بلند و پرشکوہ عمارت پر ایک غرور برس رہا تھا مگر اس کے سایہ میں نہایت غریب اور اپاہج لوگ بیٹھے راہ چلنے والوں کے ہاتھ انجیر اور سیب بیچتے تھے۔ یا فقیر رو رو کر بھیک مانگتے تھے۔

ایک طرف کو ایک غریب بڑھیا بدن پر چیتھڑے لگائے پشت خم کئے کھڑی تھی۔ جب پفنوتوس اُس کے پاس سے گذرا تو اُس نے راہب کے دامن کو چومکر کہا:-

"اے اللہ والے۔ مجھ کو برکت دے تاکہ خدا بھی تجھ کو برکت دے۔ میں نے اس دُنیا میں بہت دُکھ اُٹھائے ہیں۔ مرنے کے بعد آرام چاہتی ہوں۔ اے نیک مرد۔ تُو خدا کے پاس سے آتا ہے۔ تیرے قدموں کی خاک سونے کے ذرّوں سے زیادہ قیمتی ہے۔"

پفنوتوس نے سُنتے ہی کہا۔ "خدا کے نام کو بزرگی ہو۔" اور اتنا کہہ کر بڑھیا کے سر پر نجات کا نشان بنایا۔

اس کے بعد شاید بیس قدم آگے گیا ہوگا کہ بازار میں لڑکوں کا ایک غول ملا۔ اُنھوں نے فوراً پتھر برسانے اور پکار پکار کر کہنا شروع کیا:۔

"اے او شریر راہب۔ تیرا رنگ کوّے سے زیادہ کالا ہے اور تیری ڈاڑھی بکرے کی ڈاڑھی سے بھی لمبی ہے۔ اور بھائیو یہ جانور کاٹ بھی کھاتا ہے۔ یارو چلو کسی کھیت میں چل کر اسے پھانسی دیں۔ پھر اس لٹکتے جانور کو دیکھ کر چڑیاں ڈر کے مارے ہمارے باغ نہ اُجاڑیں گی۔ نہیں تو یہ بدبخت اولے برسائے گا اور سیب کے درختوں میں جتنے پھول آئے ہیں سب گر جائیں گے۔ یہ بڑا منحس قدم ہے۔ چلو اس کی بوٹیاں کاٹ کر چیل کوّوں کو کھلائیں۔" ان فقروں کے ساتھ ساتھ پتھروں کی بوچھاڑ بھی جاری رہی۔

پفنوتوس نے دبی زبان سے کہا۔ "خدا رحم کرے ان نادانوں پر۔"

غرض اسی حال میں چلا جاتا تھا اور دل میں کہتا تھا:۔

"دیکھو۔ اس غریب بڑھیا نے میرا احترام کیا اور ان لڑکوں نے مجھے گالیاں دیں اور پتھر مارے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی چیز کو کیسے مختلف پہلوؤں سے دیکھا جاتا ہے حالانکہ انسان کو نہ اپنے کسی فیصلہ پر پورا اطمینان ہوتا ہے اور غلطی کرنا تو اُس کی فطرت میں ہے۔ یہاں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بے دینوں میں وہ بڈھا تیموکلیس بالکل ہی ناسمجھ نہیں ہے۔ یہ اس کی بصارت کا نقص ہے اور وہ بھی سمجھتا ہے کہ روشنی سے وہ محروم کر دیا گیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس دُنیا میں ہر چیز مثل سراب ہے۔ ریگ رواں ہے۔ ثبات صرف خدا کی ذات کو ہے۔"

شہر میں سے وہ کسیقدر تیز چال سے گذرا۔ گو دس برس کے بعد یہاں آیا تھا مگر یہاں کی ایک ایک اینٹ اور پتھر کو وہ پہچانتا تھا۔ اور ہر پتھر اس کے لئے ایک داغ ندامت تھا جو کسی نہ کسی گناہ کو یاد دلاتا تھا۔ اس لئے وہ گلی کوچوں کے سنگین فرش پر اور بھی زور زور سے اپنے ننگے پاؤں مارتا ہوا چلا۔ اور جب ایڑیاں زخمی ہوگئیں اور اُن کا خون پتھروں پر دیکھا تو دل میں خوش ہوا۔ بُت خانہ سرآپیس کے بلند پیش طاق کو بائیں طرف چھوڑ کر وہ ایک کوچے میں سے گذرا جس کے دونو طرف نہایت عالیشان مکان تھے۔ ان میں سے طرح طرح کی خوشبوئیں آرہی تھیں صنوبر قرمش اور دیودار کے درختوں کی چوٹیاں مکانوں کے اونچے سُرخ کنگروں اور سونے کے کلسوں سے بھی اوپر کو نکلی ہوئی تھیں۔ کسی کسی مکان کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ اُس میں سے نظر آتا تھا کہ اندر پیتل کے نہایت خوبصورت بُت سنگ مرمر کے طاقوں میں رکھے ہیں۔ گھر کے باغوں میں پانی کی نہریں جاری ہیں۔ غُل اور شور کسی قسم کا نہیں ہے۔ البتہ شہنائی کی اُڑتی سی صدا کبھی کبھی سنائی دیتی ہے۔ لیفنوتوس چلتے چلتے ایک مکان کے سامنے رُکا۔ یہ ایک مختصر سی عمارت تھی، مگر اس کی ہر چیز میں تناسب اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اور اس کے برآمدے سرو قد حسین عورتوں کی شکل کے ستونوں پر قائم تھے۔ مشہور مشہور حکمائے یونان کی برنجی مورتوں سے یہ مکان آراستہ تھا۔

ان میں افلاطون۔ سقراط۔ ارسطو۔ ابی قور۔ زینو کے مجسمے بھی تھے۔ دروازے پر دستک دی اور جب تک جواب ملے ان پتھر کی مورتوں کو دیکھ کر سوچنے لگا کہ "ان عارفانِ باطل کے نام کو بزرگی دینا پیتل اور پتھر کے لئے عبث تھا۔ ان کا کذب و دروغ ایک خلط مبحث ثابت ہو چکا ہے۔ اور ان کی روحیں قعرِ جہنم میں پڑی جل رہی ہیں۔ اور ان ہی میں کا وہ نامور افلاطون جس نے دُنیا کو اپنی فصاحت سے مسخر کر رکھا تھا۔ اب شیاطین سے مجادلے و مناظرے میں مصروف ہے۔"

اتنے میں ایک غلام نے دروازہ کھولا۔ اور یہ دیکھ کر کہ ایک آدمی ننگے اور میلے پاؤں لئے سنگ مرمر کے پاکیزہ فرش پر کھڑا ہے بہت ہی بگڑ کر بولا۔

"دور ہو۔ راہب تو بڑا ہی بدتمیز ہے۔ بھیک مانگنی ہے تو کہیں اور جا کر مانگ۔ اس کا انتظار نہ کر کہ میں لکڑی لے کر تجھے نکالنے آؤں۔"

انطینوئے پاک نہاد قیس نے جواب دیا۔ "بابا۔ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے آقا نیکیاس تک پہنچا دو۔"

اس پر غلام نے بہت ہی ترش ہو کر جواب دیا۔ "میرا آقا تم جیسے پلید کتوں کو اپنے مکان میں نہیں آنے دیتا۔"

پفنوتوس۔ "جاؤ۔ میرا کہنا کرو۔ اور اپنے آقا سے کہو کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

غلام کو اب اور بھی غصہ آیا اور یہ کہہ کر "جاتا بھی ہے نامعقول" اس مرد خدا پر اس نے اپنا عصا چلایا۔ راہب نے اپنے دونوں ہاتھوں کو صلیب کی شکل بنا کر سینے پر رکھ لیا۔ اور عصا کی پوری ضرب اپنے چہرے پر لی۔ مگر زبان سے اسی نرم لہجے میں کہا:۔

"بابا۔ جا۔ میرا کہنا کر دے۔"

یہ دیکھ کر غلام سر سے پاؤں تک لرزنے لگا اور منہ ہی منہ میں بولا۔ "یہ بھوت کیسا ہے جو مارے سے بھی نہیں بھاگتا۔"

اتنا کہہ کر وہ دوڑا ہوا اپنے آقا کے پاس گیا۔

نیکیاس ابھی غسل کر کے باہر آیا تھا۔ یہ ایک بڑا دریا دل خندہ پیشانی رئیس تھا۔ مگر چہرے کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ طبیعت میں شوخی اور تقریر میں طنز بہت ہے۔ جونہی اس نے راہب کو دیکھا اٹھا اور ہاتھ پھیلائے آگے بڑھ کر کہنے لگا:۔

"ہائیں۔ پفنوتوس۔ دوست۔ بھائی۔ مکتب کے یار۔ تم کہاں۔ کیوں کیسا پہچانا ہے۔ تو انسان سے بفصلہ جانور ہو گئے ہو۔ مگر تاڑنے والے تاڑ جاتے ہیں۔ آؤ گلے تو ملو۔

بھلا بتاؤ وہ طالب علمی کا زمانہ بھی یاد ہے۔ جب ہم تم صرف نحو۔ معانی و بیان۔ فلسفہ و حکمت کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ سچ تو یہ ہے۔ یار عزیز تم اس وقت بھی بڑے ہی خشک اور وحشی مزاج تھے۔ لیکن دوستی کے ایسے سچے تھے کہ میں تو بالکل ہی تم پر فدا رہتا تھا۔ وہ فقرہ بھی یاد ہے جب ہم سب مل کر کہا کرتے تھے کہ پفنوتوس دُنیا کے اس کارخانے کو آدمی کی آنکھوں سے نہیں بلکہ گھوڑے کی وحشی نظروں سے دیکھتا ہے۔ جب ایسی باتیں سُن کر تم ہم سے بدگمان ہوتے تو ہم کو مطلق تعجب نہ ہوتا۔ نرمی و شائستگی تمہاری طبیعت میں اس وقت بھی کم تھی۔ لیکن تمہاری سخاوت کی انتہا نہ تھی۔ نہ روپیہ کو روپیہ سمجھتے تھے نہ جان کو جان۔ پھر یہ کہ تمہاری طبیعت میں کچھ عجیب جوش و جذبہ تھا۔ اسی وجہ سے مجھے تمہارے ساتھ ایک خاص اُنس ہوگیا تھا۔ آج دس برس کے بعد تم سے مل کر بہت ہی دل خوش ہوا۔ کہو صحرائی زندگی سے چھٹکارا ہوا۔ عیسائیوں اور عیسائی مذہب کے تعصبات سے نجات ملی۔ اور اب پھر پُرانے طریقے پر زندگی بسر کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے۔ واہ واہ آج کا دن تو قابلِ یادگار ہے"۔ یہ کہہ کر نیکیاس نے اپنی دو کنیزوں کو آواز دی:-

"کرہیلی۔ مرتالی۔ چلو میرے اس عزیز مہمان کے ہاتھ پاؤں دھوؤ اور ڈاڑھی پر عطر ملو"۔

دو کنیزیں حکم سُنتے ہی سلفچی۔ آفتابہ۔ عطر کی شیشیاں اور ایک فولادی آئینہ لے کر آئیں۔ پفنوتوس نے نہایت تنفر سے اشارہ کرکے انہیں منع کیا اور آنکھیں نیچی کرلیں کیونکہ یہ دونوں کنیزیں ننگی تھیں۔ بہرکیف نیکیاس نے مہمان کو آرام سے بیٹھنے کے لئے تکیئے پیش کئے طرح طرح کے خوش ذائقہ کھانے اور پینے کی چیزیں منگوائیں مگر پفنوتوس نے بہت رعونت سے ان چیزوں سے انکار کرکے کہا:-

"نیکیاس۔ جس مذہب کو تم نے غلطی سے عیسائیوں کا تعصب کہا ہے اس کو میں نے ترک نہیں کیا۔ سچی دین تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے"۔ ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا۔ ساری چیزیں اُس کے وسیلے سے پیدا

ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوئے اُس میں سے کوئی چیز بھی بغیر اُس کے پیدا نہیں ہوئی۔ اُس میں زندگی تھی اور وہ زندگی آدمیوں کے لئے نور تھی۔"

نیکیاس اس وقت ایک پُر تکلّف لباس پہننے میں مصروف تھا۔ اور پفنوتوس کی باتیں بھی سُنتا جاتا تھا۔ جب یہ مذہبی گفتگو سُنی تو کہنے لگا۔ "پفنوتوس۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ایسے اٹکل پچو بے جوڑ جُملے دوہرانے سے تم مجھ پر کوئی حیرت طاری کر دو گے؟ ایسی بے سُری الاپوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ کیا تم بھول گئے کہ میں تھوڑا سا فلسفی بھی ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ امیلیوس کی کتاب میں سے اِدھر اُدھر کے چند جُملے ایسے شخص کی تشفی کر سکتے ہیں جس کو خود امیلیوس بلکہ فارفریوس اور افلاطون کی تصنیفات بھی جنکے اعلیٰ ہونے میں کلام نہیں اطمینان نہ دے سکیں۔ دُنیا کے دانشوروں نے جو نظامہائے کائنات بیان کئے ہیں وہ محض کہانیاں ہیں جو نسل آدم کے بچپن میں اس کے بہلانے کے لئے گھڑی گئی تھیں۔ جیسے ملطیہ والوں کی کہانیوں پر ہنسی آتی ہے ایسے ہی ان دانشوروں کے قصوں پر بھی ہنسنا چاہیئے۔" اتنا کہہ کر مہمان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے وہ ایک بڑے عالیشان کمرے میں آیا۔ یہاں ہزارہا مُٹھے چھالوں کے کاغذ پر لکھے ہوئے ٹوکروں میں بھرے تھے۔ نیکیاس نے کہا۔ "پفنوتوس۔ یہ میرا کتب خانہ ہے۔ اس میں حکمت کے صرف چند ہی نظام جو اس عالم کی توجیہ میں فلاسفہ نے لکھے ہیں آپ کو ملیں گے لیکن کُل مذاہب حکمت جو تحریریں آچکے ہیں وہ اتنے ہیں کہ آپ کو سراپیوم کے کتاب خانہ میں بھی دستیاب نہیں ہو سکتے کو علمی خزانوں سے وہ مالا مال ہے۔ افسوس ہے۔ ان فلسفیوں اور حکیموں کے کُل افکار ایک بیمار کے خواب پریشاں سے زیادہ نہیں۔"

نیکیاس نے اپنے دوست کو باصرار ایک ہاتھی دانت کی کُرسی پر بٹھایا۔ پفنوتوس نے نفرت کی نگاہ سے اس کُتب خانہ کی کتابوں کو دیکھ کر کہا:۔

"یہ سب پھونک دینے کے لائق ہیں۔"

نیکیاس نے جواب دیا۔ "مگر ان کا جلا ڈالنا تو ایک نقصان عظیم ہوگا۔ ... ہمارے

خواب بعض اوقات دلچسپ بھی ہوتے ہیں۔ علاوہ اس کے اگر حکماء کے یہ افکار و خیالات تلف کر دئے گئے تو پھر دُنیا کی تمام صورتیں اور رنگ بھی فنا ہو جائیں گے۔ اور ہم سب ایک نہایت افسوسناک حماقت کی نیند سو جائیں گے۔"

پلفنوتوس نے جو خیال ظاہر کیا تھا اسی کے سلسلے میں کہا:-

"یہ سچ ہے کہ بُت پرستوں کے خیالات ایک مبہم خواب ہیں۔ لیکن خدا نے جو برحق ہے اپنے تئیں معجزات کے ذریعے انسان پر ظاہر کیا۔ وہ مسیح میں مجسم کیا گیا اور ہم میں آکر آباد ہوا۔"

نیکیاس۔ "یار عزیز۔ یہ تم نے بالکل دُرست کہا کہ خدا کو جسم دیا گیا۔ ایسا خدا جو اس دُنیا میں آکر سوچتا بھی ہو۔ کام کاج بھی کرتا ہو۔ بولتا اور چلتا پھرتا بھی ہو جیسے کہ قدیم یونانیوں کا طور تھا تو پھر ایسا خدا تو قریب قریب انسان کے برابر ہوا۔ یونان کے پُرانے دیوتا جوپیٹر میں بھی یہی صفات تھیں۔ لیکن برقس کے دورِ حکومت میں ایتھنز کے احمقوں نے ان ہی انسانی صفات رکھنے کی بنا پر پُرانے جوپیٹر کو خدا ماننا چھوڑ دیا۔ جب اس پُرانے دیوتا کا یہ حال ہوا تو اب آپ کے اس نئے جوپیٹر کو کون مانیگا۔ لیکن اس بحث کو چھوڑو۔ خدا کے تین اقنوموں پر مباحثہ کے لئے تو آپ یہاں آئے نہیں۔ یہ فرمایئے کہ میرے لائق کیا خدمت ہے جسے بجا لاؤں۔"

پلفنوتوس۔ "ایک بہت ہی نیک خدمت ہے۔ وہ یہ کہ جیسا معطر لباس آپ اس وقت پہنے ہیں۔ ویسا ہی ایک مجھے بھی دیجئے۔ اس کے ساتھ طلائی نعلیں ہوں۔ اور ایک شیشی میں خوشبودار روغن ہو جسے میں اپنے بالوں اور ڈاڑھی میں مل سکوں۔ اگر ان سب کے ساتھ ایک ہزار درہم کی تھیلی بھی عنایت ہو تو بڑا احسان ہو۔ بس یہی وہ چیزیں ہیں جو عشقِ خدا میں ایک کارِ خیر کے لئے آپ سے مطلوب ہیں۔ ایک نیک کام اور پُرانی دوستی کا خیال کر کے یہ چیزیں مجھے دیجئے۔"

نیکیاس نے فرمائش سُنتے ہی فوراً حکم دیا اور اس کی دونوں کنیزیں کربلی اور مرتالی دوڑ کر ایک بڑی پُرتکلف عبا لائیں۔ اس پر ایشیائی طرز کے پھولوں اور حیوانوں

کی تصویریں زردوزی کے کام میں کڑھی تھیں۔ ان دونوں کنیزوں نے عبا کو پھیلا کر اس طرح اُٹھایا کہ اس کے گل بوٹے خوب چمکتے ہوئے معلوم ہوں۔ سمجھی تھیں کہ لیفنوتوس اپنی کمبل کی کفنی جو گلے سے لیکر پاؤں تک پہنچی ہوئی تھی اُتار کر عبا پہننے کے لئے آگے بڑھے گا۔ لیکن وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا اور کہا کہ بدن کی کھال اُتر جائے لیکن رہبانیت کا پیرہن گلے سے نہیں اتر سکتا۔ غرض دونوں باندیوں نے کسی نہ کسی طرح کفنی کے اوپر ہی عبا پہنا دی۔ یہ دونوں عورتیں چونکہ بہت حسین تھیں۔ اس لئے مردوں سے ڈرتی نہ تھیں کو کہنے کو زرخرید لونڈیاں تھیں۔ اب جو اُنھوں نے راہب کو ایک عجیب وضع میں دیکھا تو ہنسنا شروع کیا۔ ایک نے آئینہ دکھا کر کہا یہ تو کسی ایرانی علاقے کے مرزبان معلوم ہوتے ہیں۔ دوسری نے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ لیفنوتوس اس وقت آنکھیں بند کئے عبادت میں مصروف تھا۔ اس نے ان حرکتوں کو مطلق نہ دیکھا۔ غرض طلائی کفشیں پہن اور درہم کی تھیلی کمر میں باندھ چلنے کو ہوا نیکیاس مُسکراتے چہرے سے اپنے مہمان کی صورت دیکھ رہا تھا۔ لیفنوتوس اب اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا:-

"نیکیاس۔ تم میری ان باتوں کو کسی بُرائی پر محمول نہ کرنا۔ میں اس لباس اور ان طلا کار نعلین اور کیسہ زر سے ایک بڑا نیک کام لینے والا ہوں۔"

نیکیاس نے کہا "میں ہرگز بُرا نہیں سمجھ سکتا اور نہ ان چیزوں سے میرے دل میں تمہاری طرف سے کسی بُرائی کا گمان پیدا ہو سکتا۔ کیونکہ میرا یقین ہے کہ بُرائی کرنا یا بھلائی کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ کسی چیز کو بُرائی یا بھلائی سمجھنا محض انسان کی رائے پر موقوف ہے۔ جو صاحب عقل ہیں وہ دُنیا چلانے کے لئے رواج اور عادت کے پابند ہو جاتے ہیں۔ اسی کو بھلائی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ میں خود بھی ان طریقوں کا پابند ہوں جو اسکندریہ میں رائج ہیں۔ اچھا اب آپ جائیے۔ جائیے اور خوش رہیئے۔"

لیفنوتوس کو اس وقت خیال آیا کہ جس قصد سے یہاں تک آیا ہوں بہتر ہے کہ

نیکیاس پر ظاہر کردوں۔ چنانچہ وہ کہنے لگا۔

"نیکیاس۔ تم تائیس کو تو جانتے ہوگے جو تماشا گاہ میں تماشے دکھایا کرتی ہے"

نیکیاس نے جواب دیا "خوب جانتا ہوں۔ بیحد حسین عورت ہے۔ ایک زمانے میں میں بھی اس کا عاشق رہ چکا ہوں۔ اور اسی تعلق کی بدولت ایک پن چکی اور دو کھیت اناج کے بیچنے پڑے اور تین دیوان اس کی تعریف میں نظم کئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسن و جمال کے برابر دنیا میں کسی چیز کو طاقت نہیں۔ اگر کہیں یہ ہمیشہ رہا کرتا تو پھر آپ کے ان ربانی کلمات اور تجلیات اور فلاسفہ کی ہذیاں سرائیوں پر انسان کی توجہ بہت ہی کم رہ جاتی۔ لیکن مشفق۔ مجھ کو حیرت ہے کہ اس وقت طیبی کے صحرائے دور و دراز سے آپ یہاں آرہے ہیں اور تائیس کا ذکر آپ کی زبان پر ہے۔ حیرت! حیرت!" اتنا کہہ کر نیکیاس نے ایک آہ سرد بھری۔ یفنوتوس نے یہ واقعہ سن کر کہ نیکیاس کی آشنائی تائیس سے رہ چکی ہے نہایت ہی نفرت اور غصے کی نظر سے اس پرانے دوست کو دیکھا اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اتنے بڑے گناہ کا اقرار کوئی شخص کیونکر ایسی بے تکلفی سے دوسرے کے سامنے کر سکتا ہے۔ اس گناہ کے خیال سے یفنوتوس سمجھا کہ زمین اب شق ہوا چاہتی ہے اور اس سے شعلے نکل کر نیکیاس کو جلا کر خاک کر دینگے۔ لیکن باوجود انتظار کے زمین شق نہ ہوئی اور اسکندریہ کا یہ رئیس ہتھیلی پر ماتھا رکھے مرمٹی جوانی کی دلربا صورتیں یاد کر کے افسردگی کے ساتھ مسکراتا رہا۔

یفنوتوس نے اٹھ کر بڑے متین لہجہ میں کہا۔

"نیکیاس۔ میرا قصد ہے کہ خدا کی مدد سے اس تائیس کو حب دنیا کی نجاست سے نکال کر مسیح کی دلہن بنا دوں۔ روح القدس نے اگر میرا ساتھ نہ چھوڑا تو آج ہی اسکندریہ سے نکال کر اس عورت کو راہبات کی کسی خانقاہ میں پہنچا دونگا"

نیکیاس نے کہا۔ "ایسا ہرگز نہ کرنا۔ وینس کو ناراض کرنے سے ڈرو۔ وینس حسن و عشق کی دیوی ہے اور وہ بڑی ہی زبردست ہے۔ اگر اس کے دربار کی اس حسین خادمہ

کو تم نے یہاں سے نکال لے جانے کی کوشش کی تو وہ تم سے خفا ہو جائے گی! اور اس کی خفگی کا نتیجہ تمہارے حق میں بُرا ہوگا۔"

لیفنوتوس "خدا مجھے محفوظ رکھے گا۔ نیکیاس خدا ایسا کرے کہ تمہارے دل میں بھی خدا کا نور چمکے۔ اور تم اس ورطۂ ظلمت سے نکلو جس میں غوطے کھا رہے ہو۔"

اتنا کہہ کر لیفنوتوس مکان سے باہر نکلنے کو ہوا۔ نیکیاس پیچھے پیچھے آیا اور دروازہ کے قریب پہنچ کر راہب کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اس کے کان میں کہا:۔

"دیکھو حسن و عشق کی دیبی کو ناراض نہ کرنا۔ اس بات سے ہمیشہ پرہیز کرنا، اس دیبی کا انتقام بلائے بے درماں ہوتا ہے۔"

لیفنوتوس نے اس نصیحت کی کچھ پروا نہیں کی۔ دروازے سے باہر آیا اور پھر اس گھر کو مڑ کر بھی نہ دیکھا جہاں سے نکلا تھا۔ نیکیاس کی باتوں نے اس کے دل میں سخت نفرت و کراہت پیدا کر دی تھی۔ جس وقت خیال آتا تھا کہ تائیس نیکیاس سے ہمکنار ہوئی ہوگی تو اُس کا غصہ ناقابلِ برداشت ہو جاتا۔ اس عورت کے ساتھ بالخصوص کسی کے ملوث ہونے کو وہ ایسا گناہ سمجھتا تھا جس سے بڑھ کر کوئی دوسرا گناہ نہ تھا۔ ناپاک تعلقات سے اس کو ہمیشہ سے نفرت تھی۔ لیکن جیسی نفرت اِس تعلق کا حال سُن کر ہوئی ایسی کبھی پہلے نہیں ہوئی تھی۔ گنہگار بندوں پر مسیح کے عتاب اور فرشتوں کے ملال کا اندازہ جس شدت سے آج اسکو ہوا کبھی پہلے نہ ہوا تھا۔

اب اِس قصد میں کہ بُت پرستوں کی صحبت سے تائیس کو کسی طرح نکالنا چاہیئے اور بھی جوش و خروش پیدا ہوا۔ اور اس حسین عورت کو دیکھنے اور اس کو گناہوں سے بچانے کے لئے دل کی بے قراری انتہا کو پہنچ گئی۔ تائیس سے اس کے گھر پر ملاقات کرنے کے لئے ضروری تھا کہ دن ڈھلنے کا انتظار کرے۔ اور ابھی دوپہر بھی نہیں ہوئی تھی۔ وقت گذارنے کے لئے شہر کے بڑے بڑے بازاروں میں پھرتا رہا۔ یہ ارادہ کر لیا تھا کہ جب تک مُراد حاصل نہ ہوگی نہ کچھ کھائے گا نہ پیئے گا "تاکہ جو چیز خدا سے مانگی ہو اُس کے ملنے کی زیادہ توقع ہو جائے۔ شہر کے کسی گرجا میں بھی جا کر دم نہ

بیا کیونکہ اکثر گرجاؤں میں ایریوسی عقائد کے عیسائیوں نے اپنا عمل دخل کر رکھا تھا صحیح الاعتقاد عیسائیوں کے نزدیک ایریوسی عیسائی وہ بدعقیدہ لوگ تھے جنہوں نے خداوند کی میز کو توڑ ڈالا تھا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ نے ان ایریوسی عیسائیوں کو گرجاؤں میں بڑے بڑے مناصب دے رکھے تھے۔ اور بطریق اسکندریہ انی ناشوس کو اس کے عہدے سے معزول کر کے شہر کے عیسائیوں پر ایک تہلکہ ڈال دیا تھا۔

پفنوتوس کو کسی خطرے کا ڈر نہ رہا تھا۔ دیر تک سڑکوں پہ پریشان پھرتا رہا۔ کبھی کسر نفسی سے آنکھیں زمین کی طرف ہوتی تھیں۔ اور کبھی حالت جذب میں آسمان کی طرف۔ اسی حال میں پھرتا پھراتا سمندر کے کنارے بندرگاہ میں پہنچا۔ یہاں بیشمار کشتیاں اور جہاز لنگر ڈالے تھے۔ اور ان سے کچھ دور سمندر کی سطح روپہلی اور فیروزی موجوں میں اپنی تڑپ دکھلا رہی تھی۔ اتنے میں ایک کشتی نظر آئی جس کے سکّان والے سرے پر سمندر کی ایک پری کا چہرہ بنا ہوا تھا۔ اس کشتی نے ابھی ابھی لنگر اٹھایا تھا اور ملاحوں نے پتوار چلانے کے ساتھ گانا بھی شروع کر دیا تھا۔ راہب کی نظروں میں یہ سمندر کی پری جس پر پانی کے قطرے موتی نثار کر رہے تھے بہت جلد کسی عورت کا سامنے سے گزرتا ہوا حسین چہرہ نظر آئی۔ کشتی رہنما کی مدد سے تنگ پانی میں سے نکل کر خلیج میں داخل ہوئی۔ اور پھر وہاں سے بڑے سمندر میں چلنے لگی اور پیچھے پیچھے سفید جھاگوں کی ایک لکیر سی بناتی گئی۔

پفنوتوس دل میں کہنے لگا۔ ایک زمانہ تھا کہ میں بھی دنیا کے سمندر پر گاتا بجاتا کشتی پر سوار ہونا چاہتا تھا۔ لیکن میں اپنی غلطی سے جلد آگاہ ہو گیا اور سمندر کی پریاں مجھے نہ لبھا سکیں۔

اسی طرح کی باتیں سوچتا ہوا چلتے چلتے رسّوں کے ایک ڈھیر پر بیٹھ گیا اور پھر لیٹ کر غافل سو گیا۔ خواب میں دیکھا ایک فرشتہ صور پھونک رہا ہے اور اس کی تیز آواز کانوں کے پار ہوئی جاتی ہے۔ آسمان خونین رنگ ہے۔ سمجھا کہ قیامت آن پہنچی۔ بہت ہی گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگنے لگا۔ دعا میں مصروف تھا کہ دیکھا ایک

نہایت مہیب جانور اس کے قریب آ رہا ہے۔ اس جانور کی پیشانی پر روشنی کی ایک صلیب
چمک رہی ہے۔ فوراً سمجھ گیا کہ یہ سسلی کا ابوالہول ہے۔ اس جانور نے قریب آتے
ہی اس کو اپنے دانتوں سے پکڑ لیا۔ مگر کوئی دانت اس کے جسم میں چبھا نہیں۔ اور اس طرح
اُٹھا کر لے چلا جیسے بلّی اپنے بچے کو منہ میں لٹکائے ہوئے لے جاتی ہے۔ اسی حالت
میں لفنونوس نے بہت سی اقلیمیں اور سلطنتیں طے کر لیں۔ بڑے بڑے پہاڑ اور
دریا عبور کئے۔ یہاں تک کہ ایک نہایت ہی برباد و خوفناک مقام نظر آیا جہاں ہر
طرف کالے کالے پہاڑ کھڑے تھے۔ اور ہر جگہ آگ جلتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ زمین میں جا بجا
سوراخ تھے اور ان میں سے شعلے نکلتے تھے۔ ابوالہول نے لفنونوس کو [illegible]
زمین پر ٹپکا کر کہا۔

"دیکھو"

لفنونوس جھک کر دیکھنے لگا تو ایک تاریک گھاٹی نظر آئی جو نیچے دور تک پھیلی
چلی گئی تھی۔ اس کے بیچوں بیچ آگ کا ایک دریا کالے کالے چٹانوں میں سے پیچ و خم
کھاتا شعلے اُٹھاتا بہہ رہا تھا۔ اِدھر اُدھر جلتی زمین پر دوزخ کے [illegible]
روحوں کو عذاب دے رہے تھے۔ ان روحوں کے جسم وہی تھے جو دنیا میں چھوڑ
چکی تھیں۔ یہاں تک کہ بعض کے جسم پر کہیں کہیں کپڑوں کے پھٹے ٹکڑے بھی لپٹے
نظر آتے تھے۔ مگر باوجود سخت اذیتوں اور عذابوں کے ان کے چہروں سے اطمینان
ظاہر ہوتا تھا۔ ایک بڑے قد آور مرد ضعیف کی روح نے جس کے سر پر تاج اور ہاتھ
میں عصا تھا اپنی خوشنوائی سے اس ویرانے کو نغمہ زار بنا رکھا تھا۔ دیوتاؤں اور
سورماؤں کی تعریفیں الاپ رہا تھا۔ شیاطین گرم سلاخوں کی نوک سے کبھی اس
کے لبوں کو چھیدتے اور کبھی گرم سلاخیں اُس کے حلق میں ڈالتے۔ مگر ہومر کی [illegible]
نغمہ سرائی میں مصروف رہی۔ قریب ہی یونان کا بڈھا حکیم اناغورس جس کے [illegible]
ایک بال نہ تھا اور بڑھاپے سے بدن کی نسیں اُبھر آئی تھیں ہاتھ میں پرکار لئے زمین
پر ریاضی کی شکلیں بنا رہا تھا۔ دوزخ کا ایک کارندہ کھولتا ہوا تیل اُس کے کانوں میں

ڈالتا لیکن حکیم کے علمی افکار میں کسی طرح کا خلل نہ پیدا کر سکتا۔ اس کے بعد لیفنوتوس دیکھا کہ دریائے آتش کے ہولناک کنارے بہت سے لوگ چہل قدمی کر رہے ہیں اس طرح کچھ پڑھتے اور تقریریں کرتے جاتے ہیں جس طرح ایتھنز کی اکادمی میں اُستاد شاگرد درس و تدریس میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ایک طرف تیموکلیس بھی نظر آیا کہ ہر چیز کے انکار میں گردن ہلا رہا ہے اور تاریکی کا ایک فرشتہ ایک تیز مشعل اس کی آنکھوں کے سامنے لاتا ہے اور جدھر گردن پھیرتی ہے اُدھر ہی یہ مشعل آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے۔ لیکن تیموکلیس نہ مشعل کو دیکھتا ہے اور نہ فرشتہ کو۔

لیفنوتوس اس منظر کو دیکھ کر حیرت سے گنگ ہو گیا اور منہ پھیر کر اس جانور کو دیکھنا چاہا جو اس کو یہاں تک لایا تھا لیکن ابوالہول غائب ہو چکا تھا۔ اور اس کی جگہ ایک عورت سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی ہوئی کھڑی تھی اور لیفنوتوس سے کہتی تھی:۔

"غور سے دیکھو اور سمجھو۔ ان کافروں کی ہٹ ایسی سخت ہے کہ جہنم میں بھی یہ انہی دھوکوں کا شکار ہیں جو دُنیا میں انکی گمراہی کا باعث ہوئے تھے۔ موت بھی ان کی غلط بینی کا علاج نہ کر سکی۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے دیدار کے لئے صرف مر جانا ہی کافی نہیں ہوتا۔ جن لوگوں کو تم دیکھ رہے ہو چونکہ یہ انسانی پیکر میں حق سے غافل رہے تھے اس لئے ہمیشہ حق سے غافل رہیں گے۔ یہ بھوت کون ہیں جو ان روحوں کو عذاب دے رہے ہیں؟ یہ عدل الٰہی کے کارکن ہیں۔ چونکہ خدا کے عدل سے یہ روحیں ناواقف تھیں اس لئے اب وہ ان عذابوں کو بھی نہ دیکھ سکتی ہیں اور نہ سمجھ سکتی ہیں۔ ہر قسم کے حقائق سے بیگانہ رہ کر اُن کو اپنے معتوب و مغضوب ہونے کا علم تک نہیں ہے اور خدا بھی انکو مجبور نہیں کر سکتا کہ اس عذاب کا انہیں احساس ہو۔"

لیفنوتوس نے یہ کلمہ کفر سُن کر کہا۔ "نہیں خدا کے اختیار میں سب کچھ ہے۔

ہ قادرِ مطلق ہے۔"

چادر والی عورت نے کہا "لیکن کوئی فعل عبث خدا سے ظہور میں نہیں آسکتا۔ ان سزا دینے کے لئے لازمی تھا کہ پہلے حق بات ان کے دل میں بٹھادی جاتی۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ خدا کے مردود نہیں بلکہ محبوب بندوں میں گنے جاتے۔"

لیفنوتوس کی حالت خوف و اضطراب کی تھی۔ ایک مرتبہ پھر جھک کر کھڑکی کی طرف دیکھا اور نظر آیا کہ آگ سے جھلسے ہوئے درختوں کے نیچے نیکیاس کی روح کھڑی مسکرا رہی ہے۔ پیشانی پر پھولوں کا ہار لپٹا ہے۔ اور قریب ہی ملیطس کی مشہور حسینہ سیاسیا نازک لباس پہنے عشق و حکمت کی باتیں شریفانہ ادا سے بڑے شیریں لہجہ میں بیان کر رہی ہے۔ آگ کی ہلکی ہلکی پوندیاں برس رہی ہیں۔ مگر ان میں فرحت و تازگی ایسی ہے جیسے صبح کو شبنم کے قطروں میں ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں جلتی زمین پر اس طرح ٹہل رہے ہیں جیسے کسی سبزہ زار میں ہوا کھاتے ہوں۔ نیکیاس کی روح کو دیکھتے ہی لیفنوتوس کو ایسا طیش آیا کہ چیخ چیخ کر کہنے لگا

"اے خدا۔ اس کو مار۔ ایسا مار کہ وہ روئے اور آہیں بھرے اور دانت پیسے۔ یہ وہ ہے جس نے تائیس کے ساتھ گناہ کیا ہے۔"

اتنے میں لیفنوتوس کی آنکھ کھل گئی۔ اور دیکھا کہ ایک بڑا طاقتور ملاح اسکو سمندر کے کنارے سے گھسیٹ کر ریت کی طرف لا رہا ہے اور زور زور سے کہتا ہے:۔

"کیا ہے۔ کیا ہے۔ ہوشیار ہو۔ کیوں نیند میں اتنا بہکتے ہو۔ خیر ہوئی کہ میں پہنچ گیا ورنہ تم اس وقت سمندر کی تہ میں ہوتے۔ اس وقت میں نے تمہاری جان بچالی۔ اور اس میں ذرا جھوٹ نہیں یہ ایسی ہی سچی بات ہے جیسے میری ماں جب جیتی تھی تو نون لگی مچھلیاں بیچا کرتی تھی۔"

لیفنوتوس جاگا، اور صرف اتنا کہا۔ "خدایا۔ تیرا شکر ہے۔"

یہ کہہ کر وہ کھڑا ہوا اور جدھر منہ اٹھا ادھر ہی چلنے لگا۔ اور جو خواب اس وقت دیکھا تھا اس پر غور کر کے دل میں کہا کہ "یہ خواب سچا نہیں ہوسکتا۔ یہ رویائے

ظاہر ہے۔ اس میں خدائے مہربان کو نا مہربان کرنے کے لئے دوزخ اس طرح دکھائی گئی تھی گویا اس کی کچھ اصلیت ہی نہیں ہے۔ یقینی یہ سب شیطان کی حرکت تھی۔"

پفنوتوس نے شیطان کی طرف سے اس خواب کا ہونا اس لئے سمجھا کہ اس کو اچھے اور بُرے خوابوں میں تمیز کرنی آتی تھی۔ اور بہت جلد سمجھ جاتا تھا کہ کونسا خواب خدا کی طرف سے ہے اور کونسا شیطان یا خبیث روحوں کی طرف سے۔ اس قسم کی پہچان کا ہونا راہبوں کے لئے ضروری تھا۔ کیونکہ روحوں سے رات دن ان کو واسطہ رہتا تھا اور ظاہر ہے کہ جو آدمیوں سے بھاگ گیا اس کو روحوں ہی سے سابقہ رہے گا۔ تمام صحرا ان سے بھرا ہوا تھا۔ مشہور تھا کہ جس وقت مسیحی زائرین ... قلعے کے قریب پہنچے جہاں انطونی گوشہ نشین ہو رہا تھا تو ان کو ایسی آوازیں ... دیتی تھیں۔ جیسے کہیں دُور کوئی شہر چراغاں کیا گیا ہو۔ اور خلقت کا دھیما شور کانوں میں آئے۔ مگر یہ سب آوازیں راہب انطونی کی گمراہی کے لئے شیاطین بنایا کرتے تھے۔

پفنوتوس نے زائرین کے اس واقعہ کو یاد کر کے مصر کے یوحنا شہید کے قصہ کو بھی یاد کیا۔ اس مسیحی عابد کو بدراہ کرنے کے لئے شیطان نے پورے ساٹھ برس کوشش کی تھی۔ لیکن یوحنا اس کے دھوکے میں نہ آیا۔ اتنا البتہ ہوا کہ ایک دن جب شیطان آدمی کا بھیس بدل کر اس عابد کے حجرے میں آیا اور کہا کہ "اے یوحنا تم اپنا روزہ کل شام تک افطار نہ کرنا" یوحنا نے یہ سمجھ کر کہ یہ کسی فرشتے کی آواز ہے دوسرے دن شام تک روزہ نہ کھولا۔ صرف اتنا ہی دھوکا تھا جو شیطان اس بزرگ کو دے سکا۔ مگر وہ بہت ہی خفیف دھوکا تھا۔ بہرحال پفنوتوس کو یقین ہو گیا کہ جو خواب اس نے ابھی دیکھا ہے وہ شیطان کا دکھایا ہوا تھا۔

پفنوتوس یہی سوچتا اور شکوہ کرتا ہوا کہ آج خدا نے اپنی نگاہ کرم پھیر کر اس کو شیطان کے قابو میں آنے دیا چلا جاتا تھا کہ آدمیوں کی ایک بھیڑ ملی۔ جدھر یہ راہب جا رہا تھا ادھر ہی یہ آدمی بھی جا رہے تھے۔ شہروں میں چلنے کی اب

عادت نہ رہی تھی۔ لوگوں کی دھکا پیل میں کبھی اِدھر آ رہنا کبھی اُدھر جا پہنچنا۔ لباس بھی اتنا نیچا پہنے تھا کہ اس میں الجھ کر گر گر پڑتا تھا۔ مگر اسی حال میں معلوم کرنا چاہا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ چنانچہ ایک آدمی سے پوچھا۔ "یہ بھاگڑ کیسی ہے ؟"

اس آدمی نے جس کا نام دوریان تھا جواب دیا۔ "اے اجنبی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس وقت کھیل تماشے شروع ہونے والے ہیں اور آج تائیس تماشا کریگی۔ یہ سب لوگ تماشا گاہ کو جا رہے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔ کیا آپ بھی وہیں کا قصد رکھتے ہیں۔"

فوراً خیال آیا کہ تائیس کو اس موقعہ پر دیکھنا اس کے مقصد کے لئے مفید ہوگا۔ پفنوتوس اس نئے ملاقاتی کے ساتھ ہو لیا۔ تماشے کی عالیشان عمارت دس پانچ قدم پر سامنے ہی تھی۔ اس کے برآمدے طرح طرح کے مصنوعی چہروں سے آراستہ تھے اور اس کے احاطہ کی مدوّر دیوار پر پتھر کے بُت جا بجا نصب تھے۔ اب پفنوتوس اور دوریان دونوں ساتھ ساتھ ایک تنگ چھتے میں سے گزرے جس سے نکلتے ہی تماشا خانے کے اندر پہنچ گئے جو روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ تماشائیوں کی صفیں نصف دائرہ کی صورت میں واقع ہوئی تھیں۔ ایک صف میں یہ دونوں بھی جا کر بیٹھ گئے۔ سامنے ایک وسیع گول صحن تماشا کرنے کے لئے تھا۔ یہ بہت آراستہ تھا مگر ابھی اس میں کوئی تماشا کرنے والا نہ تھا۔ صحن کے بیچ میں ایک چبوترہ سا تھا۔ اور اس کی شکل ایسی تھی جیسے پُرانے سورماؤں کے مرنے پر ان کی یادگاریں یا قبریں قدیم زمانہ کی قومیں بنایا کرتی تھیں۔ اس چبوترے کے گرد ایک لشکرگاہ بنائی تھی۔ خیموں کے سامنے نیزے قطاروں میں نصب تھے اور سائبانوں کے ستونوں میں جن پر بلوط کے پتوں اور پھولوں کے ہار لپیٹے ہوئے تھے بہت سی سونے کی چمکتی ہوئی ڈھالیں لٹک رہی تھیں۔ ابھی تک سب طرف نیند کی سی خاموشی چھائی تھی۔ لیکن تھوڑی دیر میں تماشائیوں کی صفوں سے ایسی آواز آنی شروع ہوئی جیسے چھتے کے پاس مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہو۔ ارغوانی لباسوں کے

عکس سے سب کے چہرے سرخ معلوم ہوتے تھے اور اب تماشائیوں کی نگاہیں صحن کی طرف اٹھیں جس کے بیچ میں چبوترہ اور چبوترے کے گرد شکر گاہ تھی۔

پفنوتوس چپکے چپکے کوئی دعا پڑھ رہا تھا اور کسی سے بات نہ کرتا تھا۔ مگر دوربان جس کے ساتھ وہ یہاں آیا تھا برابر باتیں کرتا رہا اور کہنے لگا۔

"ایک زمانہ تھا کہ بڑے بڑے استاد تماشاگر مصنوعی چہرے منہ پر لگا کر تاکہ کوئی صورت نہ پہچانے یونان کے شعرا باکمال میانڈر اور یوریپڈیس کے اشعار بڑی آب و تاب سے پڑھا کرتے تھے۔ اب جتنے ناٹک کئے جاتے ہیں ان میں شاعر کے کلام کو دخل نہیں۔ کل مضمون صرف اشاروں اور حرکتوں سے ادا کیا جاتا ہے۔ زبان سے کام نہیں لیتے۔ پہلے میکشوں کے دیوتا بیکس کے تہوار میں جو عجیب عجیب چیزیں تماشوں میں دیکھی اور سنی جاتی تھیں۔ ان کی جگہ اب یہی گونگوں کی حرکتیں اور اشارے رہ گئے ہیں جو ایک گنوار کی سمجھ میں بھی آسکتے ہیں۔ اب وہ تماشے کہاں جن میں انسان کی فطرت کے شدید جذبات کا نقشہ کھینچا جاتا تھا اور جن میں تماشاگر جس وقت شعرائے سلف کا کلام سناتے تھے تو تلواروں کی جھنکاروں میں تماشاگروں کی آواز اور بھی گونجتے اور گرجنے لگتی تھی۔ اور تماشا کرنے میں وہ ایسی شانیں دکھاتے تھے کہ خود دیوتا معلوم ہونے لگتے تھے۔ افسوس ناٹک میں اب وہ پہلا سا سوز و گداز اور شاعروں کی سحر بیانیاں نام کو نہیں ہیں۔ سوائے نقالوں اور ناچنے والیوں کے اب کچھ باقی نہیں رہا۔ اگر آج اتھینز کے لوگ پرقلس کے زمانہ کے زندہ ہوتے اور ناٹک میں کوئی عورت تماشا کرنے کو آتی تو معلوم نہیں وہ کیا کہتے۔ سب کے سامنے عورت کو بے پردہ ہو کر آنے کی اجازت دینی سخت معیوب حرکت ہے۔ اسی سے ہمارا تنزل ظاہر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت مرد کی دشمن ہی نہیں بلکہ وہ اس دنیا کی مجسم بے غیرتی ہے۔"

پفنوتوس نے کہا "یہ بات تم نے عقل کی کہی۔ عورت کے برابر ہمارا کوئی دشمن نہیں۔ وہ لذت و سرور کا ذریعہ ہے اس لئے اس سے ڈرنا چاہیئے۔"

دوریان بولا "میرا قول تو یہ ہے کہ وہ لذت و سرور کا ذریعہ نہیں بلکہ رنج و تشویش کا ذریعہ ہے۔ مرد کے لئے عورت کے عشق کے برابر کوئی آزار نہیں۔ آپ کو میں ایک قصّہ سُناؤں۔ ارگوس کے علاقے میں ایک شہر تزنیتا ہے۔ جوانی میں مجھے ایک مرتبہ وہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ یہاں مرتل کا ایک بڑا درخت دیکھنے میں آیا جس کے ہر پتے میں بے شمار چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو یہ قصہ سُنا کہ جب ملکہ فیدرا کو اپنے سوتیلے بیٹے ہیپولیتس سے عشق ناجائز پیدا ہوا تو وہ اسی درخت کے نیچے اس کا انتظار کیا کرتی تھی۔ اس بیکاری و تکلیف کی حالت میں اس نے ایک دن اپنے بالوں کے جوڑے میں سے ایک سونے کی سلائی نکالی اور اس درخت کے پتوں کو اس سے چھیدنا شروع کیا۔ انتظار کی مدت اتنی بڑھی کہ درخت کے تمام پتے چھید ڈالے۔ جب یہ ملکہ اپنی مراد کو نہ پہنچی تو ہیپولیتس کو اُس نے مار ڈالا اور خود بھی بہت اذیت سے مری۔ یعنی اپنے عروسی کمرے میں جا کر کمر سے زری کا پٹکا کھول اس سے اپنے تئیں پھانسی دے لی۔ یہ واقعہ سُن کر دیوتاؤں نے فیصلہ کیا کہ اس مرتل کے درخت میں چونکہ وہ ملکہ فیدرا کے عشق حرام کا شاہد رہ چکا ہے آئندہ جس قدر پتے نکلیں وہ سب سوراخ دار ہوں۔ یہ قصہ سُن کر میں نے اس درخت کا ایک پتّا توڑ لیا۔ اور گھر آ کر اس کو اپنے پلنگ کے سرہانے لٹکا دیا تاکہ یہ واقعہ ہمیشہ یاد رہے اور عشق کا آزار اپنے پیچھے کبھی نہ لگاؤں۔ اور حکیم ابی قورس کے اس قول کو کہ نفس کی خواہشوں سے بہت خوف کرنا چاہئے اور بھی دل سے یقین کرتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ عورت سے عشق کرنا اپنے دین و ایمان کو ایک روگ لگانا ہے۔ اور پھر یہ روگ کمبخت ایسا ہو کہ اس سے ہمیشہ بیمار رہنا بھی تو یقینی نہیں۔"

یفنڈوتوس نے پوچھا۔ "دوریان تم کو کن چیزوں سے مسرت حاصل ہوتی ہے؟"

دوریان نے بہت ہی کچھ غمگین بن کر کہا "مسائل حکمت پر غور کرنے سے البتہ دل خوش ہوتا ہے۔ مگر اس کو بھی ایک مجبوری سمجھئے۔ کیونکہ جب انسان کا معدہ ضعیف ہو گیا ہو تو پھر یہ خیال کرنا کہ غور و فکر کے سوا بھی کسی چیز میں

حظ مل سکتا ہے ایک فضول بات ہے۔"

انتا ئمن کر لیفنوتوس نے اس تمدنی تور کو ایسی روحانی مسرتیں بنانی چاہیں جو خدا کی ذات پر غور کرنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس نے کہنا شروع کیا:۔

"حق بات سنو۔ اور اس سے اپنے قلب کو روشن کرو۔"

یہ جملہ لیفنوتوس نے ایسا کڑک کر کہا کہ بہت سے لوگ اس کی طرف ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہنے لگے "خبردار۔ خاموش رہو" اس وقت ہر طرف ایک سناٹا سا تھا۔ مگر پھر یکلخت بہت سے ساز اور باجے بجنے لگے۔

تماشا شروع ہو گیا۔ سپاہی اپنے اپنے ڈیروں میں سے نکلے اور ایسی حرکتیں کرنے لگے کہ گویا کل فوج کوچ کرنے کو ہے۔ اتنے میں بیچ کے چبوترے پر دھوئیں کا ایک بادل سا چھا گیا۔ پھر یہ بادل ہٹ گیا اور چبوترے پر اکیلیز[11] کی روح طلائی زرہ بکتر لگائے نمودار ہوئی۔ اور اس نے ہاتھ اٹھا کر لشکر کے سرداروں سے اشاروں میں کہنا شروع کیا۔ "اے یونان والو۔ کیا تم وطن کو واپس جا رہے ہو جہاں مجھ کو اب جانا نصیب نہ ہوگا۔ کیا میری قبر پر کوئی چڑھاوا بھی نہ چڑھاؤ گے۔ یوں ہی چھوڑ کر چلے جاؤ گے" اتنا سنتے ہی یونان کے جس قدر نامور سردار تھے سب[12] اکیلیز کی قبر کے قریب آ گئے۔

اکامس[13]۔ نسٹور[14]۔ اگاممنن[15] تاج اور عصائے شاہی لئے اکیلیز کی طرف دیکھنے لگے۔ اکیلیز کا جوان بیٹا پرہوس باپ کی روح کے سامنے خاک پر پڑا تھا۔ یونان کا سب سے بڑا عاقل و دانا یولی سیز بھی موجود تھا۔ اس نے اپنے بشرے سے ظاہر کیا کہ اکیلیز کی قبر پر ضرور کوئی نذر چڑھانی چاہیئے۔ اور اس بات پر اگاممنن سے اشاروں میں بحث کرنے لگا۔ یہ اشارے اس قدر صاف تھے کہ بحث کا کل مضمون تماشائیوں کی سمجھ میں آ رہا تھا۔

یولی سیز گویا کہتا تھا کہ "یونانیوں میں اکیلیز سب سے زیادہ عزت کا مستحق ہے۔ یہ وہ جوانمرد ہے جس نے بڑی شان سے اپنے ملک و وطن پر جان قربان کی تھی۔ اب

وہ چاہتا ہے کہ مغلوب بادشاہ نزوجہ[12] یعنی پریام کی دوشیزہ لڑکی پولی زینہ اس کی قبر پر قربان کی جائے۔ یونانیو۔ تمہارا فرض ہے کہ اکیلیز جس چیز کو تم سے طلب کرے اُسے پیش کر دو تاکہ تحت الثریٰ میں اس کی روح آرام سے رہے"

اگامنن نے اس تقریر سے اختلاف کیا اور اشاروں میں کہا:۔

"یونانیو۔ نزوجہ کی کنواری لڑکیوں کو جان سے نہ مارو۔ یہ وہ ہیں جنہیں ہم بُت خانوں کے حرم سے پکڑ لائے ہیں۔ وہاں ہی ان کو پناہ نہ دی۔ آخر پریام کے خاندان اور قوم پر کہاں تک ظلم توڑ دگے"

اگامنن نے یہ سفارش اس بنا پر کی تھی کہ اس کو پولی زینہ کی بہن کسندرہ سے عشق تھا۔ اس پر پولیسیز نے اگامنن کو جھڑکا اور کہا "حیف ہے کہ کسندرہ کی سیج کو اکیلیز کی تلوار پر ترجیح دی جاتی ہے"

یونان کے لوگوں نے تلواریں جھنکا کر پولی سیز کی رائے سے اتفاق کیا اور فیصلہ کر دیا کہ اکیلیز کی روح کو تسکین دینے کے لئے بادشاہ پریام کی دوشیزہ لڑکی ذبح کر دی جائے۔ یہ فیصلہ سنتے ہی اکیلیز کی روح غائب ہوگئی۔ باجے اور ساز تماشا کرنے والوں کی حرکات وسکنات کے مطابق کبھی تیز اور کبھی آہستہ بجتے تھے تماشائیوں کی صفوں سے بھی اس فیصلے کی تائید میں آوازیں بلند ہوئیں۔

یفنونوس جو میزان حق میں ہر چیز کو تول کر بات کرتا تھا پکار اٹھا:۔

"اس قصہ سے معلوم ہوا کہ جھوٹے مذہبوں کے ماننے والے کیسے ظالم وجفا پیشہ ہوتے تھے"

یہ فقرہ سن کر دوربان بولا "ابتدا میں سب ہی مذہبوں کی بنیاد ظلم وجفا ہی پر رکھی گئی تھی۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ حکیم ابی قور علم ودانش کا استاد دنیا میں پیدا ہوگیا اور عالم غیب کے متعلق جس قدر خوف انسان کے دل میں چلے آتے تھے۔ ان کو اس نے دور کر دیا"

اتنے میں ملکہ ہکوبہ بال کھولے گریبان چاک جس خیمہ میں قید تھی اُس سے باہر

نکلی جس وقت مظلومی و بدقسمتی کی یہ زندہ تصویر سامنے آئی تو سب کے دل ہل گئے۔ یہ پولی زینہ کی ماں تھی۔ اسے خواب میں معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی بیٹی قربانی کی جائے گی اس لئے وہ پہلے ہی سے اپنی اور اپنی بیٹی کی بدقسمتی پر آہ و زاری کرتی ہوئی آئی۔ یولی سیز اس کے قریب آیا اور پولی زینہ کو قربانی کے لئے اس سے مانگا۔ بڑھیا ماں نے چھاتی پیٹ کر سر کے بال نوچے۔ ناخنوں سے چہرے کو زخمی کیا۔ یولیسیز کی بہت منت و سماجت کی۔ اس کے ہاتھ چومے۔ مگر یولی سیز کو رحم نہ آیا اور اشاروں میں کہنے لگا:۔

"اے ملکہ۔ ذرا عقل کو کام میں لائیے۔ ضرورت کے سامنے سر جھکا دیجئے۔ بہت سی بڑھیا مائیں ہمارے گھروں میں بھی ایسی موجود ہیں جن کی اولاد اس میدان میں خاک کا پیوند ہو چکی ہے۔ اور جس کو وہ آج تک رو رہی ہیں"

کسندرہ جو تھوڑا زمانہ ہوا ایشیا کی ملکہ تھی اور آج دشمن کے ہاتھ میں ایک لونڈی کی حیثیت رکھتی ہے سر پہ خاک ڈالتی ہوئی سامنے آئی۔

یہ موقع تھا کہ ایک خیمہ کے سامنے سے پردہ ہٹا اور روشیزہ پولی زینہ ظاہر ہوئی۔ تعریف کی ایک آواز ہر طرف گونج اٹھی۔ اور تماشائیوں نے فوراً پہچان لیا کہ تائیس پولی زینہ بنی ہے۔ اور لیفنوتوس کو بھی آج پھر وہ صورت نظر آئی جس کی تلاش تھی۔ تائیس ایک ہاتھ سے بھاری پردے کو سر سے اوپر تھامے ایک حسین بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑی رہی لیکن نرگسی آنکھیں ہر طرف میٹھی اور مغرور نگاہیں ڈال رہی تھیں۔ اور ہر تماشائی کے دل میں اس کے حسن کا جادو اپنا کام کر رہا تھا۔

یکلخت تماشائیوں کی زبان سے تعریف کے نعرے بلند ہوئے۔ لیفنوتوس نے بیتاب ہو کر دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیا اور ایک آہ سرد کھینچ کر کہنے لگا:۔

"خدایا۔ تو نے اپنی کل مخلوق میں سے صرف اس ایک نازک جان کو اتنی قوت کیوں کر بخش دی؟"

دوستان جس پر کچھ زیادہ اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کہنے لگا:۔

"حقیقت تو یہ ہے کہ جن ذرّوں سے یہ عورت بنی ہے اُن کا حسن ترکیب غضب کا ہے۔ اس کو بھی قدرت نے ایک لمحہ میں سمجھئے۔ خود ان ذرّوں کو علم نہیں کہ مل کر کیا چیز بنائی ہے اور جس بے پروائی سے یہ ذرّے کبھی ملے تھے اسی بے پروائی سے ایک دن جُدا ہو جائیں گے۔ آپ ہی فرمایئے کہ جن ذرّات نے لائیس اور کلوپٹرہ جیسی حسین عورتوں کو بنایا تھا وہ کدھر غائب ہو گئے۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ بعض وقت عورتیں حسین ہوتی ہیں مگر بہرحال ان کو ذلیل کیا جاتا ہے اور قابلِ نفرین مصیبتیں ان پر ڈالی جاتی ہیں۔ اور اتنا خیال بھی صرف اُن لوگوں کو ہوتا ہے جن میں غور و فکر کی عادت ہے۔ ورنہ عام لوگوں کو اس بات سے کچھ بحث ہی نہیں ہوتی۔ عورت مرد کے دل میں جذبۂ عشق پیدا کرتی ہے کو عورت سے عشق کرنا عقل و دانش کے بالکل خلاف ہے۔"

غرض یہ شان تھی جس میں یونان کے ایک حکیم اور صحرائے ایک راہب نے تائیس کا جلوہ دیکھا اور دونوں اپنے اپنے خیال کے مطابق اس کیفیت کو سوچتے رہے۔ اور اس حالت میں ایسے محو ہوئے کہ ملکہ ہکوبہ کو اپنی بیٹی پولی زینہ کے قریب آتے بھی نہ دیکھا اور نہ ملکہ کو بیٹی سے یہ کہتے سُنا:۔

"بیٹی۔ کوئی جتن ایسا کر کہ یولی سیز کو تجھ پر ترس آ جائے۔ اپنے آنسوؤں سے اپنی جوانی اور حُسن سے کہہ کہ تیری جان بخشی کے لئے فریاد کریں۔"

تائیس یا یہ کہیئے کہ پولی زینہ خیمہ کا پردہ اپنے کورے کورے ہاتھ سے چھوڑ کر ایک قدم باہر آئی۔ اور سب کے دل اس کی نذر ہو گئے۔ شاہانہ تمکنت سے وہ یولیسیز کی طرف بڑھی۔ رفتار کے انداز اور بانسریوں کی آواز میں کچھ ایسا تال میل تھا کہ آج تائیس دُنیا کے تمام نغموں کا سرچشمہ معلوم ہوتی تھی۔ تماشائیوں کی یہ کیفیت تھی کہ ان کو سوائے تائیس کے کچھ اور نظر نہ آتا تھا۔ اس کے حُسن نے اور سب چیزوں کو گہنا دیا تھا۔ تماشا جاری رہا۔

مضطرد۔ پولی سینز نے پولی زینہ کو آتے دیکھ کر اپنا مُنہ پھیر لیا۔ اور اپنے ہاتھ بھی چادر میں چھپائے کہ پولی زینہ کے لب اس کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اپنی انصاف طلب نگاہوں سے کہیں اس کے دل میں رحم نہ پیدا کردیں۔ پولی زینہ اشاروں میں پولی سینز سے کہتی معلوم ہوئی :-

"پولی سینز مجھ سے ڈرتے نہیں۔ مجھے آپ سے اتفاق ہو۔ میری موت ضروری ہے۔ تو میں حاضر ہوں۔ کیونکہ میں تو خود ہی مرنے کی آرزو کرتی رہتی ہوں۔ پریام کی بیٹی ہوں اور ہکتر کی بہن۔ جس کی سیج کی تمنا بادشاہوں کو ہوتی وہ ایک ظالم قوم کی لونڈی بن کر نہیں رہ سکتی۔ میں خوشی سے اپنی جان دینے کو تیار ہوں۔"

ہکوبہ خاک پر بے ہوش پڑی تھی۔ دفعتہً سنبھل کر اُٹھی اور گلے میں باہیں ڈال کر بیٹی کو لپٹ گئی۔ پولی زینہ نے آہستہ سے ماں کی باہیں اپنے گلے سے نکالیں اور اشاروں میں کہا :-

"اے مادرِ مہربان۔ دشمن کا جور و ستم اپنے اوپر کیوں اور بڑھاتی ہو۔ کیا سمجھتی ہو کہ وہ مجھ کو تم سے زبردستی نہ چھڑا لیں گے۔ پیاری اماں۔ اپنے ہاتھ میں میرا ہاتھ اور میرے لبوں تک اپنے لب لاؤ۔"

غم کا حُسن اس وقت تائیس کے چہرے پر تھا۔ اور تماشائی محوِ حیرت تھے کہ زندگی کے واقعات کو یہ عورت کیسی اصلیت و خوبصورتی سے ادا کرنے کی قابلیت رکھتی ہے۔ پفنوتوس نے تائیس کے غرورِ حُسن کو اس خیال سے معاف کر دیا کہ عاجزی و انکساری کا وقت قریب آرہا ہے۔ دل میں خوش تھا کہ وہ عنقریب ایک گنہگار عورت کو راہبہ بنا کر خداوند کی حضور میں پیش کرنے والا ہے۔

تماشا اس وقت خوب زوروں پر تھا۔ ملکہ ہکوبہ بیٹی سے جُدا ہوتے ہی زمین پر اس طرح گری گویا دم نکل گیا۔ پولی زینہ پولی سینز کے پیچھے پیچھے چلی اور جو مقام اکیلیز کی قبر تصور کیا گیا تھا وہاں آئی۔ یونان کے بڑے بڑے اہلِ سیف جنہوں نے جنگِ تروجہ [illegible]

قبر کے چبوترے پر چڑھی۔ اکیلیز کا لڑکا سونے کا پیالہ ہاتھ میں لئے باپ کی تربت پر پانی اور پھول چڑھا رہا تھا۔ جس وقت قربانی کرنے والوں نے پولی زینہ کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ اس کو قتل کریں تو پولی زینہ نے فوراً اشاروں میں اجازت چاہی کہ موت کا طریقہ اس کی مرضی پر چھوڑا جائے۔ کیونکہ یہی دستور بادشاہوں کی اولاد کے قتل میں بھی برتنا سزاوار ہے۔ اتنا کہہ پولی زینہ نے گریبان چاک کرکے اپنا سینہ کھول دیا۔ اکیلیز کا لڑکا پر تہوس قریب آیا اور منہ موڑ کر اپنی تلوار پولی زینہ کے سینہ میں اتار دی۔ خون کا ایک فوارہ اس دوشیزہ کے گورے گورے سینے سے فوراً نکلتا ہوا معلوم ہوا۔ چکرا کر زمین پر گری۔ موت کی زردی چہرے پر کھنڈی اور پولی زینہ اکیلیز کی تسکین روح کے لئے قربانی کردی گئی۔

یونان کے سرداروں نے لاش کو بے عزت کیا۔ پھر سرخ و سپید پھولوں سے لاشے ڈھک دیا۔ خوف اور نالہ و زاری کی صدائیں ہر طرف بلند تھیں۔ اسی حالت میں پفنوتوس اٹھا اور بڑی گرجتی ہوئی آواز میں اس نے یہ پیشین گوئی کی:-

"بت پرستو۔ پھولوں کے پوجنے والو اور اے ایریوسی عیسائیو جو بت پرستوں سے بھی بدتر ہو سنو میں کیا کہتا ہوں۔ یہ جو کچھ تم نے دیکھا ہے ایک رمز خداوندی ہے۔ اس واردات میں کچھ اور ہی معنی مخفی ہیں۔ وہ عورت جس نے پولی زینہ کا روپ بھرا تھا۔ حقیقت میں قربانی ہونے والی ہے۔ اور یہ قربانی اس کی خوشی اور مرضی سے خداوند یسوع مسیح کے لئے ہوگی جو قبر سے زندہ ہو کر اٹھا تھا۔"

تماشے کی عمارت سے اب سب لوگ اٹھ کر باہر نکل رہے تھے۔ پفنوتوس کسی طرح دوریان سے علیحدہ ہو کر باہر آیا۔ دوریان پفنوتوس کی پیشین گوئی پر اب تک حیرت میں تھا۔

اس تمام واقعہ کے ایک گھنٹے کے بعد پفنوتوس تائیس کے دروازہ پر کھڑا تھا۔ سکندر کے مقبرے کے قریب راقوطس کے محلہ میں جہاں صرف دولتمندوں کے مکان تھے تائیس کی عالیشان حویلی تھی۔ اس حویلی کے اندر ایک بڑا خوبصورت باغ تھا۔

جس میں جا بجا مصنوعی پہاڑ بنے تھے۔ اور ایک نہر جاری تھی جس کے دونوں طرف سایہ دار درخت تھے۔ ایک بڈھے حبشی نے جو کانوں میں سونے کے بالے پہنے تھا دروازہ کھولا اور پوچھا کہ کیا چاہیئے۔

ہفنوتوس نے جواب دیا کہ "میں تنا ئیس سے ملنا چاہتا ہوں۔ اور میرا خدا شاہد ہے کہ صرف اسی سے ملنے یہاں تک آیا ہوں۔"

ہفنوتوس اس وقت نیکیاس کی دی ہوئی زرق برق عبا پہنے تھا۔ اور اس کی آواز پر بھی امارت برستی تھی۔ اس لئے غلام نے اس کو مکان کے اندر آنے دیا اور کہا:—

"تنا ئیس اس وقت جل پریوں والے گوشے میں تشریف رکھتی ہیں۔ آپ وہیں ان سے ملاقات کر سکتے ہیں۔"

قصّب البردی

تائیس مفلس ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوئی جو آزاد تھے کسی کے غلام نہ تھے۔ بُت پرستی ان کا مذہب تھا۔ تائیس کے بچپن ہی سے اس کا باپ ایک سرائے کا مالک تھا جو شہر کے قمری دروازے کے قریب واقع تھی۔ اس میں اسکندریہ کے ملّاح اکثر آمد و رفت رکھتے تھے۔ بچپن کی بعض باتیں تائیس کے دل پر ایسی نقش تھیں جن کو وہ کبھی بھول سکتی تھی۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ اس کا باپ سرائے کے ایک گوشے میں آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے۔ بھاری بھرکم چُپ چاپ سا آدمی تھا۔ اور صورت ایسی تھی کہ دیکھ کر دوسروں کے دل میں خوف پیدا ہو۔ اس کا یہ انداز فراعنہ قدیم میں سے ایک فرعون کا سا تھا جس کو شہر کے چوراہوں پر اندھے فقیروں کی شکوہ آمیز صدائیں اب تک یاد دلایا کرتی تھیں۔ تائیس کو یہ بھی یاد تھا کہ اس کی دُبلی سوکھی غمزدہ ماں ایک بھوکی بلّی کی طرح چیختی چلاتی آنکھیں چمکاتی سارے گھر میں اِدھر کی اُدھر ماری ماری پھرا کرتی تھی۔ لوگوں میں مشہور تھا کہ وہ جادو گرنی ہے اور رات کو اپنے یاروں سے ملنے کے لئے اُلّو بن جاتی ہے۔ مگر یہ جھوٹ بات تھی۔ تائیس خوب جانتی تھی کہ اُس کی ماں کو جادو سے کچھ سروکار نہ تھا۔ لالچ اس کے مزاج میں البتہ اس قدر تھا کہ دن میں جو کچھ آمدنی ہوتی رات بھر بیٹھی اُس کا حساب کیا کرتی۔ غرض ایک بے پروا باپ اور لالچی ماں نے بیٹی کی کچھ خبر نہ رکھی اور آزاد کر دیا کہ جانوروں کی طرح یہ بھی اپنا کوئی طرز زندگی پیدا کرلے۔ ابھی بچّہ ہی تھی کہ شرابی ملّاحوں کی جیبوں سے پیسے نکال لینے میں خوب مشاق ہوگئی۔ گندے گندے گیت گا کر

ان کو خوش کرتی حالانکہ ایک لفظ بھی ان کا وہ نہ سمجھتی تھی۔ کبھی ایک ملّاح کی گود میں جا بیٹھتی کبھی دوسرے ملّاح کے گھٹنے پر چڑھ بیٹھتی۔ شرابی نشے میں اسے پیار کرتے اور ان کے مے آلودہ لبوں سے اس کے گال چپ چپا جاتے۔ کبھی ان کی ڈاڑھیوں کے سخت بالوں سے اس کے کلّوں پر کھرنچیں لگ جاتیں۔ مگر اسی حالت میں ان کی کمر سے پیسے نکال بھاگ جاتی اور گھر سے نکل کر شہر کے دروازے میں جو ایک بڑھیا شہد بیچا کرتی تھی اُس سے شہد لے کر چاٹا کرتی۔ سرائے میں روز یہی کیفیت رہا کرتی۔ ملّاح نشے کی ترنگ میں بڑے جوش و خروش سے سمندر کے خطروں اور طوفانوں کا حال بیان کرتے۔ کبھی جوا کھیلتے کبھی کالیاں دے دے کر شراب مانگتے۔

شرابیوں میں رات کو ایسی لڑائیاں ہوتیں کہ تائیس سوتے سوتے چونک پڑتی۔ کھانے کی میز پر کیکڑوں کی ہڈیاں جو پڑی رہ جاتیں اُن کو اُٹھا کر ایک شرابی دوسرے شرابی کی طرف زور سے پھینکتا۔ اور اس نشانے بازی میں ان کے چہرے زخمی ہو جاتے۔ بعض وقت آپس میں چھری چل جاتی۔ اور یہ لڑکی چراغوں کے پاس چھریوں کی چمک دیکھ کر ڈر جاتی۔ اور شرابی زخموں سے لہولہان ہو جاتے۔

بچپن میں اگر حقیقت میں کوئی اچھا اور نیک بخت آدمی تائیس کو ملا تو وہ احمر تھا۔ اس کے سامنے یہ لڑکی سب شوخیاں بھول کر بڑی عاجز و مسکین بن جاتی۔ احمر اس گھر کا غلام نوبیہ کا رہنے والا تھا اور اس کا رنگ ان پتیلیوں کے پیندوں سے بھی زیادہ سیاہ تھا جن کے مانجھنے کی خدمت اس کے سپرد تھی۔ تائیس کے لئے وہ ایسی ہی آرام کی چیز تھا جیسے اندھیری رات ہو جس میں خوب لطف کی نیند آئے۔ وہ اکثر اس بچی کو اپنے گھٹنوں پر بٹھا کر کہانیاں سنایا کرتا۔ ان میں ایسے زرپرست بادشاہوں کا حال ہوتا جنہوں نے اپنے خزانے رکھنے کے لئے بڑے بڑے سنگین تہ خانے بنوائے تھے اور جب وہ بن چکے تو بنانے والوں کو قتل کر دیا۔ بعض کہانیوں میں چوروں کا حال ہوتا جنہوں نے بادشاہوں کی بیٹیوں سے بیاہ کیا۔ اور ان پرانی کسبیوں اور بیسواؤں کا ذکر بھی ہوتا جنہوں نے مصر کے اہرام تعمیر کرائے تھے۔

تائیس کو بچپن میں احمس سے ایسی محبت تھی جیسے کوئی لڑکی اپنے ماں باپ یا کھلائی سے محبت کرے۔ ہر وقت اس کو چمٹی رہتی تھی۔ اگر احمس شراب کے مٹکوں والی اندھیری کوٹھری میں جاتا تو اس کے ساتھ ہوتی۔ اگر صحن میں چھری چمکاتا کسی مرغی کو پکڑنے دوڑتا اور مرغیاں اِدھر اُدھر پھڑپھڑاتی پھرتیں تو اس تماشے میں بھی تائیس اس کے پیچھے پیچھے لگی رہتی۔ رات کو سب کاموں سے فارغ ہو کر جو وقت سونے کے لئے ملتا اس میں بھی احمس آرام نہ کرتا۔ بلکہ پھونس کے بچھونے پر بیٹھا تنکوں کی چھوٹی چھوٹی پن چکیاں اور جہاز مع ساز و سامان کے تائیس کے کھیلنے کے لئے بنایا کرتا۔

تائیس کے باپ نے اس غلام پر بڑے بڑے ظلم کئے تھے۔ ایک کان تو پہلے ہی اڑا دیا تھا اور اب بدن پر مار کے بیسیوں نشان رہا کرتے تھے۔ باوجود اس کے احمس کے چہرے پر ایک اطمینان اور بشاشت برستی تھی۔ کوئی شخص اس سے یہ نہ پوچھتا تھا کہ یہ اطمینان اور خوشی اسے کیونکر میسر رہتی ہے۔ طبیعت اس کی بالکل معصوم بچوں کی سی تھی۔ جب گھر کا کام کاج کرتا ہوتا تو گرجاؤں میں جو گیت خدا کی تعریف میں گائے جاتے تھے ان کو کرخت آواز سے گاتا رہتا۔ احمس حقیقت میں عیسائی تھا۔ اسے اصطباغ مل چکا تھا۔ عیسائیوں کے مذہبی جلسوں میں اس کا نام طیدور لیا جاتا تھا۔ رات کو چھٹی کا وقت ان ہی جلسوں میں صرف کیا کرتا۔

یہ زمانہ مصر میں عیسائیوں کے لئے بڑی گردش اور آزمائشوں کا تھا۔ بت پرست شہنشاہِ وقت کے حکم سے ان کے اکثر گرجا ڈھا دئے گئے۔ انجیلیں جلا کر اور کلیسیا کے شمع دان اور قیمتی ظروف سب آگ میں ڈال کر گلا دئے گئے تھے۔ جب عیسائیوں کی ایسی چیزیں جنہیں وہ اپنی عزت و وقار کا باعث سمجھتے تھے غارت کر دی گئیں تو پھر ان کو سوائے موت کے اور کسی بات کا انتظار نہ رہا۔ اسکندریہ کے عیسائیوں کی حالت بھی سخت خوف و خطرے کی تھی۔ یہ لوگ ڈر سے سہمے ہوئے آپس میں چپکے چپکے کہا کرتے کہ ایذا رسانی کے ہولناک آلے۔ تازیانے۔ شکنجے۔ وحشی درندے جمع کئے جا رہے

ہیں کہ پادریوں اور عیسائیوں کی کنواری لڑکیوں کو اذیتیں دے کر ہلاک کیا جائے یا انہیں درندوں سے پھڑوا ڈالا جائے۔ یہی حالت خوف و ہراس ہر طرف سب پر طاری تھی کہ مقدس انطونی جس کی عبادت و ریاضت کا شہرہ عام تھا کوہ کلزین سے اُترا اور اسکندریہ میں اس تیزی سے پہنچا جیسے پہاڑ کی چوٹی سے عقاب جھپٹ کر نیچے آئے۔ اور مصری عیسائیوں کے گرجاؤں میں جا کر لوگوں میں دین کی حمایت کا وہی جوش پیدا کر دیا جو خود اس کے دل میں تھا۔ بُت پرستوں کو وہ نظر نہ آسکا مگر عیسائیوں میں اس نے وہ قوت اور احتیاط پیدا کر دی جو خود اس میں موجود تھی۔ عیسائی غلاموں پر سخت ظلم ہو رہے تھے۔ بہت لوگ ایسے تھے جنہوں نے جان و مال کے خوف سے عیسائی مذہب ترک کر دیا تھا۔ ہزارہا لوگ وہ تھے جو شہر چھوڑ کر صحرا میں اس لئے چلے گئے کہ یا تو خدا کی یاد میں زندگی کے دن کاٹیں یا قزاقی کا پیشہ اختیار کریں۔ احمس اس زمانہ میں بھی حسب معمول عیسائیوں کے مذہبی جلسوں میں شریک ہوتا رہا۔ عیسائی قیدیوں سے قید خانے میں جا کر ملتا۔ اور جو مسیحی قتل کر دئے جاتے اُن کو دفن کرتا۔ اور خوش ہو ہو کر اپنے مسیحی دین کا سب کے سامنے اظہار کرتا۔ انطونی نے احمس کی دینی خدمتوں پر نظر کی اور صحرا کو واپس جانے سے پہلے وہ اس حبشی غلام سے بغلگیر ہوا اور سلامتی دینے کے لئے اس کا بوسہ لیا۔

تائیس کی عمر جب سات برس کی ہوئی تو ایک دن احمس اس سے خدا کی باتیں اس طرح کہنے لگا:۔

"خداوند خدا۔ آسمان پر اس طرح رہتا تھا جیسے حریم کے خیموں میں اور باغوں کے درختوں کے نیچے مصر کے پرانے بادشاہ رہا کرتے تھے۔ وہ قدیموں میں سب سے قدیم اور زمین و آسمان سے بھی زیادہ پرانا تھا۔ اس کا ایک اکلوتا بیٹا تھا جس کا نام شہزادہ یسوع تھا۔ خدا کو وہ دل سے عزیز تھا۔ اور اس کا حُسن و جمال فرشتوں اور دوشیزہ لڑکیوں سے بھی بڑھ کر تھا۔ اور خدا نے شہزادہ یسوع سے کہا:۔

میرے حریم اور میرے محلّوں سے۔ میرے خرمے کے درختوں اور میرے باغ کے چشموں سے رخصت ہو۔ اور آدمیوں کی بھلائی کے لئے نیچے دُنیا میں جا۔ وہاں پہلے تو ایک بچے کی مثال ہوگا اور مسکینوں میں ایک مسکین کی طرح رہے گا۔ مصیبت تیری روز کی روٹی ہوگی اور تیرے آنسو اتنے ہونگے کہ ان سے دریا بہ نکلیں گے جن میں تھکے ہارے غلام نہا دھو کر خوش ہونگے۔ اے میرے فرزند جا!"

"شہزادہ یسوع نے خدا کے اس حکم کو مانا۔ اور وہ اس دُنیا میں آیا اور یہودیہ کے مقام بیت اللحم میں آسمان سے اُترا اور میدانوں میں چلا جن پر پھولوں کا فرش تھا۔ اور اپنے ساتھ والوں سے اس نے کہا:-

"مبارک ہیں وہ جو بھوکے ہیں کیونکہ وہ میرے باپ کے ساتھ کھانے بیٹھیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو پیاسے ہیں کیونکہ آسمان کے چشموں سے وہ پانی پئیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو روتے ہیں کیونکہ ان کے آنسوؤں کو میں خشک کرونگا حریر کے پارچوں سے جو مصر کی ناچنے والیوں کی نقابوں سے بھی زیادہ نازک و نرم ہونگے!"

"یہ باتیں سنکر مفلسوں کو یسوع سے بہت محبت ہوگئی اور اس پر وہ ایمان لے آئے۔ لیکن مالداروں نے اس سے نفرت کی اور ڈرے کہ کہیں یسوع مفلسوں کو ان پر غالب نہ کر دے۔ اس زمانہ میں مصر کی ملکہ کلابطرہ اور روما کے قیصر کو زمین پر ہر طرح کی قدرت حاصل تھی۔ مصر کی ملکہ کے حکم سے شام کے حاکموں نے ایک اونچے پہاڑ پر صلیب کھڑی کی اور اس پر یسوع کو ہلاک کیا۔ پھر عورتوں نے اس کی لاش کو غسل دیا اور اس کو دفن کیا۔ پھر شہزادہ یسوع اپنی قبر کا پتھر ہٹا کر اپنے باپ خدا کے پاس آسمان پر چلا گیا!"

"اس وقت سے جتنے آدمی یسوع پر ایمان رکھتے ہوئے مرتے ہیں وہ آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ اور خداوند خدا ہاتھ بڑھا کر ان سے کہتا ہے "مبارک ہے تمہارا آنا۔ کیونکہ تم میرے فرزند سے محبت رکھتے ہو۔ آؤ۔ نہاؤ۔ اور کھاؤ!"

"اور جب عرش کے چشموں پر وہ نہائیں گے تو گانے کی آوازیں وہ سُنتے رہینگے

اور جب وہ کھانے بیٹھیں گے تو حوریں ان کے سامنے رقص کرتی نغمے اور داستانیں سُناتی ہونگی۔ خداوندِ خدا ان کو اپنی آنکھوں کے نور سے زیادہ عزیز رکھے گا۔ اور چونکہ وہ اس کے مہمان ہونگے اس لئے خدا کے باغ سے ان کو انگور اور انار دئے جائیں گے۔"

احمس اکثر ایسی باتیں سُنا کر تائیس کو حق سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ تائیس ان باتوں کو سُن کر خوش ہوتی اور کہتی کہ

"انار تو میں ضرور کھاؤنگی۔"

احمس جواب دیتا کہ:۔

"آسمان کے میوے صرف انہی کو چکھنے کو ملتے ہیں جنہیں مسیح کے نام سے اصطباغ دیا گیا ہو۔" یہ دیکھ کر کہ تائیس کو مسیح کی برکت اور وسیلہ سے نجات کی اُمید ہے احمس اور بھی شوق و توجہ سے اس لڑکی کو عیسائی مذہب کی باتیں سکھاتا تاکہ اصطباغ پاتے ہی وہ گرجا میں داخلہ کی مستحق ہو جائے۔ اس طرح تائیس اپنے غلام احمس کی روحانی بیٹی بن کر اور بھی اس سے محبت کرنے لگی۔

تائیس کو ماں باپ کی بے انصافیوں سے ایسی نفرت ہو گئی تھی کہ جہاں وہ سوتے تھے وہاں یہ سوتی بھی نہ تھی بلکہ گھر کے اصطبل میں ایک کونے میں پھونس بچھا کر رات کو پڑ رہتی۔ اور احمس گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر اس کے پاس چلا آتا۔

تائیس کے بچھونے کے پاس چُپکے چُپکے آ کر زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتا۔ اس کے بدن اور چہرے کی سیاہی اس بلا کی تھی کہ اندھیرے میں پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ کدھر بیٹھا ہے۔ البتہ آنکھوں کی سفیدی تاریکی میں ایسی نظر آتی جیسے کسی دروازے کی جھری سے صبح کی روشنی چھنتی ہو۔ بات چیت میں اس کے لہجے میں اُن پرورد اور شیریں نغموں کا سا سوز و گداز ہوتا تھا جو شام کے وقت اکثر گلی کوچوں میں سنائی دیا کرتے تھے۔ اور جب رات کے وقت تائیس کے بستر کے قریب وہ انجیل گا گا کر پڑھتا تو کبھی کبھی کسی بیل یا گدھے کی آواز بھی تاریک روحوں کے طائف کی مثل اس

غریب غلام کی لَے میں لَے ملانے لگتی۔ مگر احمس کی آواز جوشِ عقیدت اور اُمیدِ رحمت سے لبریز تاریکی سے نکل کر ہر طرف پھیلتی۔ اور اس عالمِ عبرت میں کہ گُھپ اندھیری رات اور مسیحی اولیاء کے اسرار ہر طرف چھائے ہوتے تائیس نصرانیت کی نو آموز لڑکی احمس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر اور اس کے مُنہ سے پاک لوریاں سُن کر اپنے تخیّل کی دُھندلی دُھندلی صورتیں دیکھتی ہوئی مُسکراتی صورت سے میٹھی نیند سو جایا کرتی اور آسمان کا ایک چمکتا تارا چھت کی ایک جھری سے اس معصومہ کے چہرے پر اپنی روشنی ڈالتا۔

احمس اسی طرح اس لڑکی کو ایک سال تک عیسائی مذہب کی تلقین کرتا رہا۔ یہاں تک کہ عیدِ فسح کا زمانہ آیا۔ اس عید میں عیسائی سات دن تک بڑی خوشیاں منایا کرتے تھے۔ ان ہی دنوں میں ایک رات سوتے سوتے تائیس کی آنکھ کُھلی، دیکھا کہ احمس اسے اپنی گود میں اُٹھا رہا ہے۔ آج اس کی آنکھوں میں کچھ عجیب چمک ہے اور معمول کی طرح پھٹے پُرانے کپڑے بھی اس کے بدن پر نہیں ہیں بلکہ ایک بہت سفید لمبا جبّہ پہنے ہے اور کہتا ہے :-

"آ میری پیاری - آ میری آنکھوں کی روشنی۔ آ میری ننّھی سی جان - تجھے اصطباغ کا پیرہن پہناؤں"

اتنا کہہ تائیس کو گود میں اُٹھا اور اپنے جبّہ کے دامن سے اُسے اچھی طرح ڈھک گلے سے لگا کہیں جانے لگا۔ تائیس بچّہ تھی - ڈرتی بھی تھی اور ہر چیز کے دیکھنے کا شوق بھی تھا۔ کپڑے سے مُنہ تو باہر نکال لیا تھا لیکن احمس کے گلے میں باہیں ڈال کر خوب زور سے لپٹ گئی تھی۔ اسی حالت میں احمس اندھیری گلیوں میں چلتا رہا۔ یہودیوں کے محلّے سے گزر ہوا۔ پھر ایک قبرستان کے پاس سے نکلا - اور یہاں ایک مُردہ خور جانور کی منحوس آواز سُنی۔ چوراہوں پر دیکھا کہ صلیبیں گڑی ہیں اور مُجرم ان پر میخوں میں ٹھکے ہوئے لٹک رہے ہیں۔ اور ان کے بازوؤں پر کوّے بیٹھے بسیرا لے رہے ہیں۔ یہ چیزیں دیکھ کر تائیس نے احمس کے کپڑوں میں

منہ چھپا لیا۔ اور پھر منہ باہر نہ نکالا۔ دفعتاً اسے معلوم ہوا کہ احمس کہیں نیچے زمین کے اندر اتر رہا ہے۔ تائیس نے اپنا منہ کھولا۔ اور دیکھا کہ وہ ایک تنگ اور لمبے سے کمرے میں ہے۔ اور اس میں بہت سی مشعلیں روشن ہیں۔ دیواروں پر قدِ آدم تصویریں بنی ہیں جو مشعلوں کے دھوئیں میں حرکت کرتی معلوم ہوتی ہیں۔ یہ سب تصویریں مردوں کی ہیں مگر وہ بڑی نیچی نیچی عبائیں پہنے ہیں۔ ہاتھوں میں کھجور کے پتے ہیں اور ادھر اُدھر بھیڑوں کے بچے۔ قمریاں اور انگور کی بیلیں بنی ہیں۔

ان تصویروں میں تائیس نے ناصرہ کے یسوع کو پہچان لیا کیونکہ اس کے قدموں کے پاس پھول کھلے تھے۔ کمرے کے بیچ میں ایک سنگین حوض تھا جو اوپر تک پانی سے بھرا تھا۔ اور اس کے پاس ایک بڈھا پادری سر پر پادریوں کی ٹوپی رکھے اور ایک سُرخ رنگ کا کُرتا پہنے جس پر زری کا کام تھا کھڑا تھا۔ اس کی ڈاڑھی بہت گھنی تھی۔ گو لباس بہت بارُعب تھا مگر پادری کی صورت پر نرمی اور شرافت برستی تھی۔ اس بڈھے پادری کا نام ویوانتوس تھا۔ یہ افریقہ کے شہر کابرنی کا کسی زمانہ میں اسقف اکبر تھا۔ مگر جب وہاں سے جلا وطن کیا گیا تو اسکندریہ میں چلا آیا اور یہاں جُلاہے کا پیشہ اختیار کیا۔ بھیڑ بکریوں کے بالوں کا موٹا جھوٹا کپڑا بنا کرتا تھا۔ دو بہت مفلس بچے اس کے پاس کھڑے تھے۔ اور قریب ہی ایک حبشن ہاتھ میں ایک سفید کُرتا لئے موجود تھی۔ تائیس کو گود سے اُتار کر احمس نے اسقف کو تعظیم دی اور کہا۔ "یا ابی۔ یہی وہ چھوٹی سی جان میری روحانی بیٹی ہے۔ اسے آپ کے پاس لایا ہوں کہ اگر مناسب ہو تو اس وقت حسبِ وعدہ اس کو اصطباغ دیں۔"

اتنا سُن کر اسقف نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ معلوم ہوا کہ اس کی انگلیاں کٹی ہوئی ہیں۔ جس زمانہ میں عیسائیوں پر ظلم ہو رہے تھے تو بُت پرستوں نے اقرار نصرانیت کے جُرم میں اس پادری کی انگلیاں کاٹ ڈالی تھیں۔ تائیس کٹی ہوئی انگلیاں دیکھ کر ڈری اور دوڑ کر احمس کو چمٹ گئی۔ لیکن پادری نے اس سے ایسی پیار کی باتیں کیں کہ تائیس کا ڈر نکل گیا۔ اب پادری اس لڑکی سے کہنے لگا:۔

"پیاری بیٹی۔ ڈرو نہیں۔ اس دنیا میں احمس تیرا روحانی باپ ہے جسے ہم مسیح پر ایمان رکھنے والے طیدور کہتے ہیں اور اس روحانی باپ کے علاوہ تیری ایک روحانی ماں بھی ہے جس نے تیرے لئے ایک سفید پیرہن اپنے ہاتھوں سے تیار کیا ہے۔"

پادری نے اب حبشن بڑھیا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اس کا نام نی تیدا ہے۔ اس دنیا میں وہ ایک لونڈی ہے لیکن آسمان پر یسوع اس کو اپنی دلہن بنائے گا۔" پھر پادری نے ناتھیس سے سوال کیا۔ "ناتھیس بتاؤ۔ تم خدا پر جو قادر مطلق ہے اور اس کے اکلوتے بیٹے پر جس نے ہماری نجات کے لئے اپنی جان دی اور ان سب باتوں پر جو رسولوں نے سکھائیں ایمان رکھتی ہو۔"

احمس اور حبشن نے جو ناتھیس کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے جواب دیا۔ "ہاں۔"

اب پادری کے کہنے پر حبشن نے جھک کر ناتھیس کے سب کپڑے اتار ڈالے۔ سوائے گلے کے تعویذ کے بدن پر کچھ نہ رہا۔ پھر پادری نے اس لڑکی کو تین مرتبہ اصطباغ والے حوض میں غوطہ دیا۔ ملازموں نے تیل اور نمک پیش کیا، پادری نے ناتھیس کے بدن پر تیل ملا۔ اور نمک کی ایک کنکری اس کے منہ میں دی۔ پھر اس کے جسم کو خشک کر کے جس کے مقدر میں بڑی بڑی آزمائشوں کے بعد ازلی زندگی لکھی تھی بڑھیا حبشن نے اس کو سفید پیرہن جس کا کپڑا اس نے خود بنا تھا پہنایا۔

پادری نے پھر سب کو دعا دے کر ایک ایک کا بوسہ لیا۔ اور جب رسم ختم ہوئی تو اس نے وہ ٹوپی اور چغہ جو اصطباغ کے وقت پہنا تھا اتار دیا۔ اور جب سب لوگ کمرے سے باہر نکلے تو احمس نے کہا:۔

"آج ہم سب کو خوش ہونا چاہیے کیونکہ آج ہم نے ایک روح خداوند کو نذر دی ہے۔ پادری دیوانتوس اگر اجازت ہو تو ہم سب آپ کے گھر چلیں اور جتنی رات رہ گئی ہے اس میں خوشیاں منائیں۔"

پادری نے کہا۔ "بہت مناسب ہے۔"

[illegible]

پورے گھر سے مراد صرف ایک کمرہ تھا جس کے سامان میں ایک پُرانے قالین کا ٹکڑا۔ ایک بڑی میز اور دو کرسیاں رکھے تھے۔ اندر پہنچ کر احمس نے کہا:۔

"نی تیبدا۔ ذرا تیل کی ہنڈیا اور کڑاہی تو اٹھا لاؤ کہ کچھ پکائیں اور مزے لے لے کر کھائیں"

یہ کہہ کر احمس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور چند چھوٹی چھوٹی مچھلیاں جن کو معلوم نہیں کب سے چھپا رکھا تھا نکالیں۔ آگ جلائی اور کڑاہی میں مچھلیاں تلنی شروع کیں۔ جب مچھلیاں تیار ہوگئیں تو پادری اور دونوں غریب لڑکے تائیس احمس اور حبشن حلقہ باندھ کر زمین پر بیٹھے مچھلیاں کھاتے اور خدا کا شکر کرتے جاتے تھے۔

دیوانتھوس نے پھر وہ شدید ایذائیں اور عقوبتیں بیان کیں جو دین کے لئے اس نے اپنے اوپر برداشت کی تھیں اور یہ خوشخبری دی کہ کلیسا عنقریب اپنے دشمنوں پر فتح پانے والا ہے۔ پادری کی زبان گو کرخت تھی لیکن اسکی تقریر میں عجیب تمثیلیں موجود تھیں۔ نیک بندوں کی زندگی کو اس نے ارغوانی کپڑے سے تشبیہ دی۔ اور اصطباغ کی اصلیت اس طرح بیان کی:۔

"روح القدس پانی کے اوپر چلا کرتی تھی۔ اسی وجہ سے عیسائیوں کو پانی سے اصطباغ دیا جاتا ہے۔ لیکن ندیوں میں شیاطین بھی رہتے ہیں اور بعض چشمے پریوں کی وجہ سے متبرک خیال کئے جاتے ہیں مگر ان سب سے ڈرنا چاہیئے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ خاص خاص پانی مختلف امراض جسمانی اور روحانی پیدا کرتے ہیں"

کبھی کبھی یہ پادری معمّوں میں گفتگو کرتا اور اس کی باتیں پہیلیاں معلوم ہوتیں۔ ایسی باتیں سن کر تائیس دل ہی دل میں پادری کی تعریف کرتی۔ کھانا ختم ہونے کے بعد پادری نے تھوڑی سی شراب اپنے مہمانوں کو دی۔ شراب پیتے ہی سب کی زبانیں کھل گئیں اور سب مل کر خدا کی تعریف کے گیت گانے لگے۔ احمس اور نی تیبدا نے کھڑے ہو کر حبشیوں کا ایک ناچ جو انھوں نے بچپن میں سیکھا تھا

ناچنا شروع کیا۔ یہ ناچ وہ تھا جو اُن کی قوم میں جب سے دُنیا پیدا ہوئی تھی ایک ہی طریقہ سے ناچا جاتا تھا۔ یہ پیار اور محبت کا رقص تھا جس میں ہاتھوں اور باقی جسم کو اس طرح حرکت دی جاتی تھی کہ دونوں ناچنے والے کبھی ایک دوسرے کا تعاقب کرتے کبھی ایک دوسرے سے گریز کرتے معلوم ہوتے تھے۔ کبھی کبھی وہ دیدے مٹکاتے تھے اور جب ہنستے تھے تو دانت خوب ہی چمکتے تھے۔

اس طرح تائیس کی رسم اصطباغ ختم ہوئی۔

تائیس کھیل تماشے بہت پسند کرتی تھی۔ جوں جوں بڑی ہوتی گئی دل میں طرح طرح کے بُرے شوق پیدا ہونے گئے۔ گلیوں میں جو لڑکے آوارہ پھرتے تھے اُن کے ساتھ دن دن بھر ناچا گایا کرتی۔ اور اُسی طرح ناچتی ہوئی گھر واپس ہوتی۔

اب اس کو احمس کی جگہ لڑکوں اور لڑکیوں کی صحبت زیادہ پسند تھی۔ اور یہ خیال تک اُسے نہ آتا کہ احمس اب اس کے پاس بہت کم آتا ہے۔ عیسائیوں پر ظلموں کا سلسلہ کچھ عرصے سے بند ہو گیا تھا۔ اور ان کی مذہبی مجلسیں باقاعدہ ہونے لگی تھیں۔ ان سب میں یہ حبشی غلام ضرور شریک ہوتا تھا۔ اس کا مذہبی جوش بہت بڑھتا گیا۔ کبھی کبھی ایسے کلمے مُنہ سے نکالنے لگا کہ دولتمندان کو ایک قسم کی دھمکیاں سمجھے۔ ایک موقعہ پر کہہ اُٹھا کہ اب مالدار اپنے مال پر قبضہ نہ رکھ سکیں گے۔ جہاں جہاں اس عیسائی جمع ہوا کرتے وہاں پہنچتا اور وہیں ایسے تنگ دست عیسائیوں کو بھی بُلا لاتا جو سڑک کے کنارے دیواروں کے سایہ میں خستہ حال پڑے سوتے ہوتے۔ وہ پھر سب سے کہتا۔ "گھبراؤ نہیں جتنے غلام ہیں سب آزاد ہونے والے ہیں۔ انصاف کا دن قریب آ گیا ہے"۔ ایک دن کہنے لگا۔

"خدا کی بادشاہت میں جس وقت غلام اچھی اچھی شرابیں اور شیریں میوے کھاتے ہونگے اس وقت مالدار اُن کے قدموں کے نیچے پڑے کتوں کی طرح ان غلاموں کا مُنہ تکینگے کہ کوئی ٹکڑا ان کے ہاتھ سے گرے اور وہ اسے نگل جائیں"۔

الیسی باتیں بھلا کب چھپی رہتیں۔ سارے شہر میں ان کی شہرت ہو گئی اور آقاؤں

کو ڈر ہوا کہ کہیں ان کے غلام ایسی باتیں سن کر ان سے باغی نہ ہو جائیں۔ احمس کا آقا بھی دل میں اس کا دشمن تھا۔ مگر کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتا تھا۔

ایک دن ایک چاندی کا نمک دان جو دیوتاؤں کی پوجا کے وقت کام میں آتا تھا مسراتے سے چوری گیا۔ اس بنا پر کہ احمس اپنے آقا کا بدخواہ ہے اور سلطنت کے دیوتاؤں سے بھی نفرت رکھتا ہے اس پر چوری کا الزام لگایا گیا۔ اس الزام کا مطلق کوئی ثبوت نہ تھا۔ احمس نے بھی اس حرکت سے قطعی انکار کیا مگر کسی نے نہ سنا اور اُسے پکڑ کر عدالت میں لے گئے۔ چونکہ ہر شخص سمجھتا تھا کہ وہ ایک ذلیل غلام ہے حاکم نے بھی ایسا ہی سمجھ کر اس کو سزائے موت کا حکم سنا دیا اور کہا:-

"تمہارے ہاتھ جن سے تم نے اچھے کام نہیں کئے صلیب پر رکھ کر ان میں لوہے کی میخیں ٹھونکی جائیں گی۔"

احمس نے اس حکم کو بالکل اطمینان سے سنا۔ اور سن کر نہایت ادب سے حاکم کو سلام کیا۔ اس کے بعد سپاہی اس کو قید خانے لے گئے۔ تین دن وہ وہاں رہا۔ اور اس زمانے میں قیدیوں کو انجیل سناتا رہا۔ چنانچہ بعد کو مشہور ہوا کہ احمس کے کلام میں ایسا اثر تھا کہ نہ صرف قیدی بلکہ قید خانے کا داروغہ بھی مسیح مصلوب پر ایمان لے آیا۔

چوتھے دن اس حبشی غلام کو اس چوراہے پر لے گئے جہاں سے وہ دو برس پہلے اپنی پیاری تائیس کو گود میں لئے گذرا تھا۔ جس وقت اس کے ہاتھوں میں لوہے کی میخیں ٹھونکی گئیں تو اس کے منہ سے اُف تک نہ نکلی۔ البتہ بعد کو کئی مرتبہ اتنا ضرور کہا "میں پیاسا ہوں۔"

یہ سزا تین دن اور تین رات تک جاری رہی۔ یہ باور کرنا کہ اتنی مدت تک ایسی سخت اذیت کو انسان کیونکر برداشت کر سکتا ہے ناممکن ہے۔ کئی مرتبہ لوگ سمجھے کہ وہ ختم ہو گیا۔ مکھیوں نے آنکھوں پر خون کی بوٹیاں بنا دیا تھا۔ مگر پھر بھی بعض وقت یہ خون آلودہ آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ چوتھے دن صبح کے وقت وہ مسکرا

اور کہنے لگا۔

"دیکھو یہ آئے خدا کے فرشتے۔ یہ مسرت لئے شراب اور میوے لائے ہیں۔ ان کے پروں کی ہوا کیسی روح پرور ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ جاں بحق ہوا۔

احمس کے مردہ چہرے پر ایک روحانی مسرت پائی جاتی تھی۔ سپاہی جو صلیب کے گرد پہرہ دے رہے تھے اس کی تعریفیں کرتے تھے۔ پادری دیو انتوس چند عیسائیوں کو ساتھ لئے لاش مانگنے آیا۔ اور لاش لے کر یوحنا شہید کی قبر کے پاس اس کو دفن کر دیا۔ اور اس نیک غلام کو احمس کے نام سے نہیں بلکہ طیبدور نوبی شہید کے لقب سے کلیسا نے نہایت احترام کے ساتھ ہمیشہ یاد رکھا۔

اس واقعہ کے تین برس بعد جب شہنشاہ قسطنطین نے اپنے حریف مقابل مازن تیوس کو شکست دی۔ تو تمام عیسائیوں سے کہا گیا کہ سلطنت قیصری میں انکی جان و مال کو بالکل حفاظت و سلامتی میسر رہے گی۔ اس وقت سے عیسائیوں پر بت پرستوں کے ظلم بند ہوئے۔ اس کے بعد ان پر اگر کوئی سختی ہوئی بھی تو وہ اپنے ہی مذہب کے اہل بدعت کی طرف سے ہوئی۔

جس وقت احمس اذیت کے ساتھ صلیب پر ہلاک ہوا تھا اس وقت تائیس کا سن گیارہ برس کا تھا۔ اس کی روحانی تعلیم ابھی تک ان بات کے سمجھنے کے لئے کافی نہ تھی کہ احمس نے جس طرح اپنی زندگی بسر کی یا جس طریقے سے اس کی موت کا واقعہ پیش آیا ان دونوں باتوں نے اب احمس کو ایک مبارک ہستی بنا دیا ہے بلکہ تائیس کی چھوٹی سی سمجھ میں یہ بات آئی کہ دنیا میں نیک رہنے کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ چونکہ اس کا نازک جسم تکلیف نہ اٹھا سکتا تھا اس لئے وہ نیکی سے ڈرنے لگی۔

تائیس ابھی پوری جوانی کو بھی نہ پہنچی تھی کہ بندرگاہ کے بہت سے جوان لڑکے اس کے عاشق بن بیٹھے۔ اچھی عمر والے جو شام کے وقت شہر کے باہر چکر لگایا

کرتے تھے۔ تائیس ان کے پیچھے پیچھے جانے لگی۔ جتنا روپیہ ان سے ملتا اس سے کپڑے اور زیور خریدا کرتی۔

تائیس اپنی کمائی گھر لے جاکر ماں کو نہ دیتی تھی۔ اس لئے ماں اس کو خوب مارتی پیٹتی تھی۔ اس مار پیٹ سے بچنے کے لئے وہ ننگے پاؤں بھاگ کر شہر کی فصیل پر پہنچتی اور وہاں کسی ٹوٹی دیوار کی آڑ میں چھپی ہوئی بیٹھتی۔ یہاں پتھروں کی جھریوں میں چھپکلیوں کو دیکھ کر ڈرا بھی کرتی۔ اس حال میں بیٹھے بیٹھے وہ ان امیرزادیوں کو رشک کی نظر سے دیکھتی جو اچھے اچھے کپڑے پہنے ڈولیوں پر سوار ادھر سے گذرا کرتیں۔ اور ایک غول نوکروں اور غلاموں کا ان کے ساتھ ہوتا۔

ایک دن جب ماں نے بہت ہی مارا تو وہ گھر سے نکل کر شہر کے دروازے میں ایک پتھر پر جا بیٹھی۔ اتنے میں ایک بڑھیا چلتے چلتے اس کے سامنے آکر رکی اور کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگی:۔

"واہ کیا پھول سی صورت ہے۔ کس غضب کا روپ ہے۔ بڑے نصیبے والا ہوگا وہ باپ جس کی تو بیٹی ہے۔ اور بڑی بھاگوان ہوگی وہ ماں جو تجھے اس دنیا میں لائی۔"

تائیس نیچی نظریں کئے چپ بیٹھی رہی۔ اس کی آنکھیں روتے روتے سرخ ہو گئی تھیں۔

بڑھیا نے پھر کہا۔ "پیاری لڑکی جس ماں نے ایسی دیبی کو گودوں پالا ہوگا کیا وہ خوش نصیب نہ ہوگی۔ کیا تیرے باپ کا دل تجھے دیکھ کر باغ باغ نہ ہوتا ہوگا۔"

تائیس نے نظر تک اونچی نہ کی اور جس طرح کوئی خود باتیں کرتا ہو کہا۔ "باپ شرابی ہے اور ماں بخیل۔"

بڑھیا نے اس خیال سے کہ کوئی دیکھتا نہ ہو پہلے دائیں بائیں نظر ڈالی۔ پھر بہت (؟) اخلاص سے کہنے لگی:۔

"پیاری نرگس - آ میرے ساتھ چل۔ پھر ناچنے اور خوش رہنے کے سوا دوسرا کام نہ ہوگا۔ میں تجھے شہد کھلایا کروں گی۔ اور میرا بیٹا تو تجھے اپنی آنکھوں پہ بٹھائے گا۔ وہ بڑا ہی خوبصورت اور نازک اندام ہے جوانی ابھی شروع ہی ہوئی ہے۔"

نائیس نے جواب دیا۔ "اچھا چلو۔" یہ کہہ کر اٹھی اور بڑھیا کے ساتھ شہر سے باہر نکلی۔

یہ بڑھیا جس کا نام میرو تھا ایک قحبہ تھی۔ غریب آدمیوں کے لڑکے یا لڑکیاں کہیں مل جاتے تو انہیں بہلا پھسلا کر اپنے گھر لے جاتی۔ اور ناچنا گانا سکھا کر انہیں امیروں کے جلسوں میں کرایہ پر چلاتی۔

یہ سمجھ کر کہ یہ لڑکی تھوڑے ہی دنوں میں بلا کا روپ نکالے گی۔ اس پر بڑی محنت کی اور سخت ظلم سے کوڑے مار مار کر اس کو گانا بجانا سکھایا اور ناچنے میں اگر کہیں تال سُر سے پاؤں باہر پڑتا تو چمڑے کے تسموں سے خبر لیتی۔ میرو کا لڑکا ایک بڑا ہی کریہہ صورت مادہ رو جوان تھا۔ اس کا برتاؤ نائیس کے ساتھ بہت بُرا تھا۔ عورتوں سے اسے نفرت تھی اور اس نفرت کے ظاہر کرنے کے لئے نائیس کو تختۂ مشق بنا رکھا تھا۔ ناچنے والیوں کو اپنا ہم پیشہ سمجھ کر ان ہی کے ناز و انداز خود بھی اختیار کر لیتے تھے۔ گونگے تماشوں میں جن میں کل مضمون اشاروں سے ادا کیا جاتا ہے وہ بڑا ہی مشتاق تھا۔ یہ فن بالخصوص عشق و محبت کی باتیں اشاروں میں کرنی اس نے نائیس کو خوب سکھا دیں۔ اور اُسے نو آموز سمجھ کر ایسی ایسی باتیں بگھارتا کہ معلوم ہو اس فن میں اس کے برابر کوئی اُستاد نہیں۔ نائیس کی خوبصورتی سے وہ بہت جلتا تھا۔ اور یہ سوچ کر کہ اس آفت روزگار نے مردوں ہی میں اپنا جوبن لٹوانے کو دُنیا میں قدم رکھا ہے کبھی اس کے گال نوچ لیتا کبھی چٹکیاں لیتا۔ اور کبھی شریر لڑکیوں کی طرح پیچھے سے آ کر سوئی چبھو دیتا۔ بہرکیف ناچنے گانے اور نقالی میں جس قدر سبق ملے انھوں نے کچھ دنوں میں نائیس کو ایک بے مثل رقاصہ و نقالہ بنا دیا۔ نائیس کو اُستاد کی سختیوں پہ کچھ تعجب نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ تکلیف کو

اس نے اپنی قسمت کا لکھا پہلے ہی سے سمجھ رکھا تھا۔ بڑھیا نائکہ کی وہ کسی قدر عزت بھی کرتی تھی۔ کیونکہ وہ گانے بجانے میں فی الواقع سب کی اُستاد تھی اور یونان کی بنی ہوئی شراب بھی خوب پیا کرتی تھی۔ اب زمانہ وہ آیا کہ یہ بڑھیا اپنی نوچیوں کو لے کر انطاکیہ کے شہر میں پہنچی۔ یہاں امیروں رئیسوں میں دن رات جلسے رہتے تھے۔ بڑھیا خوب روپیہ وصول کر کے اپنی ناچنے اور بانسریاں بجانے والیوں کو ان جلسوں میں بھیجتی۔ تائیس یہاں خوب ناچتی۔ اور ہر وقت خوش رہتی۔ بڑے بڑے باتمیز مہاجن دعوتیں کھا کر اس کو اپنے ساتھ دریا کے کنارے باغوں میں لے جاتے۔ تائیس سچی محبت کی قیمت نہ جانتی تھی۔ اس لئے سب کے لئے ہر وقت حاضر تھی۔ ایک رات کسی محفل میں بڑے بڑے رنگیلے جوانوں کے سامنے ناچ کر بیٹھی ہی تھی کہ حاکم شہر کا لڑکا جوانی و عیش پرستی میں مست اس کے قریب آیا اور ایسے لہجے میں جو ہر ادا میں بوسوں کا طلبگار معلوم ہوتے لگا:۔

"تائیس۔ پیاری تائیس۔ کیا میں تیرے سر کا تاج نہیں ہوں جو اس وقت تیری پیشانی کی زینت ہے کیا میں وہ لباس نہیں ہوں جو تیرے تن سیمین پر چست ہے کیا میں تیرے پائے نازک کی جوتی نہیں ہوں پیاری تو مجھے اس طرح پہن ڈال جیسے تیرے پاؤں پاپوش کو پہنتے ہیں۔ جی یہ چاہتا ہے کہ میرا بوس و کنار تیرے جسم کا لباس اور سر کا تاج ہو۔"

جس وقت یہ نوجوان جس کا نام لاکوس تھا یہ باتیں کہہ رہا تھا تائیس اس کا مُنہ تک رہی تھی۔ اور دل میں کہتی تھی کہ واہ کیسا خوبصورت سجیلا جوان ہے۔ دفعتاً اس کو اپنی پیشانی پر پسینہ آتا معلوم ہوا۔ چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ اُٹھی تو لڑکھڑاتی ہوئی۔ آنکھوں کے سامنے ایک غبار سا آگیا لیکن لاکوس کے ساتھ اسکے گھر جانے سے انکار کرتی رہی۔ یہاں تک کہ جب اس نے تائیس کا بازو پکڑ کر زبردستی اُٹھانا چاہا تو اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اس پر لاکوس منت و سماجت کرتے کرتے رونے لگا۔ لیکن معلوم نہیں کہ اس وقت تائیس پر کون سی نئی اور انجانی قوت اپنا عمل کر رہی

تھی کہ اس نے لالوس کی ایک کوشش کو بھی نہ چلنے دیا۔

یہ حالت دیکھ کر جلنے کے یار بول اٹھے۔"واہ ذرا اس حماقت کو تو ملاحظہ کیجئے۔لالوس خاندان کا شریف۔صورت کا اچھا۔گھر کا امیر۔پھر بھی ایک بانسری بجانے والی ناک بھوں چڑھا رہی ہے اور اس کے ساتھ نہیں جاتی۔"

لالوس اکیلا ہی اپنے گھر آیا۔ساری رات تائیس کے عشق میں تڑپ تڑپ کر کاٹی۔صبح اٹھا تو چہرہ زرد تھا۔آنکھیں سرخ تھیں۔اسی حال سے تائیس کے دروازے پر پھولوں کے گچھے لٹکانے گیا۔لیکن تائیس پر کچھ ایسا خوف طاری تھا اور وہ کچھ ایسی بے چین تھی کہ اس نے لالوس سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔تائیس کی حالت تکلیف کی تھی مگر ابھی تک یہ سمجھ میں نہ آیا تھا کہ وہ شکایت کیا ہے جس کی یہ تکلیف ہے۔اپنے دل سے پوچھتی تھی کہ "آخر مجھے ہوا کیا ہے کہ میں اس قدر بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہوں۔کیوں اس قدر افسردگی مجھ پر چھائی جاتی ہے۔"گھر میں حسب معمول عاشقوں کی بھیڑ لگی۔مگر یہ کسی سے بھی نہ ملی۔اور ان سب لوگوں سے اس کو ایک قسم کی کراہت اور ایک طرح کا خوف معلوم ہونے لگا۔تاریک خوابگاہ سے نکل کر روشنی میں آنے کو بھی جی نہ چاہا۔دن بھر بچھونے پر پڑی تکیوں میں منہ چھپائے سسکیاں لے لے کر روتی رہی۔لالوس نے کسی ترکیب سے اس کے خوابگاہ کا دروازہ کھول لیا تھا۔بار بار اس کے پاس آتا منتیں کرتا۔کبھی اس کی ہٹ پر برا بھلا کہتا۔مگر تائیس اس سے اس سے ایسی جھجکتی جیسے کوئی کنواری لڑکی غیر مرد سے جھجکے اور بار بار یہی کہتی "نہیں۔میں نہیں جاؤں گی۔ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

جب دو ہفتے اس طرح گذر لیے تو تائیس کو معلوم ہوا کہ وہ تو لالوس کو اپنا دل کبھی کا دے چکی ہے۔اب وہ بے تکلف اس کے گھر چلی گئی۔اور پھر اس سے جدا نہ ہوئی۔زندگی کے دن لطف سے کٹنے لگے۔سارا سارا دن ایک دوسرے کا منہ تکنے اور بچوں کی طرح باتیں کرنے میں گزر جاتا۔شام کو دریا کے کنارے جہاں کوئی نہ ہوتا ٹہلنے نکل جاتے۔یا کسی پھولوں سے لدے جنگل میں رستہ بھول جایا کرتے۔کبھی

صبح بہت سویرے اُٹھ کر پہاڑ کے دامن پر نرگس کے پھول چُنا کرتے۔ ایک ہی پیالے سے دونوں شراب پیتے اور کبھی تائیس انگور کا ایک دانہ اٹھا کر اپنے مُنہ میں رکھتی تو لالوس جھٹ لب سے لب ملا کر انگور اس کے مُنہ سے چھین لیتا۔

اس عیش و آرام میں ایک دن بُڑھیا نائکہ بڑی آگ بگولا بنی لالوس کے گھر آئی اور کہا۔ "بس اب تائیس کو میرے حوالے کیجئے۔ جس لڑکی کو آپ نے چھین رکھا ہے وہ تو میری جائی ہے۔ میرا گوشت پوست ہے۔ میرے باغ کا پھول ہے"

لالوس نے بہت سی اشرفیاں دے کر بُڑھیا کو رُخصت کیا۔ لیکن تھوڑے دن بعد پھر آن موجود ہوئی کہ کچھ اور وصول کرے۔ لالوس کو بہت غصّہ آیا اور اس نے فوراً اسے گرفتار کروا دیا۔ عامل شہر کو جس کے سامنے اس کا مقدمہ گیا معلوم ہوا کہ ایک ہی جُرم میں نہیں بلکہ بہت سے جُرموں میں وہ ماخوذ ہو سکتی ہے غرض اس نے اس میرو کے لئے سزائے موت تجویز کی۔ اور وہ درندوں کے سامنے ڈال دی گئی جنہوں نے اس کو فوراً پھاڑ کھایا۔

آج کل تائیس جوشِ تخیل عشق اور احساس معصومیت کے ساتھ جس پر خود حیرت کرتی تھی لالوس پر دل و جان سے فدا ہو رہی تھی۔ ایک دن بہت ہی پیار سے کہنے لگی:۔

"لالوس میں تو تمہاری ہمیشہ ہی سے تھی"

لالوس نے جواب دیا "عورتوں میں تم جیسا دُنیا میں دوسرا نہیں"

عشق کا یہ جادو چھ مہینے تک چلتا رہا۔ پھر یکلخت وہ کافور ہو گیا۔ تائیس کو دفعتہً محسوس ہوا کہ دُنیا میں کوئی بھی اس کا ساتھی نہیں۔ دل پر نظر کی تو عشق و محبت سے اسے بالکل خالی پایا۔ اب وہ لالوس کو پہچانتی بھی نہ تھی کہ یہ کون ہے۔ مگر یہ بھی سوچتی تھی کہ:۔

"میرے دل میں اس کی صورت اتنی جلد کیوں بدل گئی۔ اب مجھ کو اس میں اور اور لوگوں میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا۔ کیا بات ہوئی ہے جو مجھے وہ اپنی پہلی

صورت شکل میں نظر نہیں آتا۔"

تائیس ڈالوس کے گھر سے چلی گئی۔ مگر اتنا ارمان ضرور دل میں ٹھن گئی کہ جب اس عاشق کے ساتھ مجھے وہ پہلا سا عشق نہیں رہا تو ممکن ہے کہ آیندہ کسی شخص کے ساتھ مجھے ویسا ہی عشق پھر ہو جائے۔ ممکن ہے جس سے پہلے کبھی عشق نہ ہوا ہو اس کے ساتھ زندگی اتنی بے لطف نہ کٹے جتنی ایسے شخص کے ساتھ جس کے عشق سے دل خالی ہو چکا ہے۔ اب تائیس بڑے بڑے مالدار عیاشوں کے ساتھ بت پرستوں کے مذہبی جلسوں میں جانے لگی۔ یہاں بت خانوں میں عورتیں ننگی ناچا کرتی تھیں۔ اور رنڈیوں کے غول دریا نیل کے پار جایا کرتے تھے۔ انطاکیہ کے نفیس مگر بدکار شہر میں جس قدر کھیل تماشے ہوا کرتے تائیس ان میں شریک ہوتی۔ خاص کر ایسے تماشا گھروں میں ضرور جایا کرتی جہاں بہت دور دور کے نقال اشاروں میں نقل اتارنے والے حسن پرست تماشائیوں کو اپنے جوہر دکھا کر تعریفیں سنا کرتے تھے۔

بڑی بڑی مشہور ناچنے گانے والیاں یا ایسی عورتیں جو گونگے تماشوں میں اپنا کمال دکھانے شہر میں آتیں ان کو بہت غور سے دیکھتی۔ بالخصوص اسی تماشے والیوں کی حرکات وسکنات پر بہت ہی توجہ کرتی جو آدم زاد نوجوانوں پر عاشق ہونے والی دیبیوں کا سوانگ بھرتی تھیں یا ان حسین عورتوں کی نقل اتارتی تھیں جن پر آسمان کے دیوتا کبھی عاشق ہوئے تھے۔

جب ان کے سب گر معلوم ہو گئے کہ کیونکر وہ اپنی اداؤں سے تماشائیوں کو محو حیرت کرتی ہیں۔ تو تائیس دل میں کہنے لگی کہ جب میرا حسن ان سے بڑھ کر ہے تو پھر کیا وجہ کہ ان کے فن میں ان سے بہتر کمال نہ دکھا سکوں۔ صرف مشق کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک دن وہ گونگے تماشے والوں کے افسر کے پاس گئی اور کہا کہ میں آپ کے طائفہ میں شامل ہونا چاہتی ہوں۔ تائیس کا حسن اور بڑھیا میروے نے جو فن سکھائے تھے وہ سب اس موقع پر فاش ہوئے اور افسر طائفہ نے اسکو اپنے

طائفہ میں شامل کرلیا۔ اب تائیس نے ان کے فن میں مہارت شروع کی اور ایک رات تھیبس کی ملکہ درکی کی نقل اُتاری کہ سوتیلے بیٹوں نے کس طرح ایک جنگلی بیل سے اس خوبصورت ملکہ کو باندھ کر اس بیل کو اتنا دوڑایا کہ وہ گھسٹتے گھسٹتے مر گئی۔

چونکہ ابھی پوری مشق نہ تھی تماشائیوں میں ایسا جوش پیدا نہ ہوا کہ بات بات پر واہ واہ ہوتی۔ اس لئے کامیابی اوسط درجے کی رہی۔ کچھ دنوں تک غیر معروف رہیوں اور عورتوں کے سانگ بھرتی رہی۔ لیکن پھر تو یکلخت اس کا حسن اسٹیج پر ایسا پھٹ پڑا کہ تمام شہر میں ایک غل مچ گیا۔ شہر کی تمام خلقت تماشا دیکھنے کو اُمنڈ آئی۔ عمالِ شاہی اور بڑے بڑے رئیسوں اور امیروں نے اس قدر عمدہ سائے قائم کی کہ مجبور ہو کر روز تماشے میں حاضر ہونے لگے۔ گھروں کے مفلس نوکروں چاکروں غریب پیشہ ور مزدوروں۔ بلکہ خاکروبوں تک کا یہ حال ہوا کہ پیٹ کیلئے روٹی اور پیاز کی گٹھی تک مول لینی چھوڑ دی کہ کہیں تماشے کے لئے دام نہ ٹھہر جائیں۔ شاعروں نے قصیدے لکھنے شروع کر دئے اور ہر شخص کے غور کرنے کے لئے تائیس ایک مضمون بن گئی۔ مدرسوں کے پاس سے جب اس کی سواری نکلتی تو بڑے بڑے درازریش فلسفی اس پر معترضانہ بحث شروع کر دیتے۔ پادری اور قسیس مُنہ پھیر لیتے۔ مگر اس کے دروازے کو دیکھئے تو اس پر منوں پھولوں کے ہار اور گنٹھے لٹکے ہوتے۔ اور دہلیز پر خون کی بوندوں کی افشاں ہوتی۔ عشاق سے دولت سمیٹنے کی اب کوئی انتہا نہ تھی۔ بزرگوں کی کمائی عمر بھر کی محنت اور جُز رسی کے اندوختے پانی کی طرح تائیس کے قدموں میں بہنے لگے۔

اس وقت تائیس کا رُواں رُواں خوش تھا۔ لوگوں کی تعریفوں اور دیوتاؤں کے لطف وکرم سے سیر ہو کر کبر و پندار کے مزے لوٹنے لگی۔ اور یہ دیکھتے دیکھتے کہ اغیار اس کے عشق میں جان دئے ڈالتے ہیں خود بھی اپنے اوپر جان دینے لگی۔

کچھ عرصے انطاکیہ کے شہر والوں کی قدر شناسی اور عشق و محبت کے لطف اُٹھا کر اب جی میں آیا۔ کہ اسکندریہ چل کر اپنے جلوے دکھائیے۔ یہ شہر وہ تھا جس کی خاک اُڑتی پھرتی سڑکوں پر بچپن میں بھوکی پیاسی لاغر و ناتواں پھرا کرتی تھی۔ نہ شرم رہی تھی

نہ جیا۔ بہر کیف اسکندریہ پہنچی۔ اس مشہور اور مالدار شہر نے بڑے تپاک سے اس کا استقبال کیا اور اپنی دولت اس پر برسانی شروع کی۔ ہر تماشے میں اس کا جلوہ حسن و عشق کا ایک کرشمہ ہوتا تھا۔ گھر کے دروازے پر عاشقوں اور تعریف کرنے والوں کی گنتی نہ تھی۔ سب سے بے رُخی سے ملتی۔ اور اب یہ ارمان بھی دل سے نکل چکا تھا کہ کبھی عاشق میں لالوس پھر مل جائے گا۔

عاشقوں کا تانتا بندھا رہتا تھا کہ ایک دن نیکیاس فلسفی بھی عشق کا دم بھرتا ہوا اس کے دربار میں حاضر ہوا۔ ظاہر یہی کرتا تھا کہ کسی اور بات کی ہوس نہیں ہے۔ یہ شخص بڑا دولتمند تھا اور باوجود صاحب علم وفضل ہونے کے طبیعت میں نرمی و شرافت تھی۔ لیکن اس کے علم وفضل یا حسین خیالات کا جادو تائیس پر ایک نہ چلا۔ تائیس کو اس سے عشق نہ ہوا۔ بلکہ بعض وقت اس کی طنز آمیز گفتگو سے گھبرانے لگی۔ اس کے فلسفیانہ شکوک سُنتے سُنتے دل مجروح ہوا۔ نیکیاس کو کسی بات کا اعتقاد نہ تھا۔ تائیس کو ہر بات کا اعتقاد تھا۔ اس کو خدا کی کارسازی، شیطان کی قوت، قسمت و تقدیر، جادو وسحر، خدا کے عدل وانصاف، ان سب چیزوں کا یقین تھا۔ وہ یسوع مسیح پر ایمان رکھتی تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی وینس دیوی کی بھی معتقد تھی جو دُنیا میں عورتوں کو حسن بخشتی ہے۔ اس کو یقین تھا کہ بھوت اور آسیب کی دیوی رات کے وقت مُردوں کی روحوں کو ساتھ لئے جب چوراہوں سے گذرتی ہے تو کتے اس پر بھونکتے ہیں۔ وہ اس بات کو بھی مانتی تھی کہ اگر ایک پیالے میں بھیڑ کی خون آلودہ اون ڈال کر اس میں شراب انڈیلی جائے تو عشق آزار پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ کسی بن دیکھی اور انجانی قوت کو دیکھنے کی پیاسی رہتی۔ اس کا دل ایسی قوتوں سے فریاد کرتا رہتا جن کا نام تک وہ نہ جانتی تھی۔ امید وانتظار کی ایک حالت اس پر ہمیشہ طاری رہتی۔ مستقبل میں جو کچھ پنہاں رہتا اس سے ڈرتی تھی۔ اور اس کو معلوم بھی کرنا چاہتی تھی۔ اس کے گرد ونیش (؟) ابی (؟)ایسیس دیوی کے مجاور، کلدانیا کے ساحر، ملکوں ملکوں کے سیانے اور نجومی رہا کرتے تھے۔

یہ سب اس کو ہمیشہ دھوکا دیتے۔ مگر کسی طرح اس کا ساتھ نہ چھوڑتے تھے۔ موت سے ڈرتی تھی اور ہر جگہ موت اس کو نظر آتی تھی۔ جب عیش و عشرت کے نشے میں چور ہوتی تو دفعتاً معلوم ہوتا کہ کسی نے اس کے برہنہ شانے پر برف سے زیادہ ٹھنڈی انگلی رکھدی ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی وہ چونک پڑتی۔ رنگ زرد پڑ جاتا۔ اور خوف سے چیخنے لگتی۔

نیکیاس ایک دن کہنے لگا۔ "تائیس اگر ہمارا مقدر یہی ہے کہ سفید بال اور پژمردہ چہرے لئے شب ازل کی ظلمت میں غائب ہو جائیں۔ یا اگر آج کا دن جو دھوپ میں چمک رہا ہے ہماری زندگی کا آخری دن ہو تو ہم کو ان باتوں کی پروا کیوں ہو ہمارا کام تو یہ ہے کہ آؤ زندگی کا حظ اٹھائیں۔ لذت و نشاط کی چند ساعتیں جمود و بے حسی کی ایک عمر دراز کے برابر ہیں۔ حواس خمسہ کے سوا کوئی قوت ادراک نہیں اور عشق محض ایک ادراک ہے جس چیز کا علم ہم کو نہیں وہ ہیچ ہے اور ہیچ کے لئے کاہشوں میں پڑنا فضول ہے۔"

تائیس نے بہت ہی برہم ہو کر جواب دیا۔

"میں ایسے لوگوں سے بیزار ہوں جن کے دل میں نہ خوف ہے نہ امید۔ میں جس چیز کو ڈھونڈتی ہوں وہ یہ ہے کہ کسی طرح اس زندگی کا بھید مجھ پر کھل جائے۔ اور میں اس پہیلی کو کسی طرح بوجھ لوں۔"

غرض اس ہستی ناپائیدار کی چیستان کو حل کرنے کے شوق میں تائیس نے فلسفے کی کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ مگر خاک سمجھ میں نہ آئیں اور اب یہ حال رہنے لگا کہ بچپن کا زمانہ جس قدر دور ہوتا جاتا تھا اتنا ہی قریب معلوم ہو کر یاد آنے لگا۔ بھیس بدل کر گلی کوچوں میں پھرنے اور ایسے موقعوں پر جانے کا جہاں عام مجمعے رہتے تھے ہمیشہ سے شوق تھا کیونکہ اس کی پرورش بھی ایک سرائے میں ہوئی تھی جہاں ہر قسم کے لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ ماں باپ کے مرنے کا اسے افسوس تھا لیکن زیادہ قلق اس بات کا تھا کہ کبھی اس کو ان سے محبت نہ ہوئی۔ اگر رستے میں کہیں پادریوں

سو دیکھ بیٹھی تو اپنا اصطباغ پانا یاد آجاتا - اور دل بے چین سا ہو جاتا - ایک رات سر کے بالوں کو ایک سیاہ رومال میں چھپا کر اور ایک بہت سادی قبا پہن کر حسبِ معمول شہر کے باہر سیر کو نکلی کہ اتفاق سے ایک گرجا کے سامنے سے گذر ہوا - وہیں کھڑی ہو گئی - گرجا بہت کم حیثیت کا تھا اور یوحنا معمد کے نام سے مشہور تھا - اندر سے گانے کی آواز آئی اور دروازے کی جھریوں سے معلوم ہوا کہ اندر تیز روشنی ہو رہی ہے - یہ اب کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ بیس برس سے یعنی جب سے شہنشاہ قسطنطین نے عیسائیوں کو اپنی پناہ میں لیا تھا وہ اپنی تمام مذہبی رسوم بے روک ٹوک کیا کرتے تھے -

گانے کی آواز کچھ ایسی تھی کہ دل میں اتری جاتی تھی - بند دروازے کا ایک کواڑ آہستہ سے کھول اندر گئی اور اسرارِ مسیحی کی رسم جو اس وقت ادا کی جاتی تھی اس میں بطور ایک مہمان کے شریک ہو گئی - دیکھا تو بہت سی عورتیں - بچے - بڈھے قبر کے سامنے زمین پر گھٹنے ٹیکے دعا میں مصروف ہیں - قبر کا تعویذ ایک سنگین حوض ہے جس سے اصطباغ بھی دیا جا سکتا ہے - اس کے پتھروں پر کہیں کہیں انگور کی بیلیں اور خوشے بھدے طور پر کندہ ہیں لیکن آج کھجور کے ہرے ہرے پتوں اور سرخ گلاب کے پھولوں سے قبر خوب آراستہ ہے - جا بجا کثرت سے موم بتیاں روشن ہیں - لوبان جلایا جاتا ہے - جس سے سفید دھوئیں کے لچھے اس طرح اٹھ رہے ہیں جیسے فرشتوں کا لباس ہوا میں اڑتا ہو - دیواروں پر عرش کی وہ صورتیں نقش ہیں جو دینِ مسیحی کے بزرگوں کو عالم رویا میں کبھی نظر آئیں تھیں - پادری سفید پیرہن پہنے قبر کے سامنے منہ کے بل پڑے ہیں اور جس حقانی گیت کو مل کر گا رہے ہیں اس میں وہ راحتیں بیان ہوئی ہیں جو نیک بندے خدا کی راہ میں ایذائیں اٹھانے سے محسوس کرتے ہیں - اس نغمے میں شادی و غم فتح و ہزیمت کو ایسا شیر و شکر کر دیا تھا کہ تائیس سنتی تھی اور اسے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے حواس سوتے سوتے چونک پڑے ہیں اور ان میں زندگی کی لذتیں اور موت کی تکلیفیں دونوں ہاتھ میں ہاتھ دئے دوڑ رہی

گانا بند کرتے ہی سب لوگ اُٹھے تاکہ ایک ایک آگے بڑھ کر قبر کو بوسہ دے۔ یہ سب لوگ سیدھے سادے غریب پیشہ ور تھے۔ صورتیں دل کی صفائی پر گواہ تھیں۔ نیچی نظریں کئے۔ چہرے غمگین۔ لبے لب جدا۔ بھاری چال سے ایک ایک آگے بڑھتا اور قبر کے پاس گھٹنے زمین پہ ٹیک کر قبر کو بوسہ دیا۔ ماؤں نے اپنے بچوں کو گود میں اٹھالیا اور ان کو جھکا کر قبر کے پتھر سے ان کے رخساروں کو مس کیا۔ تائیس یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ حیرت میں تھی۔ اور دل بے چین تھا۔ آخر نہ رہا گیا ایک پادری سے پوچھنے لگی کہ یہ کیا تقریب ہے؟

پادری بولا "عورت کیا تو نہیں جانتی کہ آج ہم شہید طید ور توبی کی مبارک یاد میں عید منا رہے ہیں۔ یہ خدا کا بڑا نیک بندہ تھا جس نے شہنشاہ دیوک لیطن کے دور حکومت میں عیسائی مذہب کے لئے اپنی جان قربان کی تھی۔ اس کی زندگی بے داغ تھی اور دین کی شہادت دیتا ہوا مصلوب ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم سفید لباس پہن کر سُرخ رنگ کے گلاب اس کے مزار پر چڑھاتے ہیں۔"

اتنا سنتے ہی تائیس نے زمین پر گھٹنے ٹیک دئے۔ اور سر پکڑ کر زار و قطار رونے لگی۔ احمس کی بھولی بسری صورت کچھ کچھ یاد آنے لگی۔ اور اس دھندے سے نقش کو جو دل گداز اور پُر درد تھا چراغوں کی روشنی۔ ادیان کے دھوئیں۔ پھولوں کی مہک۔ زائرین کی سادگی اور عقیدت نے اور بھی منیر کر دیا۔ تائیس دل میں کہنے لگی:-

"احمس اس وقت خوش اعمال اور پاک نفس تھا اور اس وقت برگزیدہ و حسین ہے۔ اس کا مرتبہ اب انسان سے بالاتر ہے۔ آخر کوئی بتائے کہ وہ بن بوجھی اور انجانی چیز کیا ہے جو دولت اور لذت سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔"

تائیس آہستہ سے کھڑی ہوئی اور اس شہید کے مزار کی طرف جو کبھی زندگی میں اس کی نرگسی آنکھوں کا شیدا تھا اور جن میں اس وقت آنسوؤں کے قطرے شمع کی روشنی میں جھلک رہے تھے رُخ کر کے سر نیچا کئے عاجزی و انکسار کے ساتھ چپکے چپکے

آگے بڑھی اور آخری کام جو کیا وہ یہ تھا کہ ان لبوں سے جن پر نفس کی خواہشیں مچلی رہتی تھیں احمس غلام کی قبر کو بوسہ دیا۔

گھر واپس آئی تو دیکھا نیکیاس اس کے انتظار میں ہے سر کے بال معطر ہیں۔ گریبان کھلا ہے اور علم اخلاق پر ایک کتاب مطالعہ میں ہے۔ تائیس کو دیکھتے ہی ہاتھ پھیلا کر اٹھا اور ہنس کر کہنے لگا:۔

"تم بھی آفت ہی نکلیں۔ کیا گھر آنے کی قسم کھالی تھی۔ میں خالی بیٹھا کیا کرتا۔ سب سے بڑے روّاقی حکیم کا ایک قلمی نسخہ پڑھنے میں مصروف ہوا۔ جانتی ہو اس میں کیا پڑھا؟ نیکیوں کا بیان اور عزور حسن کے مسائل۔ بلکہ یوں سمجھو کہ کتاب کے ہر صفحے پر تم جیسی ہزار ہا صورتیں نظر آنے لگیں۔ ایک انگشت سے زیادہ ان کا قدو قامت نہ تھا۔ لیکن ہر ایک کا حسن بلا کا تھا اور سب کا حسن مل کر تمہارا حسن واحد بن جاتا تھا۔ ان میں کوئی صورت ارغوانی لباس پہنے تھی۔ بہت سی بادلوں کے سفید گالوں کی طرح باریک ہوا سے کپڑے پہنے فضا میں اڑ رہی تھیں۔ بہت سی بے حس وحرکت برہنگی میں خدا کی قدرت کا نمونہ بنی کھڑی تھیں۔ ان کو دیکھ کر بجز ہوا و ہوس کے اور کوئی بہتر خیال دل میں نہ آتا تھا۔ سب سے آخیر میں دو صورتیں ایسی نظر آئیں جو ہاتھ میں ہاتھ دئے کھڑی تھیں اور اس قدر ہم شکل تھیں کہ ان میں تمیز کرنی مشکل تھی۔ یہ دونوں مسکرا رہی تھیں۔ ایک کہتی تھی کہ میں عشق ہوں۔ دوسری کہتی تھی کہ میں موت ہوں"۔

اتنا کہہ کر نیکیاس نے تائیس کو گلے لگا لیا۔ یہ نہ دیکھا کہ جو آنکھیں اس وقت زمین کی طرف گڑی ہیں ان میں کیسا غضب بھرا ہے مسائل حکمت تو زبان سے ایک پر ایک نکلے چلے آتے تھے مگر اتنا خیال نہ آتا تھا کہ کوئی ان کو سنتا بھی ہے یا نہیں۔ اسی سلسلہ تقریر میں کہنے لگا:۔

"جس وقت میں اس عبارت پر پہنچا کہ روح کی تربیت جاری رکھنے میں کسی چیز کو مخل نہ ہونے دو۔ تو میں نے اس کی جگہ یہ پڑھا کہ تائیس کے بوسے شہد سے

زیادہ شیریں اور شاداں سے زیادہ سوزاں ہیں تائیس - یہ ہماری گرمی صحبت کا نتیجہ ہے کہ ایک فلسفی بھی اپنے فن کی کتابوں کو ایسے عجیب معنوں میں پڑھنے لگا۔ یہ سچ ہے کہ جو کچھ بھی ہم ہوں اپنے ہی خیالات دوسروں کے خیالات میں مطالعہ کرتے ہیں اور کتابوں کو بھی اسی رنگ ....‘‘

تائیس اس گفتگو کا ایک حرف بھی نہ سنتی تھی۔ اس کا دل حبشی غلام کی قبر میں پڑا تھا۔ جب اس کے منہ سے ایک آہ نکلی تو نیکیاس نے اس کا منہ چوم لیا اور کہا۔

’’پیاری۔ کیوں اس قدر افسردہ ہو؟ دنیا میں سب سے بڑی مسرت یہ ہے کہ انسان دنیا کی تکلیفوں کو بھول جائے۔ یہی بڑا راہبستی ہے۔ آؤ زندگی کو دھوکا دیں۔ یہ اسی لائق ہے۔ چلو۔ بس عشق و محبت کے نشہ میں چور ہو جائیں‘‘

تائیس نے نیکیاس کو جھٹک دیا اور رو کر کہنے لگی :-

’’عشق۔ نہ تمہیں آج تک کسی سے عشق ہوا اور نہ مجھے تم سے عشق ہے۔ بلکہ بجائے عشق کے نفرت پیدا ہو چلی ہے۔ جاؤ۔ میں تم سے بیزار ہوں۔ لعنت ہے اور نفریں ہے ان پر جو خوش رہتے ہیں اور دولت رکھتے ہیں۔ جاؤ۔ بس جاؤ..... بھلائی نیکی اگر ہے تو مفلسوں اور کم نصیبوں میں ہے۔ تمہیں کیا معلوم جب میں بچہ تھی تو ہمارے گھر میں ایک حبشی غلام تھا۔ جسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھا دیا۔ وہ نیک تھا۔ محبت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اس زندگی کا بھید اس کو معلوم تھا۔ تم تو اس قابل بھی نہ تھے کہ اس کے پاؤں دھو کر پیتے۔ جاؤ۔ بس۔ اب میں تم سے کبھی نہ ملوں گی‘‘

یہ کہہ کر اپنے خوابگاہ میں آئی۔ اور بچھونے پر منہ کے بل پڑی رات بھر روتی رہی۔ ارادہ کر لیا کہ آیندہ سے طید و شہید کی طرح سادگی اور افلاس میں زندگی بسر کرے گی۔

دوسرے دن تائیس ان کھیل تماشوں میں شریک ہو گئی جن کی تاریخیں پہلے سے مقرر ہو چکی تھیں۔ دل میں سوچا کہ یہ خوبصورتی کوئی دن کی مہمان ہے۔ بہتر

ہے کہ جس قدر مسرت اور شہرت اِس سے حاصل ہو سکے وہ حاصل کر لی جائے چنانچہ تماشوں میں اب وہ اور بھی تن دہی کے ساتھ اپنا فن دکھانے لگی۔ بڑے بڑے باکمال شاعروں مصوروں اور بُت تراشوں کے خیالات کو اپنے حُسن سے زندہ کر دکھایا۔ کیا فلسفی اور کیا عالم اس کے طرزِ ادا اور حرکات میں موزونیت کو دیکھ کر اس خیال میں محو ہو جاتے کہ یہ بھی ایک ملا ہوا سُر اسی سازِ حقیقی کا ہے جس کی دھن پر یہ کائنات چل رہی ہے۔ اور بے اختیار اس نازنین کو حسناتِ حکمیہ میں شمار کرنے لگتے۔ اور کہتے کہ علومِ ریاضیہ کی بھی وہ اُستاد معلوم ہوتی ہے۔ جاہل اَن پڑھ مفلسوں اور محتاجوں کو بھی کبھی کبھی وہ تماشا دکھاتی اور یہ سب اس کے کمال کو دیکھ کر تعریفیں کرتے اور دعائیں دیتے رُخصت ہوتے۔ گو تعریفیں چاروں طرف سے برستی تھیں مگر دل کی افسردگی کم نہ ہوتی تھی۔ موت کا خیال ہر وقت غالب رہتا کسی چیز سے تسکین نہ ہوتی نہ گھر میں چین تھا نہ گھر کے باغ میں۔ حالانکہ یہ دونوں چیزیں اسکندریہ کے شہر میں اپنی خوبی و خوشنمائی میں مثال کے طور پر بیان ہوا کرتی تھیں۔

اس خانہ باغ میں ایران اور ہند کے درخت منگوا کر لگائے گئے تھے۔ ایک صاف سُتھری نہر اُن میں پانی پہنچاتی تھی۔ جگہ جگہ خوبصورت ستونوں کے سلسلے اور مصنوعی پہاڑ بڑے بڑے کاریگروں کے بنائے ہوئے ایک جھیل پر اپنا سایہ ڈالتے جہاں خوشنما سنگین بُت پانی میں کھڑے اپنے ہی عکس کو دیکھا کرتے۔ باغ کے بیچوں بیچ مصنوعی چٹانوں میں ایک کھُوہ بنائی تھی اور اُس کا نام "جل پریوں والی کھوہ" یا "پری گوشہ" رکھا تھا۔ اس نام کی وجہ یہ تھی کہ اس کھوہ کی دہلیز پر موم کی تین جل دیبیاں اس انداز سے بنائی تھیں کہ نہانے کے لئے کپڑے اُتارتے اُتارتے یکایک ڈر گئی ہیں اور گردن پھیر کر پیچھے دیکھتی ہیں۔ موم کی یہ مورتیں بالکل زندہ معلوم ہوتی تھیں۔ سبزے میں پانی کے چھوٹے چھوٹے قطعوں سے روشنی دھیمی اور رنگیں ہو کر اُس کھُوہ میں آتی تھی۔ دیواروں پر ہر طرف تاج اور کنٹھے اور تحفوں میں دی ہوئی تصویریں جن میں تائیس کا حُسن طرح طرح سے دکھایا گیا تھا لٹکی تھیں۔ اور سانگ بھرنے کے لئے

خوش رنگ چہرے جا بجا دیواروں پر نصب تھے۔ مشہور تماشا کرنے والیوں کے مُرقعے یا پُرانے قصوں میں جو عجیب و غریب جانور بیان ہوئے تھے ان کی تصویریں بھی یہاں موجود تھیں۔ ہاتھی دانت کی ایک خوبصورت نشست پر ایروس کا بُت رکھا تھا۔ یہ ایک پُرانے وقتوں کی نادر صنعت تھی اور نیکیاس نے بطور تحفے کے دی تھی۔ ایک جگہ مصنوعی پہاڑ کے ایک چوڑے سے موکھے میں سیاہ پتھر کی ایک بکری کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں سیاہ یشب کی تھیں۔ اور خوب چمکا کرتی تھیں۔ چار چھوٹے چھوٹے سنگ مرمر کے بُراق سے بچے ماں کے تھنوں کو لپٹے جاتے تھے اور ماں گھبرائی ہوئی کسی طرح پیچھا چھُڑا کر چاہتی تھی کہ پہاڑوں میں چوکڑیاں بھرتی پھرے۔ کھوکے اندر سنگین فرش پر روئی قالین اور غالیچے اور حبش کے شیروں کی کھالیں بچھی تھیں۔ کارچوبی کام کے تکیے جا بجا کوچوں پر رکھے تھے۔ اگردان نظر نہ آتے تھے مگر ان کے بخور سے تمام پری گوشہ مہکا رہتا تھا۔ اس کھوکے سب سے اخیر حصّہ میں جہاں ہلکی ہلکی سرخ روشنی رہتی تھی ہندوستان کے ایک بہت بڑے کچھوے کی ڈھال رکھی تھی۔ ڈھال کے اوپر کے رخ بہت سی سونے کی موٹی موٹی کیلیں جڑی تھیں۔ جن میں بلا کی چمک تھی۔ یہ ڈھال جب اُلٹ کر رکھدی جاتی تھی تو وہ سونے کی کیلیں پایوں کا کام دیتیں اور پوری ڈھال نہایت خوبصورت نرم گدّوں کی ایک کوچ بن جاتی جس پر تکیے لگائے تائیس آرام کیا کرتی۔ یہاں شام تک یا تو ملنے والوں سے گفتگو رہتی یا اپنے فن کے متعلق کچھ سوچا کرتی۔ یا محض عمر کے گزرنے پر فکر و افسوس میں چُپ بیٹھی رہتی۔

آج تماشے سے فارغ ہو کر پری گوشہ میں آرام کرتی تھی۔ آئینہ سامنے تھا۔ صورت دیکھ رہی تھی۔ کہ زوالِ حُسن کی سب سے پہلی علامت نظر آئی۔ ڈر گئی۔ اور اُس وقت کا نقشہ ذہن میں جما جبکہ بال سفید ہو جائیں گے اور چہرے پر جھُریاں پڑنے لگیں گی۔ گو یہ معلوم تھا کہ ایک منتر پڑھ کر خاص خاص بُوٹیوں کی اگر دھونی لی جائے تو حُسن پھر تازہ ہو جائے۔ مگر کچھ دل کو یقین نہ آتا تھا۔ اسی حالت میں ایک بے رحم

آواز غیب سے یہ کہتی سنائی دی ۔

"تائیس تو بڑھیا ہو جائے گی۔ بڑھیا ہو جائے گی۔"

خوف سے پیشانی کا پسینہ برف کی طرح سرد ہو گیا۔ پھر آئینہ اٹھا کر صورت دیکھی تو معلوم ہوا کہ نہیں اس کا حسن تو وہی ہے جو پہلے تھا اور اب تک اس قابل ہے کہ عاشق اس پر جان دیا کریں۔ ہنس کر کہنے لگی کہ اس شہر میں ایک عورت بھی ایسی نہیں جو میرا سا تناسب اعضاء رکھتی ہو۔ میری رفتار میرے ناز و ادا کا مقابلہ کر سکے یا اس کے بازو میرے بازوؤں کی طرح خوبصورت ہوں۔ اے پیارے آئینہ یہی گورے گورے بازو عشق کی زنجیریں اور طوق ہیں۔

ایسے ہی خیال دل میں آ رہے تھے کہ دفعتاً ایک عجیب بھیانک صورت کا آدمی سامنے کھڑا نظر آیا جس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ ڈاڑھی پر گرد پڑی تھی ایک ازرق برق عبا گلے میں تھی۔ آئینہ پھینک تائیس نے ایک چیخ ماری۔

پفنوتوس بالکل بے حس و حرکت کھڑا رہا اور تائیس کی خوبصورتی دیکھ کر بے اختیار خدا سے التجا کی۔

"خدایا۔ اس عاجز بندے کی دعا قبول فرما۔ اس عورت کا حسن و جمال میری فضیحت کا موجب نہ ہو بلکہ میری فضیلت کا باعث ہو۔"

پھر کسی قدر کوشش کے ساتھ اس نے یہ گفتگو کی ۔

"تائیس۔ میں ایک بڑے دور دراز مقام کا رہنے والا ہوں۔ تیرے حسن کی شہرت مجھ کو یہاں تک لائی ہے مشہور ہے کہ تو تماشا گری میں یکتائے روزگار ہے۔ اور ایسی عورت ہے جس کے ہاتھوں سے دل بچنا ممکن نہیں۔ تیری دولت مندی کے حالات اور تیری عشق بازیوں کے چرچے حیرت انگیز افسانے بن گئے ہیں۔ اور مصر قدیم کی اس حسین مگر بداعمال نازنین کی یاد دلاتے ہیں جس کی سخاوت اور محبت کی داستانیں دریائے نیل کے ملاحوں کو اب تک ازبر ہیں۔ اس لئے تجھ سے ملاقات کا شوق جنون بن کر میرے سر پر سوار ہوا۔ اور اب معلوم ہوا کہ جو کچھ سنا وہ کم تھا

اور جو دیکھا وہ زیادہ ہے۔ تو اپنی شہرت سے ہزار چند زیادہ ہوشمند و حسین ہے۔ تجھے دیکھنے کے بعد دل کہتا ہے کہ ممکن نہیں کہ تیرے قریب آنے میں انسان کے پاؤں ایک رسید خرابانی کی طرح نہ لڑکھڑانے لگیں۔"

یہ تعریف ایک طور پر تشنیع سے کم نہ تھی لیکن راہب نے جوش پارسائی میں واقعی خلوص کے ساتھ اسے ادا کیا تھا۔ تائیس ناخوش نہیں ہوئی اور اس عجیب شکل کو دیکھتی رہی جس نے پہلے تو اسے ڈرایا اور پھر اپنی صحرائی صورت اور وحشت زدہ آنکھوں سے جن سے آگ نکلتی معلوم ہوتی تھی اسے محو حیرت کر دیا۔ چوں کہ ایسا عجیب آدمی پہلے نہ دیکھا تھا۔ اس لئے شوق ہوا کہ اس کے حالات دریافت کرے چنانچہ اسے بٹھانے کے لئے نرمی سے کہنے لگی۔

"اے اجنبی حضرت۔ میری تعریف میں اتنی عجلت نہ فرمایئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری برق افگن نگاہیں آپ کے خرمن ہستی کو جلا کر خاک کر دیں۔ ذرا ہوش درست کر کے میرے عشق کا دم بھریئے گا۔"

پفنوتوس نے کہا۔ "تائیس مجھ کو تجھ سے الفت ہے۔ اور ایسی الفت ہے جس سے زیادہ مجھے اپنی جان اپنی ذات سے بھی نہیں۔ تیری خاطر میں نے اپنے پیارے صحرا کو چھوڑا۔ تیرے لئے اس زبان پر جس نے چپ رہنے کی قسم کھائی تھی ناپاک الفاظ آنے لگے۔ تیرے لئے وہ چیزیں دیکھیں جن کو نہ دیکھنا چاہیئے تھا۔ اور وہ باتیں سنیں جن کا سننا مجھ پر حرام کیا گیا تھا۔ میری روح تیرے لئے بیقرار ہے۔ دل کے بند ٹوٹ کر خیالات ان سے پھوٹ نکلے ہیں اور بہتے چشمے بن گئے ہیں جن سے قمریاں پانی پیتی ہیں۔ تیرے لئے رات اور دن ایسے بیابانوں اور ریگ زاروں میں چلا ہوں جہاں زہریلے حشرات الارض اور درندے رہتے ہیں۔ تیرے لئے یہ برہنہ پاؤں زندہ سانپوں اور بچھوؤں پر پڑ پڑ گئے ہیں۔ بے شک مجھے تجھ سے عشق ہے اور میرا عشق ان لوگوں کا سا نہیں ہے جو نفس کی خواہشوں سے بیتاب ہو کر مست سانڈوں یا درندے بھیڑیوں کی طرح تیرے پاس آتے ہیں۔ ان کا عشق تیرے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا شیر کا

آ ہو کے ساتھ۔ اے عورت سُن لے۔ اُن کی شہوانی خواہشیں تیری روح کو غارت کئے دیتی ہیں۔ میری اُلفت تیرے لئے حقیقت ازلی اور روح سرمدی کی بنا پر ہے میرا عشق تیرے ساتھ خدائے ذوالجلال کے واسطہ اور تعلق سے ہے جو ہمیشہ رہیگا اور ہمیشہ میرے دل میں تیرا عشق ایک خیر محض اور جذبہ حقیقی ہے۔ میں جس چیز کا تجھ سے وعدہ کرتا ہوں وہ پھولوں کی مہک میں شراب کی مستی نہیں ہے اور نہ وہ ایک چھوٹی سی رات کا خواب گریز پا ہے۔ میرا وعدہ تجھ سے عقد روحانی اور ضیافت عشق حقیقی کا ہے۔ جو عیش میں تیرے لئے لایا ہوں وہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس کا اندازہ کرنا محال اور اس کو بیان کرنا غیر ممکن ہے۔ وہ عشق ایسا ہو کہ اس دُنیا کے لذت پرست اگر اس کی پرچھائیں بھی دیکھ لیں تو حیرت سے مر جائیں"

تائیس بدعقیدہ بن کر ان باتوں پر ہنس پڑی اور کہنے لگی:۔

"کرم فرما۔ یہ تو بتائیے کہ جس عشق کا آپ ذکر کرتے ہیں اس کا اتا پتا کیا ہے۔ یہ جنس کہاں ملتی ہے ذرا جلد فرمائیے۔ تقریر کو طول دینے سے میرا حُسن میلا ہوتا ہے۔ وقت ضائع نہ کیجئے جس عیش و نشاط کی خبر آپ لے کر آئے ہیں میں اس کے معلوم کرنے کی بے حد مشتاق ہوں۔ لیکن اگر آپ صاف صاف کہلواتے ہیں تو سُن لیجئے۔ جس عیش و نشاط کا آپ ذکر کرتے ہیں اُس سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی۔ آپ کے یہ سب دعوے آپ کے فقروں ہی تک ہیں۔ ایسے عشق کا وعدہ کرنا جو ہمیشہ رہے آسان ہے مگر اس کا ایفا مشکل ہے۔ دُنیا میں ہر شخص کوئی نہ کوئی وصف رکھتا ہے۔ آپ کا جوہر کشف ہے۔ آپ ایسے عشق کی خبر دینے آئے ہیں جس کا آج تک کسی کو پتہ ہی نہ چلا۔ سُنیئے۔ یہاں تو بازار حُسن میں بوسوں کا لین دین اتنی مُدت سے جاری ہے کہ کسی قسم کا عشق بھی ایسا نہیں جس کا راز ہم پر نہ کُھل چکا ہو۔ یہ باتیں عاشقوں سے پوچھیے۔ آپ جادو ٹونے کے آدمی ان باتوں کو کیا جانیں"

پفنوتس نے جواب دیا:۔

"تائیس ہنسی نہ اُڑا۔ میں تیرے سامنے وہ عشق پیش کرتا ہوں جس کے بھید

سے تو قطعی ناواقف ہے۔"

تائیس۔" مہربان۔ آپ یہاں بہت دیر میں پہنچے۔ وہ کونسا عشق ہے جس سے میں واقف نہ ہو چکی ہوں۔"

پفنوتوس۔" جو عشق میں تجھ تک لایا ہوں اس میں جمال خداوندی شامل ہے اور جن عشقوں سے تو واقف ہے ان کی بنیاد بے شرمی پر رکھی گئی ہے۔"

یہ فقرہ سُن کر تائیس نے راہب کو غصہ کی نظر سے دیکھا اور اسکی خوبصورت جبیں پر بل پڑ گیا۔ کہنے لگی۔

"واہ جناب۔ آپ کا یہ انداز گفتگو اور وہ بھی ایک میزبان کے ساتھ حقیقت میں عجیب ہے۔ ذرا میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھئے۔ کیا میں آپ کو بے شرم معلوم ہوتی ہوں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ میں اپنی کسی بات پر بھی شرمندہ نہیں ہوں اور نہ وہ عورتیں جو میری طرح رہتی ہیں اپنی کسی بات سے خجل ہیں گو دولت اور حُسن میں وہ مجھ سے کم ہیں۔ میں اس زندگی میں قدم قدم پر عیش و نشاط کے بیج بوتی گئی ہوں۔ اس لئے ایک عالم مجھ کو جانتا ہے۔ دُنیا میں جو بڑے صاحب قوت مانے جاتے ہیں ان سے میری قوت بڑھی ہوئی ہے۔ یہ وہ ہیں جن کو میں نے اپنے قدموں میں پڑا دیکھا ہے۔ ذرا آنکھ اُٹھا کر میرے پائے نازک کو دیکھئے۔ ان کی پابوسی کی تمنا میں ہزاروں اپنا خون بہا کر چکے ہیں۔ میں کوئی بڑی آدمی نہیں ہوں اور نہ دُنیا میں کوئی بڑا رُتبہ رکھتی ہوں۔ جو لوگ اسراپیم کی سربفلک عمارت سے میری سواری نیچے سڑک پر سے گذرتی دیکھتے ہیں تو میں اُن کو ایک رائی کے دانے کے برابر معلوم ہوتی ہوں۔ لیکن آپ کو معلوم ہے یہی رائی کا دانہ مخلوقِ خدا میں ایسی ایسی ناامیدیوں۔ عداوتوں۔ جرائم اور آلام کا باعث ہوا ہے کہ ان سے ایک پوری دوزخ بھری جا سکتی ہے۔ بے شرمی! خوب فرمایا۔ میرے جلوؤں کی شان میں چاروں طرف تو تعریفوں کا مینہ برس رہا ہے اور میں ان حضرت کے سامنے "بے شرمی" پر گفتگو کر رہی ہوں۔ میں بھی نری دیوانی ہوں۔"

پفنونوسؔ - انسان کی نظر میں جو چیز شاندار ہے وہ خدا کی نظر میں ذلیل ہے۔ اے عورت ۔ ہم دونوں کی پرورش ایسے مختلف حالات میں ہوئی ہے کہ ہماری زبان اور ہمارے خیالات ایک سے نہیں ہو سکتے۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن خدا شاہد ہے تیرے خیال سے متفق ہو جانا میری دلی تمنا ہے۔ اور جب تک میرا اور تیرا خیال ایک نہ ہو جائیگا۔ میں تجھ سے جدا نہ ہونگا۔ کدھر ہے وہ ہاتف غیب جو میرے نطق کو ایسا شرربار کردے کہ اس کی تاثیر سے تو موم کی طرح نرم ہو جائے۔ کہاں ہے وہ چارہ ساز جو میری انگلیوں کو ایسی قدرت بخشے کہ وہ اپنی آرزو کے مطابق تیرا ایک نیا پُتلا تیار کردیں۔ کدھر ہے وہ دستِ خیر جو تجھے۔ اے میری جان ۔ میرے حوالے کردے تاکہ میں اپنے شوق اور آرزو کے مطابق تجھے حیاتِ ثانی بخشوں اور ایک نیا حُسن تجھ میں ایسا پیدا کردوں کہ تو خوشی کے آنسو رو کر کہہ اُٹھے کہ ہاں آج میں نے زندگی پائی ہے"۔ کون ہے جو میرے دل سے سلوم کا پاک چشمہ جاری کرے جس میں تو نہا کر اپنی ابدی پاکیزگی حاصل کرے۔ کہاں ہے وہ جو مجھے اردن کے دریا میں تبدیل کردے اور اس کا پانی تیرے سر سے گزر کر ہمیشہ کی زندگی تجھے بخشے"۔

تائیس کا غصہ جاتا رہا اور وہ سوچنے لگی:۔

یہ آدمی ہمیشہ کی زندگی کا ذکر کرتا ہے اور بات بھی اس طرح کرتا ہے جیسے کوئی طلسم و سحر کی کتاب پڑھتا ہو۔ مجھے تو اب ذرا بھی شبہ نہیں کہ یہ کوئی جادوگر ہے اور اس کے پاس ضرور بڑھاپے اور موت سے بچنے کا کوئی علاج ہوگا۔

تائیس نے ارادہ کرلیا کہ اس جادوگر سے ملوث ہو جانا چاہیے۔ کچھ ڈر کر شرما کر تین چار قدم پیچھے ہٹی اور پھر جلدی سے اپنی زرنگار مسہری کی پٹی پر پاؤں لٹکا کر ہو بیٹھی۔ سینے کا لباس بڑے انداز سے درست کیا اور بالکل خاموش آنکھیں نیچی کئے انتظار کرنے لگی۔ خوبصورت آنکھوں کی بڑی بڑی پلکوں کا سایہ رخساروں پر پڑتا تھا۔ گورے گورے برہنہ پاؤں زمین سے اونچے تھے۔ چہرے پر شرم تھی

اور صورت سے معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بھولا بچہ دریا کے کنارے بیٹھا ہو۔

پفنوتوس یہ سب کچھ دیکھا کیا مگر آگے نہ بڑھا۔ گھٹنے تھر تھر کانپنے لگے قریب تھا کہ گر پڑے۔ منہ میں زبان خشک ہوگئی۔ حلق میں کانٹے پڑنے لگے۔ دماغ پر ایک عجیب کشمکش اور تذبذب پیدا ہوا۔ آنکھوں کے سامنے بادل کی طرح ایک غبار چھا گیا۔ سمجھا کہ مسیح نے اپنا ہاتھ اس کی آنکھوں پر رکھ دیا ہے کہ یہ عورت نہ دکھائی دے۔ اس امدادِ غیبی نے گناہ سے بچنے کے لئے اس کا دل مضبوط کر دیا۔ اور بڑی متانت سے جو صحرا کے ایک راہب کو زیب دے سکتی ہے کہنے لگا:۔

"کیا تمہارا ایسی بات کے لئے آمادہ ہوجانا خدا کی نظروں سے چھپا رہے گا؟"

تائیس نے سر ہلا کر کہا:۔

"کیا خوب۔ خدا کو کس نے مجبور کیا ہے کہ میرے ہی خلوت کدہ کو ہمیشہ گھورتا رہے؟ اگر کوئی بات اسے ناراض کرتی ہے تو اسے نہ دیکھے۔ ہٹ جائے۔ لیکن ناراض ہی کیوں ہو۔ اگر اس نے ہم [illegible] دا کیا [illegible] تو پھر جیسا بنا دیا اور جس طرح اس کی بنائی ہوئی فطرت کے مطابق [illegible] ے اعمال ہیں ان پر بگڑنے یا حیرت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بہت سی باتیں اس کی طرف سے بنا کر کہہ دی جاتی ہیں اور بہت سے خیالات اس طرح بیان کئے جاتے ہیں گویا خدا سے قرض مانگ لائے ہیں حالانکہ وہ اسکے پاس کبھی تھے ہی نہیں۔ پہلے اس کی حقیقت تو پہچان لو۔ تم کون ہو جو اس کے وکیل بن کر میرے پاس آئے ہو؟"

اس سوال پر پفنوتوس نے جو عبا اوپر پہنے تھا اس کا ایک حصہ ہٹا کر نیچے کا سیاہ کمبل کا کرتا یعنی رہبانیت کا پیرہن اسے دکھایا۔ اور کہا "میں انفینو کا قسیس۔ صحرائے تھیبی کا راہب پفنوتوس ہوں اور بیابانِ مقدس سے یہاں آیا ہوں جس ہاتھ نے ابراہیم سے کالدیہ اور لوط سے سدوم چھڑوایا تھا اسی نے یہ دنیا مجھ سے چھڑوائی ہے۔ میرا وجود اب انسان کے لئے کالعدم ہے۔ لیکن تیری صورت مجھ کو اپنے ریگستان کے یروشلم میں نظر آئی میں جانتا تھا کہ تو گناہوں میں

مبتلا ہے۔ پس اے عورت سمجھ لے کہ میں اس وقت تیری قبر کے کنارے کھڑا ہوں اور کہہ رہا ہوں "تائیس اُٹھ"۔

اوّل تو بفنوتوس کا نام پھر اس کے ساتھ قسم اور راہب کے الفاظ سنتے ہی تائیس خوف سے زرد پڑ گئی۔ یوں ہی شانوں پر بال بکھرے ہاتھ جوڑ کر آگے بڑھی اور راہب کے قدموں میں گر کر بڑی عاجزی سے رو رو کر کہنے لگی۔

"خدا کے لئے مجھ پر کوئی آفت نہ توڑیئے گا۔ آپ کیوں آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ میرے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کیجئے۔ میں جانتی ہوں کہ صحرا کے خدا پرست لوگ مجھ جیسی عورتوں سے جو مردوں کو خوش کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہیں سخت نفرت رکھتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ بھی مجھ سے نفرت کر کے مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ خدا کے لئے آپ یہاں سے جائیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے اختیار میں سب کچھ ہے لیکن آپ نہ تو میرے دشمن بنیں اور نہ مجھے ذلیل وحقیر سمجھیں۔ میں اُن لوگوں سے واقف ہوں جو آپ کی خود اختیار کی ہوئی مفلسی پر ہنستے ہیں لیکن میں آپ کے افلاس پر کبھی نہیں ہنسی۔ اس لئے آپ بھی میرے متمول ہونے کو کسی طرح کا جرم نہ سمجھیں۔ میں حسین ہوں اور مشہور تماشا گر ہوں۔ نہ میری یہ حالت اپنے بس کی بات تھی اور نہ وہ فطرت جس پر میں پیدا کی گئی میرے اختیار کی کوئی چیز تھی۔ جو کچھ آپ مجھے دیکھتے ہیں میں اسی لئے بنائی گئی تھی۔ مردوں کے خوش کرنے کے لئے دنیا میں بھیجی گئی۔ آپ نے ابھی تو ابھی کہا تھا کہ آپ کو مجھ سے عشق ہے۔ اگر ایسا ہے تو اپنا علم وفضل میرے خلاف عمل میں نہ لائیے۔ سحر کے ایسے جملے زبان سے نہ نکالئے جن سے میرا حسن غارت ہو جائے۔ مجھے ڈرایئے دھمکایئے نہیں۔ میں تو یونہی ڈر کے مارے مری جاتی ہوں۔ کوئی بات ایسی نہ کیجئے کہ میں جان سے جاتی رہوں۔ مجھے موت کا انتہا خوف رہتا ہے۔"

بفنوتوس نے تائیس کو اُٹھنے کا اشارہ کر کے کہا۔

"یقین کر لے کہ میرا برتاؤ تیرے ساتھ کبھی نفرت وحقارت کا نہ ہوگا۔ میں تیرے

پاس اس کی طرف سے آیا ہوں جس نے کوہَن کی مینڈھ پر سامری عورت کی صراحی سے جو اس نے پینش کی تنگی پانی پیا تھا۔ اور جس نے شمعون کے گھر میں کھانا کھاتے کے وقت مریم کے ہاتھ سے عطر لیا تھا۔ میں بے گناہ نہیں ہوں کہ پہلا پتھر اپنے ہاتھ سے تجھے ماروں۔ میں خدا کی دی ہوئی کثیر نعمتوں کو بدکاری میں صرف کرچکا ہوں مجھے غصہ نہیں ہے۔ یہ محض ترس ہے جو میرا ہاتھ پکڑے تجھ تک لایا ہے اور یہ مجھے اس قابل کیا کہ عشق و محبت کے الفاظ بغیر جھوٹ ملائے زبان پر لاکر تیرا قرب حاصل کروں۔ یہ میرے دل کا سچا جذبہ ہے جس نے مجھے تجھ تک پہنچایا ہے بھلائی اور خیر کرنے کے لئے میرا دل بے قرار ہے۔ تیری آنکھیں جو ہمیشہ ظاہر بینی میں مصروف رہی ہیں اگر اس قابل ہوں کہ چیزوں کے مخفی معنی بھی دیکھ سکیں تو میں تجھے اس جلتی ہوئی جھاڑی سے گھسیٹ کر نکالی ہوئی ایک شاخ معلوم ہونگا جو خدا نے موسیٰؑ کو طور پر دکھائی تھی تاکہ عشقِ حقیقی کی معرفت موسیٰ کو حاصل ہو یعنی اس عشق کی جو ہمیں ہمیشہ جلتا رکھتا ہے مگر خاک نہیں ہونے دیتا جس کا خاتمہ کجلائے ہوئے انگاروں اور راکھ کی ڈھیریوں میں نہیں ہوتا بلکہ جس چیز میں وہ سرایت کرتا ہو اُسے ہمیشہ کے لئے محفوظ و مبارک کر دیتا ہے۔"

یہ سُن کر تائیس نے کہا۔ "اے راہبِ خداشناس جو کچھ آپ نے کہا میں نے اسے دل سے یقین کیا۔ اب مجھے آپ کی طرف سے کسی دھوکے یا نقصان کا خوف نہیں۔ صحرا کے اکثر راہبوں کا حال سُنتی رہی ہوں۔ انطونی اور پال کے سوانح سُن کر مجھے سخت حیرت ہوئی تھی۔ اور آپ کا نام بھی میں نے سُنا تھا۔ کسی نے کہا تھا کہ گو آپ ابھی جوان ہیں لیکن بڑے بڑے مُسن راہبوں سے نیک بختی میں بڑھے ہوئے ہیں۔ گو نام کے سوا اور کچھ نہ جانتی تھی لیکن اسوقت صورت دیکھتے ہی سمجھی تھی کہ آپ کوئی معمولی شخص نہیں ہیں۔ کیا میرے حق میں آپ کوئی تدبیر ایسی کرسکتے ہیں جو سرمیس[۲۲] اور رجوتو[۲۳] کے مُجاوروں اور کالڈیا اور بابل کے ساحروں سے بھی بن نہ پڑی۔ اے راہب اگر آپ کو مجھ سے عشق ہے تو کوئی بات ایسی کیجئے کہ

مجھے موت نہ آئے۔"

پفنوتوس نے جواب دیا۔ "اے عورت سُن لے۔ صرف وہ ہی لوگ زندہ رہ سکتے ہیں جو زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ دُنیا کی ناپاک لذتوں سے جو ہمیشہ کی موت ہیں پرہیز کر۔ اپنے جسم کو جسے خدا نے بنایا تھا اور اپنی روح اس میں دم کی تھی شیاطین کے قبضے سے نکال کیونکہ وہ ایک دن اسے نہایت بے دردی سے جلا ڈالیں گے۔ دُنیا کی تھکن سے تو نڈھال ہو رہی ہے۔ آ۔ تنہائی اور عزلت کی روح پرور ہوا میں تازگی حاصل کر۔ اور صحرا کے اُن پوشیدہ چشموں سے سیراب ہو جو آسمان سے بہتے ہوئے آتے ہیں۔ اے روح مُضطر آ۔ اور اپنی مُراد کو پہنچ۔ اے لذت و عیش کے دل حریص آ۔ اور اصلی خوشی۔ مفلسی۔ ترک دنیا اور خودی کو بھولنے اور مسیح کی آغوش میں اپنی ہستی کو فنا کر دینے کا مزہ چکھ۔ آ۔ اے دشمن مسیح جو عنقریب مسیح کا محبوب بننے والا ہے۔ آ۔ اے ڈھونڈنے والے اس سے مل جسے تو ڈھونڈتا ہے اور جب تو اس سے ملے گا تو کہے گا کہ "ہاں آج عشقِ حقیقی حاصل ہو گیا۔"

تائیس کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی دُور کی بات سوچ رہی ہے۔ پوچھنے لگی کہ:-

"اگر میں دُنیائی لذتوں سے تائب ہو جاؤں۔ اور اُن سے قطعی توبہ کرلوں تو کیا یہ سچ ہے کہ اسی جسم اور اسی حُسن کے ساتھ آسمان پر پھر پیدا ہونگی۔"

پفنوتوس نے جواب دیا۔ "تائیس۔ میں تیرے لئے ہمیشہ کی زندگی لایا ہوں میرا یقین کر کیونکہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ سچ ہے۔"

تائیس۔ "یہ دُرست ہے۔ مگر اس کی سند کیا ہے کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ سب سچ ہے۔"

پفنوتوس۔ "داؤد اور مسیح کے رسول۔ انجیلیں۔ اور وہ حیرت انگیز چیزیں جو تو مشاہدہ کرے گی میرے قول کی سند ہیں۔"

تائیس۔ "میں آپ کا یقین کرتی ہوں۔ اس دُنیا میں مجھے خوشی کبھی نصیب نہیں

ہوئی۔ گو میری قسمت بادشاہ زادیوں سے بھی بہتر ہوئی۔ لیکن جیتے جی ایسی ایسی تکلیفیں اُٹھائی ہیں کہ ان کو سہتے سہتے اب ہار گئی ہوں۔ کوئی عورت ایسی نہیں جس کو مجھ پر رشک نہ آتا ہو۔ لیکن بہ احوال یہ ہے کہ شہر کے دروازے میں جو پوپلی بڑھیا کبھی شہد بیچا کرتی تھی اس کی حالت کو اپنی حالت سے بہتر سمجھتی ہوں۔ اب تو یہ خیال دل میں رہتا ہے کہ غریب اور مفلس ہی سب سے اچھے ہیں یہی سب سے زیادہ خوش نصیب ہیں۔ اور ان ہی کو سب سے زیادہ خیر و برکت ملی ہے۔ عاجزی اور فروتنی کی زندگی میں جو تسلّی ہے وہ کسی اور زندگی میں نہیں۔ آپ کی توجہ سے میری روح پر جو طوفانی موجیں اُٹھ رہی تھیں وہ دب گئی ہیں اور جو چیزیں تہ میں بیٹھی ہوئی تھیں اب وہ سطح پر آنے لگی ہیں۔ افسوس۔ صد افسوس۔ کس پر ایمان لاؤں۔ میرا کیا درجہ ہونے والا ہے۔ یہ زندگی آخر کیا چیز ہے؟"

تائیس جس وقت یہ کلمے زبان سے نکال رہی تھی پفنوتوس بالکل حیرت زدہ ہو کر اس کی صورت دیکھتا تھا اور خود اس کے چہرے پر ایک روحانی مسرّت کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔

پفنوتوس "تائیس۔ میں تیرے گھر میں اکیلا نہیں آیا ہوں۔ ایک اور بھی میرے ساتھ ہے جو میرے پہلو میں کھڑا ہے۔ اس کو تو دیکھ نہیں سکتی۔ کیونکہ تیری آنکھیں ابھی تک اس کو دیکھنے کی قابلیت نہیں رکھتیں۔ لیکن وہ جلد اپنی پوری شان دلربائی میں تجھ پر ظاہر ہوگا اور تو اُسے دیکھتے ہی کہہ اُٹھیگی کہ "ہاں عشق و محبت کے لائق یہی ہے"۔ ابھی ابھی کی بات ہے کہ اگر وہ اپنا دست کرم میری آنکھوں پر نہ رکھ دیتا تو میں تیرے ساتھ ایک سخت گناہ کا مرتکب ہو جاتا۔ کیونکہ طبیعت کی کمزوری اور پریشانی کا میں ایک مجسّم نمونہ ہوں۔ لیکن اُس نے ہم دونوں کو ایک گناہ سے بچا لیا۔ جیسا وہ نیک ہے ایسا ہی صاحب قوت بھی ہے۔ اس کا نام نجات کا دینے والا ہے۔ دُنیا میں اس کے آنے کی خبر توریت میں داؤد نے اور روما کی غیب داں عورتوں نے اپنی سحر کی کتابوں میں دی تھی۔ جس وقت وہ اپنے گہوارے میں پڑا

تھا تو چڑھا ہوا اور ساحروں نے آکر اسے سجدہ کیا تھا۔ فریسیوں نے اسے مصلوب کیا۔
پاک عورتوں نے اسے دفن کیا۔ اس کے رسولوں نے ملہم ہو کر دُنیا میں اُس کی منادی
کی۔ اور اس کے شہیدوں نے اس پر گواہی دی۔ یہ معلوم کر کے کہ تجھے موت سے ڈر
لگتا ہے میں اس وقت تیرے گھر میں موجود ہوں تاکہ تجھے موت سے بچالوں۔ اے
یسوع کیا تو اس وقت مجھ پر اسی طرح ظاہر نہیں ہوا تھا جیسا کہ شروع میں جلیل کے
لوگوں پر ظاہر ہوا تھا جبکہ آسمان سے ٹوٹتے ہوئے ستارے تیرے ساتھ ساتھ زمین پر
اُترے ہیں لنتے نیچے ہو گئے تھے کہ بیت اللحم کی چھتوں پر ماؤں کی گودوں میں کھیلتے
ہوئے بچوں نے اپنے ہاتھوں سے ان چمکتے تاروں کو پکڑ لیا تھا۔ اے یسوع کیا ہم
دونوں اس وقت تیری حضور میں نہیں ہیں اور کیا تو اپنے وجود ظاہر کی اصلیت ہم
پر اس وقت روشن نہیں کر رہا ہے۔ کیا تیرا چہرہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ کیا وہ آنسو
جو تائیس کے رُخسار پر ڈھلک رہا ہو اشکِ حقیقی نہیں ہے۔ ہاں ہاں۔ انصاف کا
فرشتہ اس آنسو کو لے گا اور وہی اشک تائیس کی روح کا فدیہ ہو جائے گا۔ اے
یسوع کیا تو یہاں نہیں ہے۔ تیرے لب جو لائقِ پرستش ہیں کھلتے ہوئے معلوم ہوتے
ہیں۔ تو بول سکتا ہے۔ فرما۔ میں سُنتا ہوں۔ اور اے تائیس خوش نصیب عورت
سُن کہ نجات کا دینے والا خود تجھ سے کیا کہتا ہے۔ وہی بول رہا ہے۔ میں نہیں
بولتا۔ وہ کہتا ہے۔ "اے میری رستہ بھولی بھیڑ میں نے تجھے ڈھونڈ لیا۔ آخر کار تو
مجھے مل گئی۔ اب مجھ سے نہ بھاگیو۔ میرا ہاتھ پکڑ لے۔ میں تجھے اپنے کندھوں پر اُٹھا کر
آسمان کے حظیرے میں پہنچا دونگا۔"

اِن جملوں کو ادا کرتے کرتے پفنوتوس پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور اس نے
اپنے گھٹنے زمین پر ٹیک دیئے۔

تائیس نے دیکھا کہ راہب کے چہرے پر یسوع زندہ کی شکل جھلک رہی ہے۔
فوراً زار و قطار رو کر کہنے لگی:۔

"اے میرے بچپن کے بیتے دنوں۔ اے میرے روحانی باپ احمس جس نے صلیب پر اپنے

دین کی شہادت دی۔ میں بدنصیب اُسی دن کیوں نہ مرگئی جس دن تو مجھے اصطباغ دلواکر اپنی گود میں اُٹھائے اور اپنے پیرہن میں لپیٹے نور کے تڑکے گھر لایا تھا۔"

پفنوتوس یہ آخری جملہ سُن کر چونک پڑا اور چلا کر کہنے لگا۔

"تائیس۔ کیا تجھے اصطباغ مِل چُکا ہے......... اے عقل ربّی۔ اے حکمت الٰہی۔ تیری کارسازی کے قربان۔ اب معلوم ہوا کہ وہ کیا قوت تھی جو تائیس کے پاس مجھے لائی۔ جس نے تائیس کو میری نظروں میں ایسا حسین اور پیارا بنا دیا۔ تائیس یہ اصطباغ کے پانے کا فیض تھا جس نے مجھے مجبور کیا کہ خدا کا سایہ چھوڑ کر جس میں میں رہا کرتا تھا۔ تجھے ڈھونڈتا ہوا اس دیرِ خرابات میں آؤں جس کی ہوا میں زہر ملا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ جس پانی سے تجھے اصطباغ ملا تھا اس کی کوئی چھینٹ میری پیشانی تک بھی پہنچی تھی۔ آ۔ میری بہن اپنے بھائی کے لبوں کو اپنی پیشانی کا بوسہ دے۔"

اس طرح ایک راہبِ پاک باز نے ایک فاحشہ کی پیشانی کا بوسہ لیا۔

اس کے بعد پفنوتوس چُپ رہا کہ خدا کچھ بولیگا۔ مگر تائیس کے رونے اور سسکیوں کے سوا جن میں پانی کی چادر چھُٹنے کی آواز بھی شامل تھی اس پریوں والے خلوت خانے میں اور کوئی صدا نہ سُنائی دی۔

تائیس روتی رہی۔ آنسو تک نہ پونچھے۔ اتنے میں اس کی حبشن کنیز بناؤ سنگھار کا سامان عطر اور پھولوں کے ہار لئے اندر آئی۔

کنیز کو دیکھتے ہی تائیس نے مسکرانے کی کوشش کرکے دل میں کہا۔ "رونا ٹھیک نہیں ہے۔ آنسوؤں سے آنکھیں میلی ہو جاتی ہیں اور ان کا رنگ پھیکا پڑجاتا ہے۔ آج رات کو بہت سے دوستوں کے ساتھ ایک ضیافت میں شریک ہونے خوب بن سنور کر جانا ہے کیونکہ وہاں عورتیں بھی ہونگی۔ اگر ذرا بھی صورت مضمحل معلوم ہوئی تو کہیں گی معلوم نہیں کیا بات ہوتی ہے۔ بابا۔ یہ لونڈیاں مجھ کو کپڑے پہنانے آئی ہیں۔ آپ ذرا ہٹ جائیں۔ یہ دونوں اپنے اپنے کام میں بڑی ہوشیار اور تمیز دار

ہیں۔ ہیں نے انہیں بڑے داموں ہیں مول لیا تھا۔ یہ چھوکری جس کے کانوں میں سونے کے بالے پڑے ہیں اور اُجلے اُجلے دانت نکوسے کھڑی ہے اس کو ہیں نے حاکم مصر کی بیگم سے خریدا تھا۔"

پہلے تو پفنوتوس نے سوچا کہ تائیس کو ضیافت میں ہرگز نہ جانے دے۔ پھر احتیاط سے کام لینا مناسب سمجھا اور پوچھنے لگا کہ "وہاں کن لوگوں سے ملاقات ہوگی"۔

تائیس نے جواب دیا کہ اس ضیافت میں میزبان تو لوقس فرطا امیر اسا طیل ہی اور جو لوگ مدعو ہیں اُن میں نیکیاس کے علاوہ اور کئی فلسفی ہیں۔ شاعر قلقراطیس اور سرآپیس کا سردار کاہن اور چند نوجوان جن کو گھوڑوں کا بہت شوق ہی وہاں ہونگے کچھ عورتیں بھی ہونگی۔ جن کی نسبت صرف اتنا بتانا کافی ہی کہ ان کا حسن ان کی سب سے بڑی تعریف ہے۔"

اتنا سُن کر پفنوتوس نے ایسے لہجے میں جو حالت جذب میں کسی کے منہ سے نکلے کہا۔ "اُن لوگوں میں جا۔ تائیس۔ جا۔ مگر میں تیرا ساتھ نہ چھوڑونگا۔ میں اس ضیافت میں تیرے ساتھ چلونگا اور تیرے پہلو میں خاموش بیٹھا رہونگا۔"

یہ سُن کر تائیس نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگی۔

"جب لوگ دیکھیں گے کہ طیبی کا ایک راہب مجھ پر عاشق ہوا ہے تو دل میں کیا کہیں گے۔"

ضیافت

جس وقت تائیس لفنوتوس کو ساتھ لئے ضیافت کے عالیشان کمرے میں پہنچی تو سب مہمان جمع ہو چکے تھے۔ کمرے کے بیچ میں ایک گول میز بچھی تھی اور اس کے کنارے نہایت پُر تکلف کوچوں پر لوگ تکیے لگائے بیٹھے تھے۔ کھانے کی میز پر چمکتے ہوئے برتن چُنے تھے اور ان کے بیچ میں چاندی کا ایک نہایت خوشنما اُونچا ظرف تھا جس کے چاروں گوشوں پر چار مورتیں چھوٹے چھوٹے مشکیزوں سے نیچے ایک طاس میں سرکہ ڈال رہی تھیں اور طاس میں جوش کی ہوئی مچھلیاں سرکہ میں تیر رہی تھیں۔ تائیس کو دیکھتے ہی سب مہمانوں نے تعریف کے جملوں کے ساتھ اس طرح اسے سلام کرنے شروع کئے۔

"دنیا کی سجانے اور سنوارنے والی دیبیوں کی ماں جائی کو سلام"

"خاموش دیبی پلومینی کو سلام جس کی نگاہیں سب کچھ کہہ جاتی ہیں۔ اور جس کی چتون میں پریم کی ساری کتھا بھری ہے"

"دیوتاؤں اور آدمیوں کی محبوبہ کو سلام"

"سلام اس کو جس کے سب مشتاق ہیں"

"اور اُس کو جو درد پیدا کر کے خود ہی درد کی دوا بنتی ہے"

"اور اُس کو جو رقوطش کا انمول موتی ہے"

"اور اُس کو جو اسکندریہ کا گلاب ہے"

تائیس گھبرائی ہوئی یہ سب تعریفیں سنتی رہی اور جب وہ ختم ہوئیں تو میزبان

کی طرف بڑھ کر کہنے لگی:۔

"لوقس۔ میں صحرا سے ایک بڑے راہب کو اپنے ساتھ لائی ہوں۔ ان کا نام پفنوتوس ہے اور یہ انصینو کے قسیس بھی ہیں۔ بڑے خدا رسیدہ بزرگ ہیں اور تقریر میں وہ سوز ہے کہ جو لفظ منہ سے نکلتا ہے آگ کا ایک شرارہ ہوتا ہے۔"

لوقس ارلس قرطا امیر اساطیل اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اور کہنے لگا۔ "پفنوتوس۔ شیدائے دین عیسوی۔ آپ کا تشریف لانا ہمارے لئے مبارک ہے۔ جو دین ہمارے شہنشاہ کا مذہب ہو چکا ہو اس کی عزت میں تہ دل سے کرتا ہوں۔ آپ کے مذہب والوں کو ہمارے قیصر قسطنطین نے سلطنت کے ہواخواہوں میں سب سے اونچا درجہ دیا تھا۔ لاطینی عقل و دانش کے لئے لازم تھا کہ وہ جناب مسیح کو اپنی بزم اصنام میں جگہ دے۔ ہمارے بزرگوں کا مقولہ ہے کہ ہر دیوتا میں کوئی نہ کوئی خدائی صفت موجود ہوتی ہے۔ لیکن اس وقت اس گفتگو کا کیا موقع ہے۔ آیئے شراب پئیں اور خوش ہوں۔ کیونکہ ابھی پیمانۂ عمر لبریز نہیں ہوا ہے۔"

میزبان نے یہ باتیں بہت ہی خوش ہو کر سرور اور اطمینان کی حالت میں کہی تھیں۔ آج دن کو وہ ایک جنگی جہاز کے نئے نمونے پر غور کر رہا تھا اور تاریخ قرطاجنہ کا چھٹا باب بھی آج ہی لکھ کر ختم کیا تھا۔ اس خیال سے کہ دن ضائع نہیں ہوا اس وقت ہر چیز سے مطمئن اور خوش تھا۔ پفنوتوس سے کہنے لگا:۔

"اے راہب صحرا نشین۔ آپ یہاں بہت سی صورتیں دیکھتے ہیں جو حقیقت میں ملنے اور محبت کے لائق ہیں۔" پھر ایک ایک مہمان کی طرف اشارہ کر کے انکی تقریب اس طرح کرائی۔ "آپ ہرموڈس صنم خانہ سراپس کے کاہن اعظم ہیں اور ان صاحبوں میں آپ دوریاں۔ آپ نیکیاس۔ اور آپ زینو تھمیس مشہور فلسفی ہیں۔ اور آپ قلفراطیس شاعر بے بدل ہیں۔ یہ دونوں خوشرو نوجوان کاراس اور ارسطوبلس میری جوانی کے ایک بڑے عزیز دوست کے فرزند ہیں اور انکے قریب ہی نازنین فلانیا دروشہ بیٹھی ہیں۔ یہ اپنے اپنے حسن و جمال میں شہرۂ آفاق ہیں۔"

اتنے میں نیکیاس نے لیفنوتوس کو دیکھ لیا۔ فوراً اٹھا اور دوڑ کر بغل گیر ہوا اور کان میں کہنے لگا:۔

"کیوں مشفق میں نہ کہتا تھا کہ حسن و عشق کی دیبی وینس بڑی زبردست ہے دیکھئے اسے آپ نے یونہی سا خفا کیا تھا کہ آپ کی سب پارسائی بالائے طاق رہ گئی اور آپ بہ نفس نفیس اس محفل میں رونق افروز ہو گئے۔ عابد و زاہد ہونے میں آپکے بھلا کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ مگر اتنا یاد رہے کہ اگر حسن و عشق کی دیبی کو سب دیوتاؤں کی مار سمجھ کر نہ پوجا تو بہت جلد آپ کا تہس نہس ہو جائیگا۔ شاید آپ نے نہ سنا ہوگا۔ میلانطوس ایک بڑا ریاضی داں گذرا ہے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر وینس میری مدد نہ کرتی تو میں ایک مثلث کے خواص تک نہ بیان کر سکتا۔"

دوریان کچھ دیر سے لیفنوتوس کو غور سے دیکھ رہا تھا کہ دفعتاً بول اٹھا "آہا حضرات۔ یہ تو وہی بزرگ ہیں۔ آنکھیں۔ ڈاڑھی۔ یہ بھڑکیلی پوشش۔ سب چیزیں بتا رہی ہیں کہ آج ہی صبح تماشا خانے میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ تائیس اس وقت اپنے گورے گورے بازوؤں سے بڑے بڑے کمال دکھا رہی تھی۔ آپ کے قلب کی حالت تو اس وقت جو کچھ ہو مگر اس کی گواہی دینے کو تیار ہوں کہ آپ کی زبان سے جو لفظ نکلتا تھا اس میں بلا کا جوش و خروش ہوتا تھا۔ آپ کا زہد و ورع بھی قیامت کا ہے کوئی دم جاتا ہے کہ سب ملعون و مردود قرار پائینگے۔ رہی آپکی فصاحت و بلاغت تو اس کو بھی قہر خدا کا ایک نمونہ سمجھئے۔ اگر علامہ مرقوس عیسائیوں کا افلاطون ہے تو آپ بھی دیموس[۲۵] تھینس سے کم نہیں۔ آج آپ کی زبان سے وہ وہ تقریریں سنی ہیں کہ حکیم ابی قور[۲۶] کے خانہ باغ میں بھی کبھی نہ سنی تھیں۔"

فانیہ اور دروشہ دونوں حسین عورتیں تائیس کو اپنی نظروں سے کھائی جاتی تھیں۔ تائیس اس وقت اپنے سر کے خوشرنگ بالوں کے جوڑے پر بنفشہ کے پھولوں کا ایک تاج رکھے تھی جس کا ہر پھول اپنا رنگ دکھا کر انکسار کے ساتھ تائیس کی آنکھوں کا رنگ بتاتا تھا۔ یہاں تک کہ پھول ایک چشم نیم باز کی نگاہیں اور آنکھیں چمکتے پھول

معلوم ہوتے تھے۔ اس نازنین میں یہ بات خداداد تھی کہ جو چیز پہن لیتی اس میں جان پڑ جاتی اور زیبائی اور موزونیت اس پر ختم تھی۔ ارغوانی لباس پر روپہلی کام تھا لباس کی حرکت اور شکن حسن کے ساتھ افسردگی بھی ظاہر کرتے تھے۔ برہنہ گلو اور ساعد جن پر کوئی زیور نہ تھا لباس کی اصلی رونق تھے۔ فانیہ اور دروشہ جن کو اپنی خوبروئی پر کچھ کم ناز نہ تھا تائیس کے لباس اور بناؤ کی دل میں تعریف کرتی تھیں گو منہ سے کچھ نہ کہتی تھیں۔

آخرکار فانیہ بولی "تائیس۔ آج تو تم پر بلا کا جوبن ٹوٹ پڑا ہے۔ یہ بات تو اس وقت بھی نہ تھی جب شروع شروع میں تم یہاں آئی ہو۔ میری اماں کو تمہارا اس شہر میں آنا خوب یاد تھا۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ اسکندریہ میں ایک عورت بھی ایسی نہ تھی جس سے تمہاری خوبصورتی کا مقابلہ کرنا ممکن ہوتا۔"

اتنے میں دروشہ کہنے لگی۔ "یہ تو فرمائیے کہ یہ آپ کے نئے چاہنے والے کون بلا ہیں۔ عجیب وحشی صورت پائی ہے۔ ہاتھیوں کے رکھوالے شاید اسی شکل وصورت کے ہوا کرتے ہونگے۔ تائیس۔ بتاؤ تو انہیں کہاں سے پکڑ لائی ہو۔ یہ پہاڑی غاروں والے کہیں تخت الثریٰ میں دوزخ کے پاس تو نہیں رہتے تھے جو دھوئیں سے منہ پر اتنی کلونس چڑھی ہے۔"

فانیہ نے جھٹ دروشہ کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھکر کہا:۔

"چپ رہو عشق ومحبت کی باتیں راز کی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ وہ کسی پر ظاہر نہیں کی جاتیں اور ان کو پوچھنا بھی درست نہیں۔ ہاں اگر کسی نے مجھ سے پوچھا تو یہی کہوں گی کہ اگر کوئی آتش فشاں پہاڑ بوسہ لینے کو منہ بڑھائے تو مضائقہ نہ ہوگا مگر اس صحرائی کو کبھی پاس نہ پھٹکنے دونگی۔ رہیں ہماری خوبصورت نازک اندام تائیس تو ان کی کیا بات ہے۔ ان کا حسن تو ایک دیبی کے حسن کی طرح پوجنے کے لائق ہے اور ایک دیبی ہی کی طرح وہ سب کی التجا قبول بھی کر لیتی ہیں۔ ہمارا تمہارا سا حال نہیں ہے کہ صرف ان ہی سے پرچتے ہیں جن کو اپنی محبت کے لائق پاتے ہیں۔"

تائیس بولی۔ "دیکھو دونوں خبردار رہو۔ یہ ڈاڑھی والے بڑے جادوگر ہیں۔ ان کو بیسیوں طلسم یاد ہیں۔ تم کتنی ہی چُپکے چُپکے باتیں کرو یا دل میں خیال کرو ان پر سب حال کُھل جاتا ہے۔ کسی دن سوتے میں سینہ چاک کرکے دل نکال لیں گے۔ اور اس کی جگہ اسفنج کا ایک ٹکڑا رکھ دینگے۔ دوسرے دن جب پانی پیوگی تو دم گھُٹ کر مر جاؤ گی۔"

"احباب پُرتمکین۔ اپنی اپنی جگہ تشریف لے آیئے۔ غلاموں نے کلرنگ سے ساغر بھر دیے۔"

میزبان کے یہ جملے سُنتے ہی سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر آ گئے۔ اور اب اس نے اپنا جامِ شراب اُٹھا کر کہا۔

"سب سے پہلا جامِ صحت شہنشاہ قسطنطیوس کے نام سے نوش فرمایئے جو سلطنت قیصری کی روح رواں ہے۔ پھر اپنے آبائی ملک کا درجہ ہے جو دیوتاؤں پر بھی سبقت رکھتا ہے کیونکہ خود دیوتا اُس میں رہتے ہیں۔"

تمام حاضرین نے اپنے اپنے لبریز ساغر اُٹھا کر نوش کئے۔ لیفنوئوس نے کسی کا جام صحت نہ پیا۔ کیونکہ شہنشاہ وقت اس کے نزدیک وہ تھا جس نے مجمع نیقیہ کے مسیحی عقائد والوں پر ظلم و ستم کئے تھے اور عیسائیوں کا آبائی ملک آسمان بتانا کہ دنیا۔

دوریان نے جامِ صحت پینے کے بعد دبی زبان سے کہا:۔

"آبائی ملک آخر کیا چیز ہے۔ ایک بہتا دریا ہے جس کے کنارے بدلتے رہتے ہیں اور جس کی سطح پر موجیں تھپیڑے مارا کرتی ہیں۔"

اتنا سُن کر کوٹس امیر اساطیل بولا۔ "دوریان۔ مجھے معلوم ہے کہ سیاسی نیکیوں کی آپ بہت کم پروا کرتے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ عاقلوں کو دُنیا کے کاروبار سے علیحدہ رہنا چاہیئے۔ میرا خیال اس کے برعکس ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر شخص جو عزت کا خواہاں ہو اُس کی یہی آرزو ہونی چاہیئے کہ سلطنت کے مناصب جلیلہ حاصل کرے۔ حکومت و سیاست کے برابر کوئی دلکش چیز دُنیا میں نہیں ہے۔"

اس پر ہرمودس بُت خانہ سراتپس کا کاہن بولا۔ "دوریان کا سوال یہ تھا کہ آبائی ملک کیا چیز ہے۔ میرا جواب یہ ہے کہ جہاں اپنے دیوتاؤں کے استھان اور بزرگوں کی چھتریاں ہوں وہ ہی باپ دادا کا ملک ہے۔ اپنے مشاہیر اور اکابر اور ان سے اپنے تعلقات اور آپس کی وابستہ توقعات ہی انسان کو انسان کا ہم وطن بناتی ہیں۔"

ہرمودس کی بات کو کاٹ کر ارسطوبلس کہنے لگا:-

"حضرات۔ آج میں نے ایک بہت ہی نفیس گھوڑا دیکھا ہے۔ اس کا مالک دیموفون ہے۔ یہ جانور سر کا لمبوترا۔ سینے کا بہت خوبصورت ہے۔ منہ اٹھا کر خروس کی طرح مغرور بن کر چلتا ہے۔"

اس پر کارآس نے سر ہلا کر کہا:-

"ارسطوبلس۔ اس جانور کو جیسا تم نے سمجھ رکھا ہے ویسا نہیں ہے۔ کھر چھوٹے ہیں۔ کانچیاں جھکی ہوئی ہیں۔ بہت جلد لنگ کرنے لگے گا۔"

دونوں میں خوب بحث ہونے لگی تھی کہ درونشہ نے دفعتاً ایک چیخ ماری اور کہنے لگی:-

"اے غضب ہو گیا تھا ابھی ابھی پیٹی کا ایک کانٹا خنجر سے زیادہ تیز حلق میں اٹکا تھا۔ خیریت ہوئی کہ نکل گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دیوتاؤں کو مجھ سے الفت ہے۔"

نیکیاس سُن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا "آپ فرماتی تھیں کہ دیوتاؤں کو آپ سے الفت ہے۔ اگر یہ بات ہے تو انسان کی طرح وہ بھی کمزور ہیں کیونکہ عاشق کیلئے ہمیشہ کی مصیبتیں لازمی ہیں۔ اور مصیبت کا آنا ہر ذی حیات کی کمزوری ثابت کرتا ہے بس جن دیوتاؤں کو درونشہ سے الفت ہے وہ کمال سے عاری ہیں۔"

اس گفتگو پر درونشہ جل گئی اور کہنے لگی:-

"نیکیاس۔ جو کچھ آپ نے فرمایا سراسر حماقت ہے۔ اور نہ کسی سوال کا وہ جواب ہے۔ علاوہ اس کے آپ میں بڑا وصف یہ ہے کہ دوسرا جو کچھ کہے اُسے سمجھیں نہیں

اور خود جو کہیں اُس میں کوئی بات سمجھ کی نہ ہو۔"

نیکیاس ہنس کر بولا :-

"دروشہ کہے جاؤ۔ اس سے مطلب نہیں کہ کیا کہتی ہو۔ جس وقت تمہارا مُنہ کھُلے فوراً سب کو شکر گذار ہونا چاہیئے۔ کیونکہ تمہارے دانت بہت ہی خوبصورت ہیں۔"

اس موقع پر ایک بڑی بُردبار صورت کا بڈھا لباس بے احتیاطی سے پہنے مگر انداز میں خودداری آہستہ قدم ضیافت کے کمرے میں داخل ہو کر مہمانوں کی طرف بڑھا۔ لوقس نے فوراً اشارہ کر کے اس کو اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا :-

"اقریطوس۔ مبارک ہیں آپ کے قدم۔ فرمایئے اس مہینے میں کوئی نیا رسالہ شائع کیا۔ میرے حساب سے تو یہ آپ کا بارھواں رسالہ ہوگا جسے داودی نیل کے قلم نے ایک باکمال یونانی کے ہاتھ میں آکر حسنِ تحریر بخشا ہوگا۔"

اقریطوس نے اپنی سپید ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا :-

"بُلبل کا کام چہکنا اور میرا کام ازلی دیوتاؤں کو سراہنا ہے۔"

دوریان نے فوراً مہمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "صاحبو۔ آداب بجا لاؤ۔ آپ اقریطوس۔ بڑے واجب التعظیم بزرگ ہیں۔ رواقی حکماء میں بس اب آپ ہی کا دم باقی ہے۔ سپیدہ پیری کے نور میں آج اس طرح ظاہر ہوئے ہیں جیسے اسلاف کی روحوں میں سے کوئی روح دفعتاً نمودار ہو۔ اس دُنیا کی بھیڑ میں آپ سب سے الگ ہیں اور جو کچھ فرماتے ہیں وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔"

اقریطوس۔ "دوریان تم غلطی پر ہو۔ فلسفہ خیر دُنیا سے معدوم نہیں ہوا اسکندریہ روما۔ قسطنطنیہ میں میرے بہت سے شاگرد موجود ہیں۔ قیصروں کے عزیزوں اور غلاموں میں بہت سے ایسے ہیں جو اپنے اپنے نفس کو قابو میں لا کر آزاد رہنا اور پرہیزگاری سے بے انتہا مسرت اُٹھانا جانتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو حکیم ایپک طب طوس اور مرقس اریوس کو اپنے میں زندہ پاتے ہیں لیکن اگر یہ سچ بھی

ہو کہ خیر دُنیا سے ناپید ا ہو جائے گی تو ہو جائے۔ اس سے ہماری مسرّت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے کیونکہ خیر کی مدّت کہ کب تک وہ رہے گی اور کب نہ رہے گی مجھ پر موقوف نہیں ہے۔ دوربان وہ لوگ احمق ہیں جو مسرت کو اپنے اختیار سے باہر جانتے ہیں۔ دیوتاؤں کی مشیّت میں جو چیز نہیں اس کی مجھے خواہش نہیں اور جو کچھ ان کی مشیّت میں ہے وہ سب میری خواہش ہے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے میں دیوتاؤں کی مانند ہو سکتا ہوں اور ان ہی کا سا استغنا مجھ میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر خیر یا نیکی مرنا چاہے تو میں اس کی موت پر راضی ہوں اور اس رضامندی میں مجھ کو وہی مسرّت ملتی ہے جو اپنی عقل وہمت کی انتہائی کوشش میں حاصل ہو سکتی ہے۔ تمام باتوں میں میری عقل حکمت الٰہی کی نقل اتارنا چاہتی ہے اور میری یہ نقل اصل سے زیادہ قیمتی ہو کیونکہ اسمیں محنت و احتیاط زیادہ درکار ہے۔"

نیکیاس:۔" اچھا میں سمجھا آپ ربّانیت میں شرکت چاہتے ہیں لیکن افریطوس اگر خیر سے مُراد کوشش اور وہ جدوجہد ہے جس سے حکیم زینو کے تلامذہ دیوتاؤں کی مانند ہو جانے کا دعوے کرتے ہیں تو پھر ایک مینڈک جو اپنے تئیں پھلاتے پھلاتے بیل کے برابر بنا دے وہ آپ کے نزدیک حکمت رواقیین کی ایک صفت بالغہ کا نمونہ ہوگا۔"

افریطوس:۔" نیکیاس۔ تم کو تو مذاق سوجھتا ہے حسب عادت ہر چیز کی ہنسی اُڑانے میں اُستاد بننا چاہتے ہو۔ لیکن جس بیل کو آپ اس بحث میں لائے ہیں اگر حقیقت میں وہ کوئی دیوتا ہے جیسے کہ ایپس اور تحت الثرے والے بیل جن کے پوجاری یہاں موجود ہیں دیوتا مانے جاتے ہیں اور اگر مینڈک اپنی عقل سے متاثر ہو کر اپنے تئیں بیل کے برابر بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہو تو کیا یہ مینڈک فی الواقع اس بیل سے زیادہ صاحب خیر نہیں مانا جا سکتا اور وہ کون ہے جو ایسے ہمت والے چھوٹے سے جانور کی تعریف میں لوگوں کی زبان بند کر سکتا ہے؟"

اتنے میں چار نوکر ایک بہت بڑے جانور کا مسلّم کباب لئے کمرے میں آئے اور اس کے ساتھ اور عجیب عجیب شکل کے کھانے اُنھوں نے میز پر چُن دئے۔

زنیو تھمس فلسفی نے راہب کی طرف اشارہ کرکے لوقس میزبان سے کہا کہ "یہ صاحب خود ہی ضیافت میں تشریف لائے ہیں۔ آپ مشہور رفینوتوس ہیں جو صحرا کی تنہائی میں حیرت انگیز زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپ کا قدم رنجہ فرمانا ہمارے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔"

لوقس نے کہا۔ "زنیو تھمس۔ ان مہمان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہیئے اس بزمِ احباب میں پہلی جگہ آپ ہی کیلئے ہے کیونکہ آپ نے بلا مدعو ہوئے ہم پر کرم فرمایا ہے۔"

زنیو تھمس فلسفی۔ "لوقس۔ یہ آپ نے بجا فرمایا۔ ان بزرگ کی خاطر و مدارات اور جو چیز ان کو مرغوب ہو اس کا معلوم کرنا ہمارا عین فرض ہے کیونکہ کھانوں کی خوشبو نہیں بلکہ پاکیزہ خیالات کی شمیم آپ کی روح کو محظوظ کر سکتی ہے پس آپ کی مدارات اسی میں ہے کہ جس مذہب کو آپ مانتے ہیں یعنی مسیح مصلوب کے بارے میں گفتگو کی جائے۔ ذاتی طور پر میں اس بحث میں نہایت خوشی سے شریک ہونگا کیونکہ آپکا مذہب تمثیلوں کی کثرت و نیرنگی کی وجہ سے میرے لئے خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ الفاظ میں جو معنی مخفی ہوتے ہیں اگر ان پر غور کیا جائے تو آپ کے دین میں حقائق بکثرت ہیں اور عیسائیوں کی کتابیں فی الواقع مکاشفات کا ایک مخزن ہیں لیکن یہودیوں کی کتابوں کی میں اتنی قدر نہیں کرتا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کتابوں کو خدا کی روح نے الہام کی شکل میں اتارا تھا مگر میں سمجھتا ہوں کہ وہ خدا کی روح نہ تھی بلکہ یہوواہ جس نے یہ کتابیں اتاریں ان ارواح میں سے تھا جو ہوا کے طبقہ اسفل میں رہتی ہیں اور جتنی بلائیں ہم پر آتی ہیں ان کا زیادہ تر باعث یہی روحیں ہوتی ہیں۔ مگر یہوواہ لاعلمی اور غضب میں ان روحوں سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ برعکس اس کے سنہری پروں والا سانپ جس کے زمردی پیچ و خم شجرِ علم کی شاخوں کو لپیٹے نظر آتے تھے فی الحقیقت عشق و نور سے مخلوق ہوا تھا۔ پس اس میں اور یہوواہ میں یعنی نور و ظلمت میں مقابلہ ہونا لازمی تھا۔ اور اس کی ابتدا اُس وقت سے ہوئی

کہ دُنیا بنا کر ابھی خدا نے آرام بھی نہیں کیا تھا۔ باغ عدن میں آدم و حوّا یعنی آفرینش کا پہلا مرد اور پہلی عورت بالکل برہنہ حالت میں خوش و آزاد رہنے لگے تھے کہ ان کی بدقسمتی کے آثار نمایاں ہوئے یعنی یہوواہ نے ان دونوں پر اور ان کی نسل پر جو بطنِ حوّا میں ودیعت ہو چکی تھی حکومت کرنے کا قصد کیا لیکن آلاتِ حکومت پاس نہ تھے۔ نہ ہاتھ میں پرکار تھی نہ بغل میں دو تارہ۔ نہ علوم سے واقف تھا جو دُنیا میں حکمراں ہیں اور نہ فنون جانتا تھا جن سے انسان کو ترقی ہوئی ہے۔ بس کچھ بن نہ پڑا تو ان دونوں معصوم جانوں کو سائے اور آسیب دکھا کر اور برق و باراں کے طوفان اُٹھا کر دھمکانا اور ڈرانا شروع کیا۔ آدم و حوّا نے جب دیکھا کہ یہوواہ کی نگاہ غضب ان پر پڑ رہی ہے اور حالت عتاب کی ہے تو وہ اور بھی پاس پاس رہنے لگے اور ایک سے دوسرا کبھی جُدا نہ ہوتا۔ اس حالت میں ان کی محبت دوچند ہو گئی۔ سانپ یہ کُل ماجرا دیکھتا تھا۔ اس کو ان دونوں پر رحم آیا اور اُس نے ارادہ کر لیا کہ جس طرح ہو ان کو علم سکھانا چاہیے کیونکہ علم حاصل کرنے کے بعد وہ جُھوٹ سے دھوکا نہ کھائیں گے۔ اس ارادہ کو عمل میں لانا کوئی آسان بات نہ تھی۔ آدم و حوّا کی کمزوری نے یہ کام اور بھی دشوار کر دیا۔ بہرکیف نیک نیت سانپ نے ان کو علم سکھانے کی کوشش کی۔ یہوواہ کو اسکی مطلق خبر نہ ہوئی گو دعویٰ یہ تھا کہ وہ سب کچھ دیکھتا ہے لیکن حقیقت میں اس کی بصارت کمزور تھی۔ بس سانپ آدم و حوّا کے پاس آیا اپنے سُنہری پہرول اور خوبصورت بلوں کا رنگ روپ دکھا کر پہلے تو ان کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور پھر ان کی طبیعتوں پر اس طرح اثر پہنچانا چاہا کہ زمین پر لوٹ لوٹ کر طرح طرح کے نقش بنائے۔ مثلاً دائرہ۔ بیضہ۔ لولبی کی شکلیں مرتسم کیں اور یہ اشکال ریاضیہ وہ ہیں جن کے عجیب خواص یونانیوں کے زمانے سے لے کر آج تک سب میں تسلیم ہوتے آئے ہیں۔ لیکن جب گفتگو شروع کی اور اس میں ایسے حقائق بیان کئے جن میں خود ان کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل موجود نہ تھی تو معلوم ہوا

کہ آدم جس کا خمیر سُرخ مٹی سے ہوا تھا علم کی باریک باتوں کو سمجھنے میں کُند ذہن ہے لیکن حوّا جو نازکی کے ساتھ تیز فہم بھی ہے ان کو آسانی سے سمجھ لیتی ہے۔ بس سانپ نے آدم کی عدم موجودگی میں حوّا سے باتیں اس نیت سے شروع کیں کہ اپنا پہلا شاگرد......"

دوریان:- "زنیوتمیس۔ معاف فرمایئے گا آپ کا قطع کلام ہوتا ہے۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ جس قصے کو آپ نے چھیڑا ہے وہ یونان کی دیبی پالاس ایتھینا اور بھوتوں کے قصے کی تمہید ہے۔ یہوواہ بہت کچھ تالفون سے مشابہ ہو اور ایتھنز والے پالاس دیبی کی جہاں شکل بناتے وہاں سانپ کی تصویر ضرور بنا دیتے تھے۔ لیکن جو کچھ آپ نے ابھی فرمایا اس سے مجھے سانپ کی عقل اور نیک نیتی میں جس کے آپ قائل معلوم ہوتے ہیں بہت شُبہ ہو گیا۔ اگر سانپ حقیقت میں عقل رکھتا تھا تو اُس کو زیبا نہ تھا کہ اپنی عقل کو ایک کمزور عورت کے دماغ میں بھرنے کی کوشش کرتا جس میں اس کی سمائی نہ تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہوواہ کی طرح سانپ بھی لاعلم اور برخود غلط بھی تھا اور اس نے حوّا کو اپنا مخاطب اس لئے بنایا تھا کہ عورت کو دھوکا دینا آسان سمجھتا تھا اور آدم کو غور و فکر میں حوّا سے بڑھ کر جانتا تھا۔"

زنیوتمیس فلسفی:- "دوریان۔ آپ سمجھتے ہیں کہ غور و فکر کی قوت زیادہ رکھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ حقائق اعلیٰ کا ادراک صرف جودتِ حواس سے ہوتا ہے۔ عورتوں میں غور کرنے کی قابلیت بالعموم کم ہوتی ہے۔ لیکن ان کے حواس مردوں سے زیادہ تیز ہوتے ہیں اس لئے خدا کی باتیں ان کی سمجھ میں آسانی سے آجاتی ہیں۔ ان میں پیش بینی کا مادہ بھی ہوتا ہے اور اس بنا پر آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مصوربے عقل نہ تھے جنہوں نے اپولو[29] اور یسوع ناصری کو اپنی تصویروں میں عورتوں کا سا نیچا لباس پہنایا تھا۔ آپ جیسا چاہے اختلاف کریں مگر یہ ماننا پڑیگا کہ سانپ جو آدم و حوّا کا معلّم بنا حقیقت میں اس اعتبار سے عاقل و زیرک تھا۔ کہ اس نے فروغِ نور کے لئے حوّا کو جو دودھ سے زیادہ اُجلی اور ستاروں سے زیادہ درخشاں تھی آدم پر جو غبی اور کم عقل تھا ترجیح دی۔ حوّا بھولی بھالی صورت سے سانپ کی باتیں

سُنتی رہی اور علم کے درخت تک جانا منظور کر لیا جس کی شاخیں آسمان تک بلند اور پھیلی ہوئی تھیں۔ اور روح مقدس ان پر اس طرح آسودہ تھی جیسے پتّوں پر اوس پڑی ہو۔ اس درخت میں ایسے پتے تھے جو آیندہ نسلوں کی زبانیں بولتے تھے۔ اور باوجود تنوع کے ان میں ہمنوائی موجود تھی۔ یہ درخت کثرت سے پھلتا تھا اور جو واقف اسرار ہو چکے تھے وہ اس کے پھلوں کو کھا کر معدنیات۔ حجریات۔ نباتات کے علموں اور تمام طبیعی اور اخلاقی قاعدوں سے واقف ہو جاتے تھے۔ لیکن یہ جس قدر پھل ہوتے تھے سب آتشیں ہوتے تھے۔ اور جو تکلیف اور موت سے ڈرتے تھے وہ ان کو اُٹھا کر اپنے مُنہ تک نہ لے جاتے تھے۔ سانپ سے تعلیم پا کر حوّا کو اس قسم کا کوئی خوف نہ رہا۔ اور اس نے ان پھلوں کو چکھنا چاہا جن سے خُدا کا علم پیدا ہوتا تھا۔ لیکن اس خیال سے کہ آدم بھی جس سے اس کو بہت محبت تھی ان پھلوں سے محروم رہ کر اس سے درجہ میں کم نہ رہ جائے حوّا نے آدم کا ہاتھ پکڑا اور اس کو اس عجیب و غریب درخت کے قریب لائی اور اس میں سے ایک سیب توڑ کر پہلے خود چکھا اور پھر وہی آدم کو دیا۔ یہوواہ جو اتفاق سے اس وقت باغ میں ٹہل رہا تھا دفعتاً سامنے آ گیا اور یہ دیکھ کر کہ ان دونوں نے علم حاصل کیا ہے نہایت غضبناک ہوا۔ اور یہ غضب ناکی جب رشک کی وجہ سے ہوتی ہے تو نہایت ہی شدید اور خوفناک ہوتی ہے۔ چنانچہ یہوواہ نے اپنی تمام قوتوں کو یکجا کر کے طبقہ ہوا میں اس بلا کا طوفان اُٹھایا کہ دونوں غریب جانیں خوف سے کانپنے لگیں۔ آدم کے ہاتھ سے پھل گر پڑا اور حوّا نے اپنے شوہر کی گردن میں باہیں ڈال کر کہا کہ "میں لاعلم رہ کر مصیبت میں ہر وقت تیری شریک رہوں گی"۔ اس دن سے یہوواہ نے اس فتح کی خوشی میں آدم اور حوّا اور ان کے تخم پر بدحواسی اور خوف طاری کر دیا۔ یہوواہ کا شیوہ اب یہ رہ گیا کہ اپنی آتش افشانی دکھلانے کو ستارے توڑ توڑ کر آسمان پر دوڑایا کرے۔ اور اس حلقہ اثر سے باہر ہو جائے جو سانپ نے علم حاصل کر کے پیدا کیا تھا۔ ریاضی اور موسیقی کا تو وہ پہلے ہی سے اُستاد تھا۔ یہوواہ نے انسان کو جاہل اور ستم رسیدہ رہنا

فساد اور شر کی حکومت کو قائم و جاری رکھنا سکھایا۔ قائن اور اس کے بیٹوں کے درپے آزار ہوا کیونکہ وہ محنتی اور جفاکش تھے۔ فلستینوں کو اس جرم میں ہلاک کیا کہ وہ ارفیوس کی طرح اشعار اور لقمان کی طرح حکایتیں لکھا کرتے تھے۔ یہوواہ علم و حکمت کا جانی دشمن تھا۔ اور آدم کی اولاد سانپ کی ناکامی پر صدہا برس تک رو رو کر اپنے آنسوؤں سے اس کا کفارہ کرتی رہی۔ یہ بخت و اتفاق تھا کہ یونانیوں میں چند عالم مثل فیثاغورث اور افلاطون کے ایسے پیدا ہوگئے جنہوں نے محض اپنی ذہانت سے ان نقوش اور خیالات کو معلوم کر لیا جو آفرینش کی سب سے پہلی عورت کو یہوواہ کے دشمن نے سکھانے چاہے تھے اور اس کی سمجھ میں نہ آسکے تھے۔ ان نقوش اور تخیلات میں سانپ کی روح موجود تھی۔ یہی وجہ ہوئی جیسے کہ ابھی دوریان نے بیان کیا تھا کہ ایتھنز کے لوگوں میں سانپ کی بہت تعظیم ہونے لگی۔ آخرکار وہ زمانہ آیا کہ تین آسمانی روحیں یعنی جلیل کا یسوع۔ باسیلیدوس اور ولنطین انسان کے قالب میں ظاہر ہوئیں۔ اور یہ ان کے لئے اترا تھا کہ خوبصورت سے خوبصورت پھل اس شجر علم سے چنیں جس کی جڑیں تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں اور جس کی چوٹی آسمان تک پہنچی تھی۔ صاحبو۔ یہ ہے میرا انتقام جو میں نے یہودیوں سے لیا ہے۔ اپنی طرف سے نہیں بلکہ عیسائیوں کی طرف سے جن میں بہت سی باتیں یہودیوں کی بیان کی جاتی ہیں؟"

دوریان۔ "زینوتھمیس۔ اگر میں آپ کا مطلب ٹھیک ٹھیک سمجھا ہوں تو خلاصہ آپ کے کلام کا یہ ہوا کہ یسوع باسیلیدوس اور ولنطین نے دنیا پر وہ راز افشا کر دئے جو فیثاغورث اور افلاطون بلکہ تمام حکمائے یونان کی نظر سے پوشیدہ رہے تھے۔ بلکہ شاید آپ میرے استاد حکیم ابی قور کی نسبت بھی یہی کہیں گے کہ اس کو بھی ان کا علم نہ تھا۔ حالانکہ انسان کو اس کے تمام غلط خوفوں سے نجات اسی نے دی تھی۔ اب ذرا یہ ارشاد ہو کہ وہ ذرائع کیا تھے جن کی مدد سے ان تین فانی بزرگوں نے وہ علم حاصل کیا جس کا ادراک دانشوران سلف کو کبھی نہ ہوا تھا؟"

ہرموڈس کاہن۔ "زینوتھمیس۔ آپ کا یہ فرمانا درست تھا کہ نفس انسانی نشاط سے

اسی طرح پرورش پاتا ہے جیسے ملخ شبنم سے۔ لیکن اس سے آگے چلئے گا تو معلوم ہوگا
کہ انسان کا نفس ناطقہ دراصل وہ چیز ہے جو نشاط کلی پر قادر ہو سکتا ہے کیوں کہ
انسان تین چیزوں سے مرکّب ہے ایک جسم۔ دوسرے روح حیوانی جو جسم کی طرح مادی
ہے مگر نہایت لطیف۔ تیسرے نفس ناطقہ جو اصلی روح ہے اور جس کو کوئی چیز معدوم
نہیں کر سکتی۔ نفس ناطقہ جسم سے رخصت ہو کر جیسے کوئی مکین کسی دلکشا منزل کو
چھوڑ کر اسے ویران کر جائے روح حیوانی کے باغوں پر سے اُڑتا ہوا خدا کے حضور میں
آتا ہے اور اُس میں اپنی خودی کو اس پر نثار کر دیتا ہے۔ یہاں وہ موت کی لذتوں سے
جن کی خبر پہلے سے مل چکی تھی، یا یہ کہیئے کہ حیات مستقل کی مسرتوں سے آشنا ہوتا ہے۔
کیونکہ موت بھی حیات ہے۔ اور یہ ہی وہ حالت ہوتی ہے جبکہ آسمانی صدق وصفا
میں ایک نشاط لازوال اور علم بدرجہ کمال اس کو حاصل ہو جاتا ہے۔ وحدت میں داخل
ہوتا ہے جو سب کچھ ہے اور یہی انتہائے کمال ہے۔"

نیکیاس "خوب فرمایا۔ لیکن ہرمودس سچ پوچھئے تو مجھ کو تو آپ کی اس وحدت
کے "سب کچھ ہونے" اور "کچھ نہ ہونے" میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ گویائی میں
میں اتنی قوت نہیں کہ ان دونوں میں تمیز کر سکے۔ وجود لامتناہی عدم مطلق سے
بہت مُشابہ ہے اور دونوں فہم و ادراک کی دسترس سے باہر ہیں۔ رہا کمال۔
میرے خیال میں یہ ایک بڑی گراں قیمت چیز ہے۔ اسکی قیمت میں انسان کو اپنی پوری
ہستی لگا دینی پڑتی ہے۔ اور جب کمال ملتا ہے تو ہستی معدوم ہو جاتی ہے اور یہ وہ
نقص ہے جس سے خدا بھی فلسفیوں کے ہاتھوں سے نہ بچ سکا کیونکہ انھوں نے اسے
کامل ثابت کرنا چاہا۔ پھر اگر ہم یہ نہیں جانتے کہ "نہ ہونا" کیا چیز ہے تو ہم اس سے
بھی واقف نہیں کہ "ہونا" کس کو کہتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم کچھ جانتے ہی
نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کو سمجھنا ناممکن ہے۔ میرا خیال
اس کے برعکس ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ باوجود تمام اختلافات کے یہ غیر ممکن ہے کہ
اخیر نوبت میں سب لوگ ہم خیال نہ ہو جائیں اور تناقص و تخالف کے تودوں کے

نیچے جن کے ہم نے پہاڑوں پر پہاڑ چن دئے ہیں پہلو بہ پہلو دفن ہوکر خاک کا پیوند نہ بنا دئے جائیں۔"

لوقس قرطا "میں بھی ایک زمانہ میں حکمت و فلسفہ کا بڑا شائق تھا۔ فرصت کے اوقات میں اکثر کتابیں مطالعہ میں آئیں۔ لیکن صرف حکیم تقرو کی تصانیف میں میں اس علم کو بخوبی سمجھ سکا۔ غلامو۔ ارغوانی شراب سے پیمانے بھر دو۔"

قاقر اطیس شاعر "لوقس۔ یہ عجیب بات ہے کہ جس وقت میں ہوش میں ہوتا ہوں تو اکثر اس زمانہ میں پہنچ جاتا ہوں جبکہ یونان کے شعرائے باکمال شاہانِ جبار کی تقریبوں اور ضیافتوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اس خیال ہی سے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ لیکن لوقس۔ جب آپ کے ہاتھ کی انڈیلی ہوئی شراب پیتا ہوں تو اسکے سرور میں بجز سیاسی مسائل اور جنگ۔ و پیکار کے اور کوئی بات ذہن میں نہیں آتی۔ اور اس بداقبالی اور انحطاط کے زمانہ میں نہایت دلسوزی سے حریّت کا متمنی ہوجاتا ہوں۔ اور یہی نہیں بلکہ دورِ آخر کے رومانی شجاعوں کے ساتھ فیلی پی کے میدان میں اپنا خون بہانے لگتا ہوں۔"

لوقس "جس وقت روما کی جمہوری حکومت کو زوال ہو رہا تھا تو حریّت کے لئے بروتیس کے ساتھ میرے بزرگوں نے بھی اپنی جانیں فدا کی تھیں۔ لیکن ہنوز اب تک مشتبہ ہے کہ جس چیز کو یہ لوگ رومانی قوم کی حریّت کہتے تھے کیا اس سے مراد صرف ایسی طاقت نہ تھی جو خود ان لوگوں کو رومانی قوم پر حاکم بنادے۔ مجھکو اس سے انکار نہیں کہ حریّت ایک قوم کے حق میں اس کا بہترین نفع ہوسکتی ہے۔ لیکن جس قدر میری عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے مجھے اس کا پورا پورا یقین ہوتا جاتا ہے کہ ایک مضبوط حکومت ہی وہ چیز ہے جس پر اس حکومت کے محکوم پورا بھروسہ کرسکتے ہیں۔ چالیس برس سے سلطنت کے بڑے سے بڑے عہدوں پر مامور ہوتا چلا آیا ہوں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ سلطنت کے کمزور ہوتے ہی لوگوں پر ظلم ہونے لگتے ہیں۔ پس جو لوگ حکومت کو کمزور کرنا چاہتے ہیں اور مجھے افسوس ہے کہ ایسے لوگوں میں بڑے بڑے سیاسی

مقرر اور مبلغ بھی شامل ہو جاتے ہیں، وہ حقیقت میں ایک قابل نفریں جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ مانا کہ کسی وقت ایک شخص واحد کی مرضی و ارادہ کی تعمیل میں سخت خوں ریزی کرنی پڑے۔ لیکن عوام کی متفقہ مرضی حاصل کرنی اتنی دشوار ہے کہ اس میں کسی ارادہ کی بھی تعمیل ممکن نہیں رہتی۔ روما کے اقبال سے جس وقت دنیا میں امن چھایا ہوا تھا۔ تو قومیں خرومند و مطلق العنان بادشاہوں کے سایہ میں شاد و آباد رہتی تھیں۔"

ہرمودس بت خانے سرآپس کے کاہن اعظم بولے۔ "لوقس میرا خیال تو یہ ہے کہ دنیا میں کوئی طرز حکومت بھی اچھا نہیں۔ یونان کے پرفن دماغ جنہوں نے سیاست کے بہت سے طریقے نکالے تھے ہمیشہ اسی جستجو میں رہے مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہ وہ قصہ ہے جس میں منزل تک پہنچنے کی امید رکھنی حرام ہے۔ ایسی علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا عنقریب جہالت اور وحشت کے سمندر میں غرق ہونے والی ہے۔ لوقس۔ ہماری تقدیر میں یہی لکھا تھا کہ جب تمدن کی حالت سکرات کی ہو تو ہم اس کی تیمارداری کیلئے دنیا میں پیدا کئے جائیں۔ ذہانت۔ نیکی اور علم سے جو اطمینان قلب کو حاصل ہوتا ہے اس کی جگہ ہمارے لئے یہی جانکاہ مسرت مخصوص کی گئی ہے کہ اپنے کو آپ مرتا دیکھیں۔"

لوقس قوطا۔ "ظاہر ہے کہ عالمگیر مفلسی و فاقہ کشی۔ پھر اس پر وحشی قوموں کی یورشیں ایسی آفات ہیں جن سے خوف کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر ایک جہازی بیڑا اور عمدہ فوج اور محفوظ مالی حالت ....."

ہرمودس کاہن نے قطع کلام کر کے کہا۔ "لوقس یہ سب دل کے بہلاوے اور بیکار خیالات ہیں۔ رومانی سلطنت جس کا اب دم واپسیں ہے۔ وحشی قوموں کا شکار ہو رہی ہے۔ بہت کچھ آثار نمایاں ہیں کہ جن شہروں نے یونانی ذہانت اور لاطینی استقلال کی بدولت شہرت اور بزرگی حاصل کی تھی وہ اب شراب خوار وحشیوں کی ترک و تاز کا نشانہ بننے والے ہیں۔ سمجھ لیجئے کہ اب علم و حکمت کا نشان روئے زمین پر نہ

رہیگا۔ دیوتاؤں کے بُت نہ صرف بُت خانوں میں بلکہ لوگوں کے دلوں میں بھی اوندھے ہوجائیں گے۔ روح کی شب ظلمت اور دُنیا کا یوم الوداع آنے والا ہے۔ کس طرح یقین ہوسکتا ہے کہ سرمانی قوم کبھی علم و ہنر کا کوئی کام سرانجام دے سکے گی۔ کیا کوآدی اور مرکومانی قومیں ہمارے دیوتاؤں کے سامنے کبھی اپنا سر جُھکائیں گی نہیں ہرگز نہیں ہر چیز ٹوٹ رہی ہے اور ڈوب رہی ہے۔ یہی آپ کا مصر قدیم جو دُنیا کا عہد سمجھا جاتا تھا اب اس کی لحد بننے کو ہے۔ موت کا دیوتا سراپیس خود موت کے حوالے ہونے والا ہے اور مجھ کو سب سے آخری خادم اس آخری دیوتا کا سمجھیے"

اس موقع پر کسی نے پردہ اُٹھایا اور مہمانوں نے دیکھا کہ ایک پستہ قد کُبڑا آدمی سر کا تانبڑا چمکتا ہوا سامنے کھڑا ہے۔ صورت عجیب ہے۔ ایشیائی لباس پہنے ہے۔ گلے میں سبز عبا اور ٹانگوں میں سُرخ ازار ہے۔ جس پر سُنہری پھول کڑھے ہیں۔ اس شکل کو دیکھتے ہی یفنوتوس پہچان گیا کہ یہ مردود فرقہ ایریوس کا عیسائی مرقوس ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں اس کے آنے سے آسمان سے بجلیاں نہ گرنے لگیں اپنے دونوں ہاتھ سر سے اونچے کرلئے اور چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ اس بدعتی عیسائی کا کمرے میں داخل ہونا کافی تھا۔ کہ یفنوتوس کے ہوش و حواس جاتے رہیں۔ حالانکہ بُت پرستوں کے کلمات کفر اور فلسفیوں کے شدید مغالطے جو اس بزم نامبارک میں اب تک سُنتا رہا تھا اُنھوں نے ذرا بھی ہمت پست نہ ہونے دی تھی۔ لیکن مرقوس کے آتے ہی بدحواس ہوگیا۔ چاہتا تھا کہ کہیں بھاگ جائے لیکن جونہی تائیس کی آنکھوں سے آنکھیں ملیں دل کو تقویت ہوگئی۔ تائیس کی روح میں تو پہلے ہی دخل ہوچکا تھا اب سمجھا کہ یہ عورت چونکہ عنقریب خدا رسیدہ ہونے والی ہے اس لئے ابھی سے وہ میری حفاظت پر نظر رکھتی ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً تائیس کا دامن پکڑلیا اور چُپکے چُپکے دعائیں پڑھ کر مسیح سے اُمیدوار نجات ہوگیا۔

مرقوس کے آتے ہی جو عیسائیوں کا افلاطون مانا جاتا تھا ہر طرف سے تعریف کی ایک ہلکی سی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔ اور ہرمودس کاہن نے کہا۔

"نہایت شریف مرقوس۔ آپ کا قدم رنجہ فرمانا ہم سب کا باعث مسرت ہوا۔ جہاں تک عیسوی مذہب کی تعلیم عام طور پر مروج ہے اس سے ہم واقف ہیں لیکن آپ ایک فلسفی ہیں۔ آپ کا طرز خیال ایک عامی کی مثال نہیں ہو سکتا۔ پس ہم مشتاق ہیں کہ جس مذہب کو آپ مانتے ہیں اس کے خاص اسرار کی نسبت آپ کا خیال معلوم کریں۔ یہ ہمارے عزیز دوست زینو تھمیس فلسفی جن کی نسبت آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ ہر قسم کے مذہبی رموز کے دل سے شیدا ہیں۔ ابھی ابھی نفنوتوس سے یہودیوں کی کتابوں کے بارے میں کچھ سوال کرتے تھے مگر نفنوتوس جواب نہ دے سکے کیوں کہ انھوں نے خاموش رہنے کی قسم کھائی ہے اور خدا نے ان کے لبوں پر مہر سکوت اس وقت سے لگا دی ہے جب سے کہ وہ صحرا میں گوشہ نشین ہوئے ہیں لیکن مرقوس چونکہ آپ مسیح کے ہیکلوں میں اور قسطنطین کے عیسوی مجلسوں میں شریک رہ چکے ہیں اس لئے آپ چاہیں تو ہم پر وہ حقائق روشن کر سکتے ہیں جو عیسائیوں کے قصص میں مخفی ہیں۔ غالباً آپ کا سب سے پہلا عقیدہ خدائے واحد کا وجود ہے جس کا میں بھی جہاں تک اپنی نسبت کہہ سکتا ہوں دل سے معتقد ہوں"

مرقوس "میرے محترم بھائیو۔ میں خدائے واحد پر ایمان رکھتا ہوں جو مولود نہیں ہے۔ ایک ہے اور ازلی ہے اور مبداء کائنات ہے"

نیکیاس "میں جانتا ہوں کہ یہ عالم آپ کے خدا نے پیدا کیا ہے۔ مگر یہ واقعہ اس کے وجود ازلی میں سخت بحران کا دن ہوگا۔ پیشتر اس کے کہ عالم کو خلق کرنے کا ارادہ کرے وہ ایک مدت لامتناہی سے موجود تھا۔ اس ارادہ کے موقعہ پر کہ کائنات کو پیدا کرے میں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ بڑے مخمصے میں ہوگا۔ کیونکہ اپنا کمال برقرار رکھنے کو تو اتنی مدت تک عدیم العمل رہنا پڑا اور اس خواہش سے (اگر وہ پیدا ہوئی) کہ اپنا وجود خود اپنے اوپر ثابت کرے عامل بننے کی ضرورت پیش آئی۔ اس کا آپ مجھے یقین دلاتے ہیں کہ اس نے عامل بننے کا قصد کیا۔ مرقوس میں آپ کے فرمانے کا یقین کرتا ہوں گو یہ ضرور کہوں گا کہ خدائے کامل کیلئے یہ سوء تدبیر ایسی تھی جو قابل معذرت

نہیں۔ اب آپ یہ فرمائیں کہ یہ عالم خدا نے کس طرح بنانا شروع کیا۔"

مرقوس ایپیوری۔ "جو عیسائی مذہب نہیں رکھتے لیکن علم و دانش کے اصول سے واقف ہیں جیسے کہ ہرمودس اور زینوتھیس یہاں موجود ہیں ان کو جاننا چاہیئے کہ خدا نے یہ عالم بلا واسطہ اور بغیر ایک درمیانی کے پیدا نہیں کیا اس نے اپنا اکلوتا بیٹا پیدا کیا اور اسی فرزند وحید نے اس عالم کو مصنوع کیا۔"

ہرمودس کاہن۔ "مرقوس۔ یہ آپ نے سچ فرمایا۔ اس فرزند کے مختلف نام ہیں۔ مثلاً ہرمیس۔ متترا۔ ایدونس۔ اپولو۔ یسوع۔ اور ان ہی ناموں کے ساتھ اس کی پرستش ہوتی ہے۔"

مرقوس۔ "میں عیسائی نہیں رہ سکتا اگر سوائے یسوع مسیح یا منجی کے کوئی دوسرا نام صانع کائنات کا تجویز کروں۔ وہ حقیقی فرزند خدا کا ہے۔ لیکن وہ ازلی و قدیم نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ابتدا رکھتا ہے۔ یہ خیال کہ مولود ہونے سے پہلے وہ موجود تھا ایک ہذیاں ہے جو نیقیہ کے خچروں اور اس خربد تمیز کو مبارک ہے جس نے اسکندریہ کے کلیسا پر اتی ناسیوس ملعون کے نام سے مدتوں حکومت کی تھی۔"

اپنے بطریق کی شان میں یہ گستاخی سن کر لفنوتوس نے جس کی پیشانی تکلیف اور غصہ سے پسینے میں تر تھی نشان صلیب بنایا اور بدستور خاموش رہا۔

مرقوس نے اپنی تقریر جاری رکھی:۔

"نیقیہ کی مجلس نے مسیحی دین کا جو کلمہ متفقہ غلط طور پر وضع کیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدائے واحد کی شان میں گستاخیاں کی ہیں اور یہ اس طرح کہ اس کی ناقابل تقسیم صفات کو خدا پدر اور جس کو خدا ظہور میں لایا یعنی اس کے فرزند پر تقسیم کر دیا۔ نیکیاس تم عیسائیوں کے خدائے برحق کی جناب میں کفر کے کلمے منہ سے نہ نکالو۔ خدا نہیں بلکہ ابن خدا سے یہ عالم پیدا ہوا ہے۔ خدا کی نسبت تمہارا یہ سمجھنا کہ وہ عامل بنایا وہ کام کاج کرتا ہے ایسا ہی نامعقول خیال ہے جیسے کہ کسی گلزار کے پھولوں کی نسبت یہ سمجھنا کہ وہ بوجھ ڈھوتے یا چرخہ چلاتے ہونگے۔ خدا کوئی مزدور

نہ تھا۔ یہ یسوع تھا جس نے اس عالم کو بنایا اور بنانے کے بعد اس کی درستی اور اصلاح کے لئے پھر اس کو یہاں آنا پڑا۔ کیونکہ آفرینش مکمل نہ تھی۔ خیر کے ساتھ شر اس میں ضرورتاً شامل کی گئی تھی۔"

نیکیاس "۔ خیر کیا چیز ہے اور شر کیا چیز ہے؟"

اس سوال پر کچھ دیر تک سب لوگ خاموش رہے۔ اسی اثنا میں ہرمودس کاہن نے جس کے ہاتھ میز پر پھیلے ہوئے تھے۔ ایک کورنتھی دھات کا بنا ہوا میوہ دان جس کی شکل یہ تھی کہ ایک خچر پر دو بورے لدے تھے اٹھا لیا۔ ایک بورے میں زیتون کے سفید پھل تھے اور دوسرے میں سیاہ۔ اس میوہ دان کو اٹھا کر ہرمودس نے کہا:

"ذرا ان پھلوں کو دیکھئے۔ سیاہ و سپید رنگ پاس پاس ہونے کی وجہ سے وہ کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ان پھلوں کو ادراک اور گویائی ملے تو سفید پھل کہیں گے کہ زیتون کے لئے یہی اچھا ہے کہ اس کا پھل سفید ہو۔ سیاہ ہونا اس کے لئے بُرا ہے۔ جن لوگوں کے پاس سیاہ پھل ہونگے وہ سفید پھل والوں کو نفرت سے دیکھیں گے۔ لیکن ہم ان پھلوں کی بہ نسبت بہتر طریقہ پر اس بحث کا فیصلہ کرسکتے ہیں کیونکہ ان میں اور ہم میں وہی فرق ہے جو ہم میں اور دیوتاؤں میں ہے۔ انسان کے لئے جو ہر چیز کے صرف ایک پہلو کو دیکھ سکتا ہے بُرائی بھی ایک نعمت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بدصورتی بدصورتی ہے خوبصورتی نہیں۔ لیکن اگر ہر چیز خوبصورت ہوا کرتی تو وہ خوبصورت نہ رہتی۔ اس لئے بُرائی کا موجود ہونا اور وہ بھی بھلائی سے زیادہ مقدار میں ہونا ایک امر خیر ہے۔"

افریطوس "۔ اس بحث میں بھلائی کو زیادہ ملحوظ رکھئے۔ بُرائی اس کائنات کے لئے نہیں ہے جس کی ساخت میں وہ کوئی نقصان پیدا نہیں کرسکتی بلکہ وہ تنہا کائنات کے ساتھ مخصوص ہے جو بُرائی کرتا ہے مگر ہو نہیں سکتی۔"

لوقس "۔ یہ دلیل واقعی بہت باریک ہے۔"

افریطوس "۔ دنیا ایک شاعر کا لکھا ہوا پُردرد ناٹک ہے۔ خدا نے جو اس

کا مصنف ہے ہم سب کو ایک، سانگ بھرنے کو دے رکھا ہے۔ اگر اس نے چاہا کہ یہ فقیر بنے وہ شاہ بنے۔ یہ لنگڑا اور اپاہج رہے تو ہر حال میں ہمارا فرض ہے کہ جو سانگ بھرنے کو ملا ہے اُسے اچھی طرح بھریں۔"

نیکیاس "کیا خوب فرمایا ہے۔ واقعی اس ناٹک میں لنگڑے کیلئے یہی اچھا ہے کہ ہمیشہ لنگڑاتا رہے۔ دیوانے کے لئے یہی بھلا ہو کہ ہمیشہ پاگل رہے۔ حرام کار عورتوں کی خیر اسی میں ہے کہ حرام کاری کرتی رہیں۔ اسی طرح مکّار کیلئے مکّاری۔ دغاباز کیلئے دغابازی۔ قاتل کے لئے خونِ ناحق۔ یہ سب بھلائیاں ہی بھلائیاں ہیں اور جب سوانگ پورا بھر لیا جائے تو فقیر اور بادشاہ۔ عادل اور ظالم۔ پاکدامن لڑکیاں اور بے شرم جورویں۔ فیاض تونگر اور کمینے قاتل سب کے سب شاعر کی زبان سے تعریف کا ایک ہی سا حصہ پانے کے مستحق ہو جائیں۔"

افریطوس "آپ میرے مفہوم کو اُلٹ دیتے ہیں گویا ایک خوشنما چیز کو بدنما بنا کر دیکھتے ہیں۔ دیوتاؤں کی فطرت اور ان کے عدل و آئین سے آپ قطعی ناواقف ہیں اور آپ کا یہ جہلِ مرکّب قابلِ افسوس ہے۔"

زینوتمیس فلسفی "حضرات سُنیئے۔ میں خود بھلائی اور بُرائی خیر و شر کی اصلیت کا قائل ہوں۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ انسان کا کوئی فعل بذاتِ خود ایسا نہیں جس میں اُس کی نجات کا تخم موجود ہو۔ خواہ یہ فعل یہوداا سکریوتی کا بوسہ ہی کیوں نہ ہو۔ انسان کی نجات بدرجہ غایت جن چیزوں سے ظہور میں آسکتی ہے اُنمیں بُرائی بھی شریک ہو کر اپنا عمل کرتی ہے اور اسی بنا پر یہ سمجھنا چاہیئے کہ بُرائی بھلائی سے پیدا ہو کر جو خوبی بھلائی میں ہوتی ہے اس سے اپنا حصہ لیتی ہے۔ اس اصول کو عیسائیوں نے یسوع کے اس شاگرد کے قصے میں خوب دکھایا ہے جس نے استاد کا بوسہ لے کر اسکو دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار کرایا تھا۔ اسکریوتی کے اس فعل نے ابنائے آدم کی نجات کو ایک یقینی امر کر دیا۔ پس یسوع کے اس شاگرد پر پولوس کے بعض مریدوں نے جو نفریں کی ہے وہ میرے نزدیک سراسر بے انصافی اور غلطی پر مبنی ہے اُنھوں نے اس

کا مطلق خیال نہیں کیا کہ اسکریوتی نے سلام کرکے جو بوسہ لیا تھا اسکی خبر خود یسوع پہلے سے دے چکا تھا۔ اور مذہب عیسوی کے مطابق اس واقعہ کا پیش آنا انسان کی نجات کے لئے ضروری تھا۔ اگر یہ بدنصیب شاگرد اُستاد کے گرفتار کرانے کیلئے اس کے دشمنوں سے تیس توڑے چاندی نہ تلوا لیتا تو حکمت الٰہی کا بطلان ہو جاتا۔ پروردگار دھوکے میں پڑتا اور یہ دُنیا بالکل فساد اور شر۔ جہالت اور موت کا لقمہ ہو جاتی"۔

مرقوس"۔ اسکریوتی اگرچہ چاہتا تو دھوکا دینے کی نیت سے یسوع کا بوسہ نہ لیتا مگر قضا الٰہی کو یہی منظور تھا کہ وہ ایسا کرے۔ پس حکمت خداوندی نے قصد نجات کی تعمیر میں اسکریوتی کے گناہ سے ایک پتھر کا کام لیا"۔

زینو تھمیس فلسفی "مرقوس۔ ابھی ابھی میں نے اس طرح گفتگو کی تھی کہ گویا میں یسوع مصلوب کو انسان کی نجات کا فی الحقیقت ایک ذریعہ باور کرتا ہوں لیکن اس سے میرا مطلب صرف اس قدر تھا کہ میں عیسائیوں کے اس اعتقاد سے واقف ہوں اور میں نے ان کے عقائد پر اس وجہ سے اور بھی غور کیا ہے کہ ان کے مخالفوں یعنی یہودیوں کی غلطی کو سمجھ سکوں جن کا یقین ہے کہ یسوع پر ہمیشہ کے لئے غضب الٰہی نازل ہو چکا ہے لیکن واقعہ صرف اتنا ہے کہ میں یسوع کو پاسیایدوس اور بلنطین کا پیش رو سمجھتا ہوں۔ رہا نجات کا معمہ تو حضرات اگر آپ اس کے سُننے کے مشتاق ہوں تو وہ حالات عرض کروں جن سے انسان کی نجات اس دُنیا میں فی الواقع عمل میں آئی ہے"۔

حاضرین شروع کرنے کے لئے اشاروں میں کہنے کو تھے کہ اتنے میں بارہ نہایت حسین اور جوان عورتیں اناروں اور سیبوں کی ٹوکریاں سر پر رکھے بانسری کی لے پر قدم اُٹھاتی اور ٹھوکریں لیتی اس طرح کمرے میں داخل ہوئیں جیسے ایتھنز کی کنواری لڑکیاں اناج کی بالیں ڈلیوں میں رکھے یونان کی دیبی دیمیتر کے تہوار میں آیا کرتی تھیں پھلوں کی ٹوکریاں عورتوں نے میز پر رکھ دیں۔ بانسری کی آواز بند ہوئی۔ اور زینو تھمیس نے اس طرح اپنی تقریر شروع کی :۔

"جب یونیہ یعنی "توجہ خداوندی" نے عالم پیدا کر لیا تو روئے زمین کا انتظام

فرشتوں کے سپرد ہوا لیکن کچھ دنوں بعد وہ سلامتی قلب جو ایک حاکم اور منتظم میں ہونی چاہیئے ان میں باقی نہ رہی۔ یہ دیکھکر کہ آدم کی بیٹیاں نہایت خوبرو ہیں اُنھوں نے اچانک تالابوں کے کنارے اکٹھا ہونا شروع کیا۔ اس طرح آدم کی بیٹیوں اور ان فرشتوں سے ایک قوم بہت ہی ظالم اور جفا کار پیدا ہوئی جس نے دُنیا میں ظلم اور بے انصافی کا بازار گرم کر دیا۔ اور اتنی خونریزی کی کہ رستوں کی پامال افتادہ خاک نے بھی بے گناہوں کا خون خوب سیر ہو کر پیا۔ یہ دیکھکر یونیہ نہایت غمگین ہوئی۔

آسمان سے زمین کی طرف جھک کر دیکھا اور ایک آہ سرد بھر کر کہنے لگی "افسوس یہ میرے ہی کرتوت ہیں۔ یہ میرا ہی قصور ہے کہ آج میرے بچے ظلم و ستم سہہ کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کی تکلیفیں میرے جرائم ہیں جس طرح بھی ہو ان کی مصیبت کو دور کرنا میرا فرض ہے۔ خدا جو میرے ذریعے سے توجہ کرتا ہے اب اس کی قدرت سے باہر ہے کہ آدمیوں میں ان کی پہلی سی پاکیزگی پیدا کرے۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا۔ آفرینش میں ہمیشہ کو بال آ گیا۔ مگر میں کسی حال میں اپنی مخلوق کو تکلیف میں نہ رہنے دونگی۔ اگر میں ان کو اپنی مثل خوشحال نہیں بنا سکتی تو خود ان کی مثل بدحال بن سکتی ہوں۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے ان کو جسم دئے جنہوں نے ان کو ذلیل و خوار کیا۔ اب میں بھی ان ہی کا جسم اختیار کرتی ہوں اور انہی میں آباد ہونے کو آسمان سے رُخصت ہوتی ہوں"۔

اتنا کہہ کر یونیہ زمین پر اُتر آئی اور ایک آرکوسی عورت کے بطن میں مجسم ہو کر اس دُنیا میں نہایت نحیف و ناتواں پیدا ہوئی۔ اور یہاں اس کا نام ہیلن رکھا گیا۔ لیکن چند سال گزرنے پر وہ حُسن و زیبائی میں علیم المثال ہو گئی۔ وہ دُنیا کی سب عورتوں سے زیادہ خواہشات کا مرکز بن گئی۔ چونکہ اس نے قصد کر لیا تھا کہ اپنے پیکر فانی کو انتہائی آلائشوں سے آلودہ کرے گی پس وہ شہوت پرست جفا کاروں کیلئے ایک بے حس شکار بن گئی اور اس نے اپنے تئیں جبر یہ مباشرت اور حرام کاری کیلئے وقف کر دیا۔ تاکہ دُنیا میں جس قدر زنا و ظلم یا انصاف کا خون ہو رہا تھا اُس کا

کفارہ بنے اور اپنے حُسنِ جہاں سوز سے قوموں کو غارت کرکے تمام عالم کے گناہوں کو خدا سے معاف کروا دے۔ جس زمانہ میں یونیہ پرانے سوُرماؤں اور کلہ باتوں سے مبتلا رہتی تھی تو جتنا اس وقت دُنیا نے اسکو اور آسمان کو تعریف و پرستش کے لائق سمجھا ایسا پہلے کبھی نہ سمجھا تھا۔ شاعروں نے اس کو امن و سلامتی۔ عظمت و ہلاکت کی زندہ تصویر بنا کر دکھایا۔ اور جب اس کی شان میں یہ کہنا شروع کیا کہ وہ ایک روح ہے ساکن و سلیم جیسے خاموش ہوتوں کا سکوت تو انہوں نے یونیہ کو خدا بنانا چاہا۔

"اس طرح یونیہ کی رحمدلی اور ہمدردی اس کو مصیبت اور سیہ کاری کی نجاست میں گھسیٹ لائی۔ یہاں تک کہ ہیلن کے بدن میں یونیہ مر گئی۔ آرگوسی قوم والے اب تک اس کی قبر کا نشان بتاتے ہیں۔ دُنیا کی لذتوں کے بعد موت کی چاشنی اور جتنے کڑوے بیج بوئے تھے ان کے کڑوے پھل چکھنے اس کے لئے ضروری ہوتے۔ اب ہیلن کی سڑتی ہوئی لاش سے یونیہ کی روح علیحدہ ہو کر ایک دوسری عورت کے پیکر میں سما گئی اور پھر سابق کی طرح گناہوں کا تختہ مشق بنی۔ ایک جسد سے دوسرے جسد میں گزرتی ہوئی اور بنی نوعِ انسان کی ذلون کاریوں کے ازمنہ دراز کو طے کرتی ہوئی آخر کار اس نوبت کو پہنچی کہ آج تمام دُنیا کے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر لئے کھڑی ہے۔ اس کی یہ قربانی آتش کا یہ چڑھاوا بیکار نہ جائے گا جسم کی بندشوں میں ہمارے ساتھ بند ہو کر ہماری چاہت اور الفت میں جکڑ کر جائے گی۔ ہم میں اپنی آہ وزاری ملا کر وہ ایک دن ہماری اور اپنی نجات حاصل کرے گی۔ اور آخر کار ارض و سما کو فتح کر کے جو امن پیدا کرے گی وہ ایک جوہر آبدار کی مثل اس کے قلب سیمین پر چمکتا ہوا ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہوگا"۔

ہرمودس کاہن۔ "یہ قصہ مجھے بھی معلوم ہے کسی نے بیان کیا ہے کہ اسی تناسخ کے دور میں یہی ہیلن شہنشاہ طبیریوس کے دورِ حکومت میں ایک مشہور جادوگر سلیمون کی داشتہ عورت بنی تھی۔ لیکن میں اب تک یہی سمجھتا تھا کہ ہیلن کا زوال خود اس کے قصد کا نتیجہ نہ تھا بلکہ فرشتوں نے اپنی تباہی میں اس کو بھی لپیٹ لیا تھا"۔

زینو تھمیس فلسفی۔ "ہرموڈس! یہ درست ہے کہ جو لوگ ناقص طور پر واقف اسرار ہوئے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ غمگین یونیہ قصداً اپنی تباہی کا باعث نہیں ہوئی۔ اگر ان کا قول صحیح ہے تو پھر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یونیہ محض گناہوں کے کفارے کے لئے ایسی فاحشہ بنی تھی جو بدنامی کے داغوں سے چتی ہوئی تھی یا وہ کوئی روٹی تھی جو بے شرمی کے شیرۂ انگور میں بھیگی تھی۔ بالفی الواقع وہ ایک مستحق ثواب قربانی یا پسندیدہ چڑھاوا تھی یا کوئی جلتا ہوا صدقے کا جانور تھی جس کا دھواں خدا تک پہنچا تھا۔ اگر اس کے گناہ قصداً نہ تھے تو پھر ان میں کوئی صورت خیر کی بھی نہ تھی۔"

قلفر اطیس شاعر۔ "لیکن زینو تھمیس یہ فرمایئے کہ یہ بار بار زندہ ہونے والی ہیلن آج کل کس ملک میں کس نام و شکل سے موجود ہے۔"

زینو تھمیس فلسفی۔ "اس بھید کو پہنچنے کے لئے بڑی عقل چاہیئے۔ اور قلفر اطیس عقل ایسی شے ہے جو شاعروں کو نہیں ملی ہے۔ یہ لوگ تو اس کمینی دنیا کی بھونڈی صورتوں پر جیتے ہیں اور نادان بچوں کی طرح بے حقیقت شکلوں اور باطل صداؤں سے جی بہلایا کرتے ہیں۔"

قلفر اطیس شاعر۔ "زینو تھمیس! ذرا دیوتاؤں کے عذاب وعقوبت سے بچتے رہیئے گا۔ شاعر ان کو بہت عزیز ہیں۔ یہ شعر ہی تھا جس میں دیوتاؤں نے اپنے سب سے پہلے قوانین لکھوائے تھے۔ ندائے غیب بھی ہمیشہ نظم ہی کی صورت میں سنائی دی ہے۔ خدا کی تعریف بھی شعر ہی کی شکل میں خدا کے کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ کون کہتا ہے کہ شاعر بصیرت نہیں رکھتے۔ ان کی نظر سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، چونکہ میں شاعر ہوں اور اپولو کے پھولوں کا تاج میرے سر پر رہ چکا ہے اس لئے بتاتا ہوں کہ آخری جنم یونیہ نے کس میں لیا۔ سنیئے ہیلن آپ سے بہت قریب ہی۔ وہ ہمیں دیکھتی ہے ہم اسے۔ وہ کوچ پر تکیہ لگائے جو کوئی بیٹھا ہے کیا آپ اس کو نہیں دیکھتے حسن میں کیسی بھرپور ہے۔ مگر دل ٹھکانے نہیں معلوم ہوتا آنکھوں میں آنسو ہیں اور لبوں پر بوسے۔ پریام کے زمانے کو خیال کیجئے مگر ہیلن اب تک اپنے اسی حسن لازوال اور ایشیا کی

شان پُر جمال میں زندہ ہے۔ دوستو۔ سنیئے۔ یونیہ آج کل تائیس ہے۔"

فانیہ "فلفراطیس آپ نے کیا کہا؟ اگر ہماری تائیس پیریام کے زمانے میں موجود تھی تو پھر الیوم کے میدان میں بڑے بڑے شہسواروں سے ملاقات کرچکی ہوگی۔ تائیس پیاری سچ کہنا تروجہ والا گھوڑا کیا بہت ہی بڑا تھا۔"

ارسطوبلیس "گھوڑے کا نام کس نے لیا۔"

کاروس نشہ میں چور اپنی کرسی سے گر کر لڑھکتا ہوا میز کے نیچے پہنچا۔ اور وہیں سے کہنے لگا۔ "واہ آج تو تقریبا کے شرابیوں سے بھی بازی لے گیا ہوں۔ خم کے خم لنڈھا دئے ہیں۔"

قلفراطیس نے شراب کا پیالہ منہ سے لگا کر کہا۔ "اگر آج بے حساب پی کر مرے تو پھر ہماری جان کا خوں بہا کچھ نہیں ہے۔"

لوقس میزبان چوڑے چکلے شانوں پر گردن اور چمکتے سر کو سیدھا تانے آنکھیں بند کئے آرام کرتا رہا۔

دوربان کے لئے کچھ عرصہ سے فلسفے کا خرخشہ یارسائی تکلیف دہ ہو رہا تھا۔ آخرکار نہ رہ سکا۔ تائیس کی کوچ کے قریب آکر کہنے لگا:-

"تائیس تجھے تم سے عشق ہے۔ گو ایک عورت سے عشق رکھنا میرے لئے سخت نازیبا ہے۔"

تائیس "مگر یہ عشق کبھی پہلے آپ کے دل میں پیدا نہیں ہوا۔"

دوربان "کیا بتاؤں۔ معدے میں شراب نہ تھی۔"

"تائیس" "کیا خوب۔ تو پھر مجھے اس عشق شراب آفریدہ سے معاف رکھا جائے میں نے صرف پانی پیا ہے۔"

دوربان نے تائیس کا پورا جواب بھی نہ سُنا اور درونشہ کی طرف کھسک گیا۔ درونشہ نے اشارہ کرکے کہا کہ اپنے دوست کاروس کو میز کے نیچے سے نکالے۔ اب دوربان کی جگہ خالی پاتے ہی زنبوتمیس فلسفی تائیس کے پہلو میں آبیٹھا اور اسکے لبوں کا بوسہ لے لیا۔

تائیس۔ "میں تو سمجھی تھی کہ آپ اوروں سے زیادہ نیک بخت ہیں۔"

زینوشمیس۔ "میں کامل ہوں اور جو کامل ہو وہ ہر قانون سے آزاد ہے۔"

"تائیس" "لیکن کیا آپ کو اس کا ڈر نہیں کہ ایک عورت کا بوس و کنار آپ کی روح کو نجس کر دے گا۔"

زینوشمیس "جسم خواہش سے مغلوب ہو جائے مگر روح پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔"

"تائیس۔" تو پھر تشریف لے جائیے۔ مجھے ایسا عاشق درکار ہے جو روح اور جسم دونوں کو معشوق پر فدا کر دے۔ سچ ہے۔ یہ جتنے فلسفی ہوتے ہیں۔ نرے بکرے ہی ہوتے ہیں۔"

چراغ ایک ایک کر کے سب گل ہو گئے۔ صبح کی زردی مائل روشنی پردوں کی جھریوں سے اندر آ کر مہمانوں کی سوجی ہوئی آنکھیں اور چہروں کی نیلگوں سرخی کھانے لگی۔ ارسطوبلس کے پاس کا روس مدہوش پڑا تھا کبھی کبھی گھونسے بنا کر دکھاتا تھا اور اس طرح للکارتا تھا کہ گویا اپنے سائیسوں کو ڈانٹ رہا ہے۔ زینوشمیس زرد صورت فانیہ کو بغل میں لئے سوتا تھا۔ دوریان فلسفی درو شہ کے ننگے گلے پر شراب کے قطرے ٹپکاتا اور جب یاقوت کی سی سرخ بوندیں بہتی ہوئی نیچے آتیں تو گدگدی سے ہنسی اور ہنسی سے سینہ اوپر نیچے ہوتا اور یہ فلسفی شراب کے بہتے ہوئے قطروں کو گوری گوری جلد سے چاٹنے کے لئے اپنی زبان دوڑاتا۔ اتنے میں افرلطوس اٹھا اور نیکیاس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کمرے کے آخیر حصے کی طرف گیا اور وہاں نیکیاس سے ہنس کر پوچھنے لگا۔

"عزیزمن۔ اس وقت جس خیال میں ہو اسے میرے سامنے بیان کرو۔"

نیکیاس۔ "میں یہ سوچتا تھا کہ عورتوں کو جب عشق ہوتا ہے تو اس کی مثال اڈونس والے باغیچوں کی سی ہوتی ہے۔"

افرلطوس۔ "اس سے کیا مطلب ہوا۔"

نیکیاس۔ "کیا آپ کو نہیں معلوم کہ عورتیں ہر سال اپنے اپنے گھروں میں

ہرے ہرے پودے مٹی کے برتنوں میں لگا کر دینس دیبی کے عاشق ایڈونس کی یادگاری چھوٹی چھوٹی پھلواریاں تیار کیا کرتی ہیں لیکن یہ پودے دو چار دن ہرے رہ کر مرجھا جاتے ہیں۔"

افرلطوس "۔ پھر اس میں ہمارا کیا بگڑا ایسی چیز جو گزرنے والی ہو اُس کا شوق بیکار ہے۔"

نیکیاس "۔ لیکن اگر حسینوں کا حُسن ایک چلتی پھرتی چھاؤں ہے تو ان سے ملنے کا شوق بھی ایک نور کی شعاع ہے جو ڈھل جائے گی۔ نہ اس کو دوام ہے نہ اُس کو۔ پھر حسینوں کی چاہت کو کیوں بیکار سمجھا جائے۔ اس میں تو کوئی بے عقلی کی بات نہیں ہے کہ ایک گزرنے والی چیز ایسی چیز کا شوق رکھے جسے خود ثبات نہیں۔ اور روشنی اپنی کرن دوڑا کر اُترتی چھاؤں کا بالکل ہی خاتمہ کر دے۔"

افرلطوس "۔ نیکیاس۔ تمہارا حال تو بالکل بچوں کا سا ہے۔ کھلونوں سے کھیلا کرتے ہو۔ میری بات مانو۔ آزاد ہو جاؤ۔ مرد بننے کا یہی طریقہ ہے۔"

نیکیاس "۔ جب تک اس جسم میں روح مقیّد ہے آزادی چہ معنی دارد۔"

افرلطوس "۔ صاحبزادے۔ کچھ دُور نہیں ہے۔ ابھی دیکھ لوگے۔ کوئی دم جاتا ہے کہ کہو گے افرلطوس آزاد ہو گیا۔"

اِس پیرِ فرزانہ کے مُنہ سے جس وقت یہ جُملہ نکلا تھا تو وہ سنگِ سماق کے ایک ستون سے سہارا لئے کھڑا تھا۔ اور اس کی پیشانی پر آفتاب کی پہلی شعاعیں پڑ رہی تھیں۔ اتنے میں ہرمودس کاہن اور مرقوس ابریوسی بھی ادھر ہی چلے آئے۔ اور نیکیاس کے پاس آکر کھڑے ہو گئے اور یہ سب شرابیوں کے شور بے تمیزی سے بے پروا ہو کر خدا کی باتیں کرنے لگے۔ افرلطوس نے اس وقت ایسی عاقلانہ تقریر کی کہ مرقوس عیسائی بے اختیار کہہ اٹھا:-

"آپ حقیقت میں خدائے برحق کی معرفت حاصل کرنے کی پوری قابلیت رکھتے ہیں۔"

اس کے بعد یہ لوگ موت پر گفتگو کرنے لگے۔

افرلیطوس نے کہا کہ "میں موت کا آرزومند ہوں۔ اس وقت میں اپنے نفس کی اصلاح اور زندگی کے فرائض ادا کرنے میں دل وجان سے مصروف ہوں۔ چاہتا ہوں کہ موت آئے تو اسی حال میں آئے۔ مگر اس کے آنے سے پہلے میں اپنے بے گناہ ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دیوتاؤں سے عرض کرونگا کہ اے معبودو۔ اپنی صورتوں کے جو بت تم نے میری روح کے صنم خانے میں رکھ دئے تھے ان کو میں نے خراب نہیں کیا۔ اپنے پاکیزہ خیالات پھولوں کی طرح ان پر چڑھائے ہیں۔ تمہاری مشیت کے مطابق جیا ہوں۔ اور اب میری عمر بہت ہو چکی ہے"

یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور اس کا چہرہ روشنی سے چمکنے لگا۔ کچھ دیر فکر میں رہا۔ پھر خوش ہو کر کہنے لگا:-

"افرلیطوس۔ بس۔ زندگی سے اپنے تئیں اس طرح جدا کرے جیسے پکا ہوا پھل ڈالی سے جُدا ہو جاتا ہے اور اس درخت کا شکر گزار ہوتا ہے جس میں پھلا تھا۔ اور اس زمین کے حق میں دُعائے خیر کرتا ہے جس نے اس کو پرورش کیا تھا"

یہ جملے مُنہ سے نکلے ہی تھے کہ افرلیطوس نے فوراً جیب سے برہنہ خنجر نکال کر اپنے سینے میں بھونک لیا۔

جو لوگ قریب کھڑے تھے اُنہوں نے فوراً افرلیطوس کا ہاتھ پکڑ لیا مگر خنجر کی نوک دل کے پار ہو چکی تھی۔ افرلیطوس عدم میں پہنچ گیا۔ ہرمودس اور نیکیاس نے اس کی خون آلودہ لاش اُٹھا کر ایک کوچ پر رکھی۔ عورتیں یہ ماجرا دیکھ کر چیخنے لگیں سوتے ہوئے مہمان چونک کر چلّانے لگے۔ یہاں تک کہ پردوں کی آڑ میں جو لوگ عیش و سرور میں چُپکے چُپکے ہنستے یا باتیں کرتے تھے وہ بھی خاموش ہو گئے۔ لوقس میزبان کے کان میں جب کچھ آواز پہنچی تو وہ فوراً ایک سپاہی کی طرح نیند سے ہوشیار ہوا لاش کے قریب آکر زخم کو دیکھا اور پُکارا:-

"میرے طبیب ارسطوس کو بلاؤ" نیکیاس نے کہا۔ "اب کیا ہوتا ہے۔ افرلیطوس

گذر گئے۔ عاشق اپنے معشوق کے وصال کا کبھی ایسا شائق نہ ہوتا ہوگا جیسے یہ موت کے متمنّی تھے۔ ہم لوگوں کی طرح یہ بھی اس دنیا میں کسی ایسی چیز کی تلاش میں رہے جسے کبھی وہ بیان نہ کر سکے۔ اب وہ دیوتاؤں کی مثل ہوگئے جو ہر چیز سے مستغنی ہیں"

لوقس نے اپنا ماتھا کوٹ کر کہا:۔

"موت۔ موت کی تمنا۔ جب تک انسان سلطنت کی خدمت کر سکتا ہے اس وقت تک موت کی آرزو ایک مہمل چیز ہے"

پفنوتوس اور تائیس پاس پاس بالکل خاموش کھڑے رہے۔ یہ دونوں اس وقت نفرت۔ خوف اور اُمید سے بے حد متاثر تھے۔

دفعتاً راہب نے تائیس کا ہاتھ پکڑا۔ اور شرابیوں کو جو فرش پر پڑے تھے پھلانگتا ہوا اور ان عورتوں اور مردوں سے بچتا ہوا جو لپٹے پڑے تھے کسی طرح تائیس کو اس شراب اور خون کے خرابے سے باہر نکال لایا۔

دن نکلنے کو تھا۔ سڑک کے کنارے دونوں طرف اونچے اونچے ستونوں والے برآمدے دور تک چلے گئے تھے۔ اور ان کے خاتمہ پر سکندر کے مقبرے کا کلس شعاع آفتاب سے چمکنا شروع ہوگیا تھا۔ رستے میں جا بجا نچے کھچے پھولوں اور پتوں کے ہار اور بجھی ہوئی مشعلوں کے ٹکڑے پڑے تھے۔ سمندر سے تازی تازی ہوا آرہی تھی۔ پفنوتوس اب تک نکیاس کی دی ہوئی عبا پہنے ہوئے تھا۔ یہاں پہنچتے ہی اس کو فوراً اتارا اور اُسکی دھجیاں کر کے دھجیوں کو پاؤں کے نیچے خوب روندا۔ اور کہنے لگا:۔

"تائیس تو نے دیکھا کہ ان بدبختوں نے کیسی ناپاک اور غلط تقریریں کی تھیں؟ کس طرح خالق کائنات کو شیاطین جہنم کا سردار بنا کر دکھایا۔ نہایت بے غیرت بن کر خیر و شر سے انکار کیا۔ یسوع کی جناب میں گستاخیاں کیں اور یہودا اسکریوتی کی تعریف کی۔ اور ان سب میں سب سے بڑھ کر روسیاہ اندھیرے کا گیدڑ بدبودار جانور وہ ایریونسی عیسائی مرقوس تھا جس نے گفتگو کے لئے اپنا منہ اس طرح کھولا جیسے کسی سڑے ہوئے مُردے کی متعفن قبر کھل جائے۔ تائیس تو نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ

یہ گندے نجس کیڑے کس طرح رینگتے ہوئے تجھ تک پہنچے تھے کہ اپنی کثافت سے تیرے دامن کو ناپاک کریں۔ تونے ان وحشیوں کو بھی دیکھا ہو گا جو اپنی لونڈیوں کے قدموں میں مدہوش پڑے تھے۔ اور ان جانوروں پر بھی نظر پڑی ہو گی جو قے میں آلودہ دو دو لپیٹے ہوئے دراز تھے۔ تونے اس بڈھے پاگل کو بھی دیکھ لیا۔ جس نے اپنا خون جو شراب سے بھی زیادہ ناپاک تھا اپنے ہاتھوں سے بہایا۔ اور اس مجمع کفّار سے نکلتے ہی مسیح کی حضور دردانہ حاضر ہو گیا۔ خدا کا شکر ہے اور اس کی تعریف ہے کہ تائیس آج تونے انسان کی خطا کاریوں کو دیکھ لیا کہ وہ کیسی سخت اور خوفناک ہیں۔ تائیس۔ پہلے ان فلسفیوں کی ناپاک تقریروں کو یاد کر۔ پھر بتا کہ کیا ان ہی کے ساتھ تو بھی دیوانوں کی طرح بڑ مارنا چاہتی ہے۔ پہلے ذرا ان کمینہ و بے شرم و بے حیا شفتلوں کو یاد کر جو ان شرابیوں کی نفس ناطقہ بنی ہوئی تھیں۔ پھر بتا۔ کیا تو بھی ان ہی جیسا رہنا چاہتی ہے۔"

آج کی شب بیہودہ حرکتوں میں عورتوں کی نالائقی اور مردوں کی بے اعتدالی اور سنگدلی دیکھ کر اور یہ خیال کر کے کہ اس رات کا ایک ایک لمحہ کیسا گراں گذرا ہے تائیس کا دل سخت بیزار و متنفر تھا۔ ایک آہ سرد بھر کر کہنے لگی :-

"میں تو اب ان سب چیزوں سے تنگ آ کر لب گور پہنچ چکی ہوں۔ بابا۔ یہ بتایئے کہ چین بھی کہیں نصیب ہو گا۔ میرا ماتھا جل رہا ہے۔ سر بالکل خالی خالی معلوم ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں شل ہیں۔ اور اتنی طاقت بھی نہیں کہ اگر خوشی کو کوئی میری ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ دے تو اسے اٹھا سکوں۔"

یہ سن کر لیفنوتوس نے تائیس کو مہربانی کی نظر سے دیکھا اور کہا۔

"بہن ہمت نہ ہار۔ چین و آرام کا وقت تیرے لئے قریب آ رہا ہے۔ دیکھ ان جھیلوں اور باغوں سے بخارات کا جو اجلا اجلا دھواں سا اٹھتا معلوم ہوتا ہے بس اب تو بھی ایسی ہی اجلی اور پاک ہو جائیگی۔"

اب چلتے چلتے تائیس اپنے مکان کے قریب پہنچی۔ لیفنوتوس ساتھ تھا۔ پریوں

والے گوشے کے آس پاس جو صنوبر کے درخت تھے ان کی چوٹیاں چار دیواری سے اونچی نکلی ہوئی نظر آنے لگیں۔ ان کے اوس پڑے پتے صبح کی ہلکی ہلکی ہوا میں ہلتے تھے سامنے ایک سنگین چوک تھا۔ جہاں اس وقت کوئی آدمی نہ تھا۔ چوک کے چاروں طرف ستونوں کی صفیں تھیں اور جا بجا پتھر کے خوبصورت بُت نصب تھے۔ دوسرے سرے پر سنگِ مرمر کے چند گول تخت بچھے تھے۔ تائیس بالکل ماندہ و خستہ ایک تخت پر بیٹھ گئی۔ اور بڑی حسرت سے راہب کی صورت دیکھ کر کہنے لگی "بتائیے اب کیا کروں؟"

راہب نے جواب دیا "بس یہی کہ جو تمہاری تلاش میں یہاں تک آیا ہے اس کا کہنا کرو۔ وہ تم کو دُنیا سے اس طرح توڑ لے گا جس طرح مے فروش انگور کے خوشوں کو جو درخت پر رہ کر سڑ جاتے درخت سے توڑ لیتا ہے اور ان کا شیرہ نکال کر نہایت خوشبودار شراب تیار کرتا ہے۔ سُنو۔ اسکندریہ سے مغرب کی جانب بارہ گھنٹے کی مسافت سے سمندر کے کنارے راہبات کا ایک دیر ہے۔ اس میں سکونت رکھنے کے قواعد نیکی اور عقل کا ایک نمونہ ہیں۔ وہ اس قابل ہیں کہ نظم میں لکھے جائیں اور بانسری اور طنبورہ پر ان کو گایا جائے۔ جو عورتیں ان قواعد کی پابند ہو کر وہاں رہتی ہیں اُن کے قدم دُنیا میں ہوتے ہیں اور چہرے آسمان پر۔ اس دُنیا میں وہ فرشتوں کی طرح رہتی ہیں۔ وہ منقش رہنا چاہتی ہیں تاکہ یسوع ان سے اُلفت رکھے۔ وہ سادگی اور غیرت اختیار کرتی ہیں تاکہ یسوع کی ان پر نظر پڑے۔ وہ پاک دامن اور عفیف رہتی ہیں تاکہ یسوع انہیں اپنی دلہن بنائے۔ یسوع روز ایک باغبان کی شکل میں ننگے پاؤں ہاتھ پھیلائے ان کی طرف آتا ہے، بالکل اسی شکل میں جیسے کہ قبر سے اُٹھ کر وہ مریم مگدلینی کو جاتا ہوا نظر آیا تھا۔ بس۔ آج اس دیرِ راہبات میں تمہیں پہنچا دونگا۔ جو پارسا عورتیں وہاں رہتی ہیں ان کی صحبت سے تم فیض پاؤ گی۔ یہ سب تمہاری سگی بہنوں کی طرح اس وقت تمہاری منتظر ہیں۔ دیر کے دروازے پر ان کی رئیسہ جسے سب "ماں" کہتے ہیں یعنی مشہور عابدہ البینہ موجود ہوگی جو تمہیں سلامتی دے کر تمہاری پیشانی کا بوسہ لے گی اور کہے گی کہ آ۔ بیٹی۔ آ۔ تیرا آنا مبارک ہو۔"

یہ سُن کر تائیس کے مُنہ سے بے اختیار نکلا۔

"البینہ۔ قیصروں کی لختِ جگر۔ شہنشاہ کاریوس کی نواسی"

راہب "ہاں وہی البینہ جو شاہوں کے قصر میں دیبا و حریر پہنتی تھی۔ اب ٹاٹ کا کُرتا پہنتی ہے اور ایسے گھرانے کی بیٹی جو دُنیا پر حکومت کا ڈنکا بجا رہا ہے رُتبہ میں بلند ہو کر مسیح کی لونڈی بنی ہے"

تائیس کھڑی ہو گئی اور کہا کہ "مجھے البینہ کے گھر لے چلیئے"

جس قدر کامیابی باقی رہ گئی تھی اس کو مکمل کرنے کے لئے پفنوتوس نے کہا۔

"میں درحقیقت تجھے وہیں لے جاؤنگا۔ اور وہاں تجھے ایک حجرے میں بند کر دونگا جہاں اپنے گناہوں پر تجھے رونا پڑیگا۔ کیونکہ البینہ کی بیٹیوں سے تیرا ملنا اس وقت تک مناسب نہیں ہے جب تک تیرے گناہوں کے داغ دھبے سب دُھل کر پاک نہ ہو جائیں۔ اس حُجرے کے دروازے پر میں اپنی مُہر لگا دونگا اور اس زنداں میں ایک خوشدل قیدی کی طرح تو رہا کریگی۔ حتیٰ کہ خود یسوع وہاں آئے گا اور اس مُہر کو توڑیگا۔ اور یہ علامت ہوگی کہ تیرے گناہ معاف کئے گئے۔ تائیس کیا تجھے یسوع کے آنے میں شُبہ ہے۔ نہیں وہ ضرور آئے گا اور جب اپنی نُور کی انگلیاں تیری آنکھوں پر رکھ کر تیرے آنسو پونچھیگا تو تیرے سارے جسم پر کیسا رعشہ پیدا ہو جائے گا"

تائیس نے دوبارہ کہا "بابا۔ مجھ کو البینہ کے گھر لے چلیئے"

پفنوتوس کا دل خوش ہو گیا۔ چاروں طرف خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو بلا خوف و خطر دیکھ کر ایک لُطف و لذت حاصل کرنے لگا۔ خدا کے پھیلائے ہوئے نور سے اس کی بصارت محظوظ ہوئی اور جبین نیاز پر ہلکے ہلکے کسی کا دم کرنا محسوس ہوا۔ یکایک اس چوک کے ایک گوشہ کی طرف ایک دروازے پر نظر پڑی جو تائیس کے مکان کی طرف کھلتا تھا۔ دیودار اور صنوبر کے درختوں کی چوٹیاں دیکھ کر جن کو ہوا میں جھومتے ہوئے ابھی دیکھ چُکا تھا خیال آیا کہ یہ تائیس کے باغ کے درخت ہیں اس خیال کیساتھ ہی ان نجس باتوں کو یاد کیا جنہوں نے وہاں کی ہوا کو جو آج کیسی صاف و

خوشگوار تھی کبھی ناپاک کر رہا تھا۔ اتنا خیال آتے ہی راہب کے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہنے لگا:۔

"تائیس۔ ہم کو یہاں سے بھاگنا چاہیئے۔ پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن تیرے گھر کا مال و اسباب جو تیرے گذشتہ گناہوں کا شاہد رہ چکا ہے۔ یہ طرح طرح کے نقشین اور رنگین پردے۔ یہ خوبصورت گل بوٹوں والے دیوار پوش۔ یہ عود اور مُر روشن کرنے کے لئے طلائی ظروف۔ یہ عطردان اور گلدان چہل چراغ اور فانوس ان میں ایک کو بھی سلامت نہ رہنے دینا چاہیئے۔ کیا تو چاہتی ہے کہ گھر کا یہ سامان جس میں ابلیس نے جان ڈال رکھی ہے اور جس پر خبیث روحیں قبضہ کئے ہیں تیرے ساتھ ساتھ صحرا تک جائیں گی۔ سمجھ لے کہ یہ رسوائی کی میزیں اور فضیحت کی کرسیاں شیاطین کے آلے اور اوزار ہیں جو از خود چلتے اور بولتے ہیں۔ اور زمین پر آفتیں اور آسمان سے بلائیں نازل کراتے ہیں۔ جتنی چیزیں تیری بے شرمی اور بے حیائی میں شریک رہی ہیں اُن سب کو خاک میں ملا دینا ضروری ہے۔ تائیس جلدی کر۔ شہر ابھی سو رہا ہے۔ اپنے غلاموں کو حکم دے کہ اس چوک میں لکڑیوں کا ایک انبار لگائیں۔ اور ان کو سلگا کر تیرے گھر کی جس قدر دولت ہے اس پر رکھ کر پھونک دیں"

تائیس نے رضامندی ظاہر کی اور کہا:۔

"بابا۔ جو کچھ آپ بہتر سمجھیں وہی کریں مجھے معلوم ہے کہ بعض وقت بے جان چیزوں میں روحیں اپنا گھر کر لیتی ہیں۔ میرے ہی گھر کے سامان میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو رات کے وقت آپس میں باتیں کرتی اور ایک دوسرے کو روشنیاں دکھاتی ہیں گویا آپس میں اشارے کرتی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ بابا۔ میری جل پریوں والی کھوکے دروازے پر اپنے ہاتھ کو آپ نے ایک بُت ننگی عورت کا جو نہانے کی تیاری کرتی معلوم ہوتی ہے دیکھا ہوگا۔ یہ میری آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ایک دن اسی مورت نے بالکل زندہ عورت کی طرح یکایک اپنی گردن پھیری اور پھر جیسی تھی ویسی ہی ہو گئی۔ میں تو ڈر کے مارے ٹھنڈی پڑ گئی۔ نیکیاس سے جب

یہ قصہ کہا تو وہ مجھ پر ہنسنے لگا۔ مگر یہ جو کچھ ہو اس میں شبہ نہیں کہ اس مورت میں ضرور کوئی سحر ہے۔ کیونکہ دلنا توس ایک نوجوان آدمی تھا جو میرے ہاں اکثر آیا کرتا تھا۔ اس کو میرے حسن کی تو مطلق پروا نہ تھی مگر اس بے جان مورت پر بہت ہی ہوا و ہوس سے جان دیتا تھا۔ غرض مجھے ہر حال میں ان جادو بھری چیزوں میں رہنا پڑا۔ ہر وقت جان کو ایک خطرہ لگا رہا۔ میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ کبھی کبھی لوہے کی مورتوں نے مردوں کو گلے لگا کر ایسا دبایا ہے کہ ان کا دم ہی نکال دیا۔ مگر باوجود اس کے ترس آتا ہے کہ میرے گھر کی یہ نادر چیزیں یوں پلک مارتے غارت کر دی جائیں۔ یہ سب بڑی صنعت اور استادوں کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ اگر یہ پردے اور دیوار پوش جلا دئے گئے تو پھر ایسے میسر نہ ہونگے۔ انکا رنگ بہت شوخ ہے اور کام قابلِ تعریف ہے۔ اور جن لوگوں نے یہ چیزیں تحفوں میں دی تھیں انھوں نے ان پر بڑی دولت صرف کی تھی۔ یہ نادر شراب پینے کی صراحیاں اور پیالے۔ یہ قیمتی ظروف۔ یہ انمول مورتیں اور تصویریں عجائبات سے ہیں۔ میں نہیں سمجھتی کہ ان کو جلانا ضروری ہے۔ لیکن بابا۔ آپ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کیا ضروری ہے اور کیا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے جو آپ کی مرضی ہو وہی کیجئے۔"

یہ کہہ کر تائیس سنگِ مرمر کے تخت سے اٹھی اور راہب کے پیچھے پیچھے اپنے گھر کے دروازے پر آئی۔ جہاں اس کے قدردان پھولوں کے ہار لٹکا جایا کرتے تھے۔ دروازہ کھلوا کر دربان کو حکم دیا کہ گھر کے سب نوکر چاکر غلام اور باندیاں فوراً حاضر کی جائیں۔ یہ حکم سنتے ہی پہلے چار رکابدار آئے۔ یہ سب ایک ہی قوم اور ملک کے آدمی تھے اور سب میں ایک ہی نقص تھا یعنی سب کانے تھے۔ تائیس نے ان یک چشم نوکروں کو بہت ہی تلاش اور صرف سے بہم پہنچایا تھا۔ دعوتوں میں جس وقت یہ کھانا کھلاتے تھے تو مہمانوں کو سخت حیرت ہوتی تھی۔ اور تائیس اپنے دوستوں کو خوش کرنے کے لئے ان سے کہا کرتی تھی کہ اپنی اپنی زندگی کی داستان سناؤ۔ جب یہ چاروں رکابدار چپ چاپ سامنے آکر کھڑے ہوئے۔ تو ان کے پیچھے انکے ہاتھ کے نیچے کام کرنیوالوں

کا ایک غول تھا۔ ان کے بعد تائیس اور شکاری۔ پالکی بردار اور ہرکارے۔ اور دو بڈھے باغبان اور چھ بڑی خونخوار صورتوں کے حبشی اور ان کے پیچھے تین یونانی غلام آئے۔ ان میں ایک نجومی۔ دوسرا شاعر اور تیسرا مطرب تھا۔ یہ سب لوگ چوک میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے۔ اتنے میں چار حبشن باندیاں بہت پریشان اور گھبرائی ہوئی آئیں۔ کھڑی کھڑی آنکھوں کی سپیدیاں پھرائیں اور باچھوں کو کھلا کر کانوں کی لو تک لے آتی تھیں۔ سب سے آخیر میں اور ڈھنیوں کو درست کرتے اور زمین پر بڑے انداز سے پاؤں ڈالتے ہوئے جن میں سونے کی ہلکی ہلکی زنجیریں پڑی تھیں چھ بہت خوبصورت گورے رنگ کے غلام جو خنثے تھے حاضر ہوئے۔ یہ بھی صورت سے بہت پریشان معلوم ہوتے تھے۔ اور سب کے سامنے ان کو اپنا آنا نہایت ناگوار گزر رہا تھا جب سب نوکر اور غلام آ لئے تو تائیس نے لیفنوتوس کی طرف اشارہ کر کے ان سب سے کہا:۔

"یہ راہب جو کچھ حکم دیں وہی کرو۔ ان میں خدا کی روح ہے۔ اگر تم نے انکا حکم نہ مانا تو یہیں مر کر زمین کا پیوند ہو جاؤ گے"

یہ باتیں تائیس نے کچھ نوکروں کو ڈرانے کے لئے نہیں کہی تھی بلکہ خود اس کو یقین تھا اور سن بھی چکی تھی کہ صحرا کے راہب جب کسی گنہگار کو اپنا عصا مار دیتے ہیں تو زمین فوراً شق ہو کر ایک غبار بنا دیتی ہے جس سے دھواں اٹھتا ہے اور اس غار میں وہ آدمی فوراً سما جاتا ہے۔

لیفنوتوس نے حبشنوں اور خنثے غلاموں کو تو رخصت کیا اور باقی نوکروں سے کہا کہ "اس چوک کے بیچ میں لکڑیاں جمع کر کے آگ جلاؤ اور اس گھر اور اس کے خلوت خانے میں جس قدر مال و اسباب ہے وہ سب جلتی آگ میں ڈال دو"

یہ حکم سن کر سب لوگ ششدر رہ گئے۔ زبان سے کوئی کچھ نہ کہتا تھا مگر تائیس کا منہ دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے سوال کرتے تھے کہ کیا کریں تائیس نہ نظر اٹھاتی تھی اور نہ منہ سے کچھ بولتی تھی۔ اب یہ نوکر اور غلام یا تو صف بستہ

کھڑے تھے یا سب آپس میں ایک حلقہ بنا کر ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ انکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کوئی واقعہ ہے یا محض مذاق ہو رہا ہے۔

اتنے میں راہب نے ڈانٹ کر کہا کہ "حکم بجا لاؤ"

ان خادموں میں بعض عیسائی تھے۔ حکم کا مطلب سمجھ گئے اور فوراً مکان کے اندر جا کر لکڑیاں اور مشعلیں ڈھونڈنے لگے۔ بعض نوکر جو بہت مفلس تھے۔ وہ اس حکم سے ناخوش نہیں ہوئے۔ یہ لوگ اپنی مفلسی کی وجہ سے دولتمندوں کو بُری نظر سے دیکھتے تھے۔ اس لئے غارتگری کا شوق ان میں قدرتاً موجود تھا۔ غرض جب لکڑیوں کا انبار چبوترے پر لگا دیا گیا تو لیفنوتوس سے کہا:-

"اے عورت۔ مجھ کو خیال آیا تھا مگر فوراً ہی جاتا رہا کہ اگر اس شہر میں کوئی گرجا حقیقت میں گرجا کہلائے جانے کے قابل ہوتا اور ایریوسی عیسائیوں کی ناپاکی سے محفوظ ہوتا تو اس کے خزانچی کو بلا کر تیرا مال اس کے سپرد کر دیتا کہ وہ عیسائی بیواؤں میں تقسیم کر دیا جائے اور اس طرح جو دولت گناہوں سے فراہم ہوئی تھی وہ عدل و انصاف کے خزانہ میں جمع کر دی جاتی۔ لیکن میرا یہ خیال خدا کی جانب سے نہ تھا۔ اسلیئے میں نے اس کو اپنے دل سے دور کر دیا۔ اور سمجھ لیا کہ عیش و عشرت کی غنیمت کو مسیح کی اُمّت میں تقسیم کرنا سخت گناہ ہے۔ یہ دولت وہ ہے جس کا ایک ایک ذرّہ آگ کے سپرد ہونا چاہیئے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ تیری پُر تکلّف قبائیں۔ چادریں اور نقابیں جن پر بوسوں کے اس قدر نشان ہیں کہ سمندر میں اتنی موجیں بھی نہ ہوں گی۔ اب آگ کی زبانوں اور شعلوں کے لبوں سے ان کو واسطہ ہوگا۔ غلامو۔ جلدی کرو۔ لکڑیاں اور جلتے چیلے اور لاؤ۔ اور اے عورت اپنے گھر میں جا اور جو بے شرمی کا نجس لباس اس وقت پہنے ہے اسے اتار دے اور ذلیل سے ذلیل لونڈی جو گھر میں ہو اس سے التجا کر کہ وہ اپنے پُرانے کپڑے دے کر تجھ پر احسان کرے"

تائیس راہب کا حکم بجا لائی۔ رکابدار جھکے ہوئے لکڑیوں پر دھونکنیاں چلا رہے تھے۔ حبشی غلام سرد و صنوبر کے صندوق۔ عاج و آبنوس کے صندوقچے

اُٹھا اُٹھا کر آگ میں پھینکے جو گرتے ہی ٹوٹ جاتے تھے اور ان میں سے موتیوں کے ہار سونے کے طرے اور جڑاؤ سرپیچ نکل پڑتے۔ آخر کار لکڑیوں کے اس اونچے انبار سے سیاہ دھوئیں کا ایک ستون سا اس طرح اٹھا جیسے عہد نامۂ عتیق کی مقبول قربانیوں سے کبھی اُٹھا کرتا تھا۔ آگ سُلگتے سُلگتے دفعتاً بھڑکی اور ایسا شور ہوا جیسے کوئی درندہ غرّاتے غرّاتے دفعتاً دھاڑنے لگے۔ اور زبر شعلوں نے جو نظر نہ آتے تھے اس گرانبہا ایندھن کو جلا کر خاک کرنا شروع کیا۔ غلاموں کی ہمت اور بڑھی۔ اور وہ دوڑ دوڑ کر نہایت قیمتی کپڑے۔ زرنگار کے لباس اور گل بوٹوں کے پردے گھر کے اندر سے لا لا کر آگ میں جھونکنے لگے۔ بھاری بھاری میزیں کوچیں پلنگ اور تکیے اپنے سروں پر لاد کر لائے۔ تین بڑے قوی ہیکل حبشی جل پریوں والے گوشے کی رنگین مورتوں کو جن میں سے ایک کو زندہ معشوق سمجھ کر ایک عاشق ہو جایا کرتے تھے گودوں میں اس طرح اُٹھا کر لائے جیسے کالے منہ کے بندر گوری گوری پریوں کو اُٹھائے لئے جاتے ہوں۔ یہاں تک کہ یہ بُت انکے ہاتھ سے چھوٹ پڑے اور فرش پر گر کر پاش پاش ہو گئے۔ اور اس وقت کسی کے کراہنے کی آواز لوگوں کے کانوں میں آئی۔

تائیس بال کھولے جن کی لٹیں کمر تک آتی تھیں۔ ننگے پاؤں ایک موٹے جھوٹے کپڑے کا بے قطع بیچا کرتا پہنے ہوئے آئی۔ کیا تعجب ہو کہ محض اس کے جسم کے مس سے اس ذلیل لباس کو ہولے نفسانی اور لذت روحانی دونوں کی ملی جلی کیفیت محسوس ہو رہی ہو۔ تائیس کے پیچھے پیچھے گھر کا بڈھا مالی ایک ہاتھی دانت کا بنا ہوا خوبصورت بت گود میں لئے لا رہا تھا۔ یہ بت عشق کا دیوتا تھا۔ ایروس اس کا نام تھا۔ یہ پریم کا دیوتا ہمیشہ ایک بہت شوخ اور خوبصورت بچے کی شکل میں بنایا جاتا تھا اس کے دونوں شانوں پر پر لگے تھے۔ ایک چھوٹے سے ترکش میں تیر بھرے تھے۔ کوئی سونے کا تیز نوک کا اور کوئی لوہے کا کُند نوک کا تھا۔ تیز نوک کا تیر جس پر چلایا ان کے دل میں عشق پیدا ہو جاتا اور کُند نوک کا تیر جسے لگاتا اسے بجائے عشق کے نفرت پیدا ہو جاتی۔ اس بچے کا رات دن یہی کھیل تھا)

تائیس نے مالی کو حکم دیا کہ ٹھہرو۔ اور پفنوتوس کے قریب آکر وہ بُت اس کو دکھایا اور کہا۔

"بابا۔ کیا اس کو بھی آگ میں ڈالا جائیگا۔ یہ ایک پُرانی اور نادر چیز ہے اور اس کی قیمت اس کے وزن کا دس گُنا سونا ہے۔ اس کا ضائع کرنا ایسا نقصان ہوگا جس کی کبھی تلافی نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ اب دُنیا میں کوئی کاریگر ایسا نہیں ہے جو ایروس کا بُت ایسا بنادے۔ بابا۔ یہ بچہ عشقِ مجسّم ہے۔ اور بچّے کو کوئی ظلم سے نہیں مارتا۔ یقین کیجئے کہ عشق کا شمار حسنات میں ہے۔ اور اگر مجھ سے گناہ ہوئے ہیں تو اس خدائے عشق کی اطاعت میں نہیں بلکہ اس کی نافرمانی سے ہوئے ہیں۔ جو کچھ اس کے حکم کے مطابق میں نے کیا اس کا افسوس نہیں البتہ جو کچھ اس کے حکم کے برخلاف باوجود اس کے منع کرنے کے مجھ سے ہوا اس پر روتی ہوں۔ عورتوں کو اس دیوتا نے کبھی اجازت نہیں دی کہ وہ ایسے مردوں کی ہو کر رہیں جن کی زبان پر اس عشق کے دیوتا کا نام نہ ہو۔ بابا۔ دیکھئے۔ ایروس کا یہ چھوٹا سا بُت ایک چنچل بچّے کی صورت میں کیا خوب بنایا ہے۔ کس پیار سے مالی کی گود میں چھپا ہے۔ نیکیاس کو جب مجھ سے تعلق تھا تو یہ بُت اس نے مجھے دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ "یہ وہ تحفہ ہے جو تم سے میرا حال کہتا رہے گا"۔ لیکن نیکیاس کا حال تو اس نے مجھ سے کبھی نہ کہا۔ البتہ انطاکیہ کے ایک خوشرو جوان کو اکثر یاد دلانے لگا۔ بابا۔ یہ جتنا جو آپ نے چُنوائی ہے اس پر بہت دولت خاک ہو چکی ہے مگر اس ایروس کو تو آگ میں نہ ڈالئے۔ اس کو بچا لیجئے۔ راہبوں کی کسی خانقاہ میں اس کو رکھ دیجئے گا۔ جو لوگ اس کو دیکھتے ہیں خدا سے لو لگاتے ہیں۔ کیونکہ عشق کی فطرت میں ہے کہ انسان کو خدا کی معرفت تک پہنچا دے"۔

باغبان سمجھا کہ ایروس اب آگ میں نہ ڈالا جائیگا اس لئے وہ اس کی طرف دیکھ کر اس طرح ہنسنے لگا جیسے کوئی بڈھا بچّے کو دیکھ کر ہنستا اور خوش ہوتا ہے۔ لیکن پفنوتوس نے باغبان کی گود سے اس بُت کو کھینچ کر آگ میں ڈال دیا اور

نہایت غیظ و غضب سے کہنے لگا:۔

"محض نیکیاس کا ہاتھ لگنا کافی ہے کہ یہ ناپاک بُت دُنیا میں ہر قسم کا زہر پھیلاتا رہے۔"

اس کے بعد بڑی بڑی پُرتکلف اور قیمتی چیزیں۔ طلائی کام کی جوتیاں۔ کنگھیاں آئینے۔ شمع دان۔ باجے اور موسیقی کے ساز سب اس نے جلتی لکڑیوں کے انبار میں ڈلوا دیئے جو اپنی شان وشوکت میں اس تودہ ہیزم سے بھی بڑھا ہوا تھا جس پر نینوہ کے بادشاہ سردانا پلس کی لاش جلائی گئی تھی۔ غلاموں نے جلانے اور پھونکنے کے جوش میں مست ہو کر اڑتی ہوئی آگ کے شراروں میں ناچنا اور چیخنا شروع کیا۔

ہمسائے شور وغل سن کر جاگے۔ ایک ایک کر کے سب نے اپنے اپنے بالاخانے کی کھڑکیاں کھولیں اور آنکھیں مل کر دیکھنے لگے کہ یہ دھواں کدھر سے اٹھا ہے۔ پھر جلدی سے الٹے سیدھے کپڑے پہن جہاں یہ آگ روشن تھی وہاں آئے اور سوچنے لگے کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے۔

ان میں بعض لوگ سوداگر تھے جن سے تائیس عطر اور خوشبو کی چیزیں خریدا کرتی تھی۔ ان سب نے بہت ہی بدحواس ہو کر اپنے گنجے گنجے سر اور لمبی لمبی گردنیں آگے بڑھا کر اس معاملہ کو غور سے دیکھنا اور سمجھنا چاہا۔ بہت سے نوجوان عیاش جو رات بھر جلسے دیکھ کر نوکروں اور غلاموں کی ایک بھیڑ ساتھ لئے ادھر سے جا رہے تھے اس ہنگامے کو دیکھ کر ٹھہر گئے۔ ان کے سروں پر پھولوں کے ہار لپٹے تھے اور قباؤں کے بند کھلے تھے۔ آگ کا ڈھیر دیکھتے ہی انھوں نے غل مچانا شروع کیا۔ لوگوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔ اور بہت جلد سب کو معلوم ہو گیا کہ انصینوئے قسیس کے کہنے سے تائیس آج اپنے گھر کی دولت پھونک کر کسی دیر میں داخل ہونے والی ہے۔

سوداگروں نے سوچا:۔

"تائیس۔ اور شہر چھوڑ دے۔ اس خیال ہی سے ہوش اڑے جاتے ہیں۔ اس کے بغیر ہم لوگوں کا کیا حال ہو گا۔ اس کمبخت راہب نے اسے پاگل بنا دیا ہے۔ یہ

لمبی ڈاڑھی والا ہم کو تباہ کرکے چھوڑیگا۔ آخر قانون کس دن کے لئے ہے۔ کیا اسکندریہ میں اب کوئی حاکم کوئی انصاف کرنے والا نہیں رہا۔ تائیس کو ہمارے غریب بال بچوں کا بھی کچھ خیال نہیں۔ یہ کام اس کا قانونی جرم کی حد تک پہنچتا ہے۔ تائیس جو چاہے سو کہے مگر شہر میں اسے زیر دستی رہنا ہوگا۔"

جوان عیش پرستوں نے خیال کیا:۔

"اگر تائیس نے کھیل تماشے دکھانے۔ عاشقی معشوقی کے چرچے چھوڑ دئے تو پھر ہماری زندگی کا لطف تو گیا گذرا ہوا۔ تماشا گاہ کی رونق اسی کے دم سے تھی امیروں کا تو کیا ذکر ہے ایسے غریبوں کے حق میں بھی جن کی رسائی اس تک نہ تھی وہ مسرت کا ایک ذریعہ تھی۔ عیش و نشاط کے جلسے کہیں ہوں اور کسی میں ہوں تائیس کا اثر ہر جگہ موجود تھا۔ وہ لذتوں کی لذت تھی اور محض اس خیال سے کہ شہر میں وہ ہمارے ساتھ رہتی ہے ہر وقت طبیعت پر ایک سرور رہتا تھا۔"

شوقین اور عیش پرست ان ہی خیالات میں مصروف تھے کہ ایک شخص جس کا نام قیرون تھا اور کسی زمانے میں تائیس سے واسطہ بھی رکھ چکا تھا سخت برہم ہو کر کہنے لگا "یار و سنتے ہو۔ یہ پادری ایک عورت کو بھگائے لئے جاتا ہے۔ راہبوں کو برا کہتے کہتے مسیح کی نسبت بھی گستاخانہ الفاظ زبان پر لانے لگا۔ غرض ہر حلقے میں جہاں چار آدمی جمع تھے تائیس کی اس حرکت پر کہ پادری کے ساتھ بھاگ رہی ہے نہایت افسوس اور غصہ ظاہر کیا جاتا تھا۔ ہر شخص اپنے اپنے خیال کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور کہتا تھا۔

"اس طرح شہر چھوڑ کر بھاگنا نہایت شرمناک ہے۔"

"یہ راہب بڑا کمینہ ہے جو تائیس سے شہر چھڑوا رہا ہے۔"

"تائیس ہمارے منہ کا نوالہ ہم سے چھین رہی ہے۔"

"ہماری بیٹیوں کو اب جہیز کیونکر نصیب ہوگا۔"

"جو زیور میں نے اس کے ہاتھ بیچا ہے۔ کم سے کم اس کی قیمت تو دیتی جائے۔"

"اور ساٹھ جوڑے کپڑوں کے جو تیار کرائے ہیں ان کے دام اب کون دے گا۔"

"وہ تو سب کی قرضدار ہو رہی ہے۔"

"ہائے۔ ہائے تائیس چلی گئی تو پھر افگینہ۔ ایلکتیرہ اور پولی زینہ بن کر کون تماشے دکھائیگا۔ مانا کہ پولیپوس کا تماشا اچھا ہے مگر تائیس کو کوئی نہیں پہنچتا۔"

"تائیس کیا دروازہ بند ہوتے ہی زندگی دوبھر ہو جائے گی۔"

"وہ تو اسکندریہ کے آسمان کا تارا تھی۔ چاند کی ہلکی ہلکی چاندنی تھی۔"

اتنے میں شہر کے پرانے پرانے فقیر اور کنگلے۔ اندھے اور لنگڑے۔ جذامی اور مفلوج بھی جمع ہو گئے اور اس جلتی ہوئی دولت کی روشنی میں گھسٹتے ہوئے آکر روتے پیٹتے کہنے لگے:۔

"جب تائیس ہی روٹی نہ دے گی تو ہمارے پیٹ کو ٹکڑا کہاں سے ملیگا۔ اس کے دستر خوان کا بچا ہوا کھانا تو دو سو بھوکوں کا روز پیٹ بھرا کرتا تھا اور جب اسکے چاہنے والے اس کے گھر سے نکلتے تھے تو مٹھیاں بھر بھر روپے پیسے ہم بھوکوں کو دے جاتے تھے۔"

اس بھیڑ میں چور اور اچکے بھی موجود تھے۔ یہ سب سے زیادہ شور مچاتے تھے۔ لوگوں کو ادھر اُدھر دھکے دیتے کہ ہنگامہ اور بڑھے اور موقع ملے تو جلتے ڈھیر سے کوئی چیز نکال کر چلتے بنیں۔

ایک بڈھا تاجر ناد کوس بھی وہاں موجود تھا۔ یہ ملطیہ سے اون اور تارتم سے سن منگوا کر شہر میں بیچا کرتا تھا۔ تائیس پر اس کا بہت سا روپیہ چڑھا تھا۔ یہ اس طوفان بے تمیزی میں چپ کھڑا ایک ایک بات کو غور سے سنتا تھا۔ بکرے کی سی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتا جاتا اور صورت سے بے حد فکرمند معلوم ہوتا تھا۔ آخر کار وہ نوجوان قیرون کے پاس آیا اور اس کی آستین کھینچ کر آہستہ سے کہنے لگا:۔

"آپ کے برابر تو تائیس کسی کو نہ سمجھتی تھی۔ پھر آپ بڑھ کر اس پادری کو کیوں نہیں روکتے۔"

اور اس شہید وفا کے چہرے سے خون بہہ کر تائیس کے سر پر ٹپکنے لگا گویا یہ دوسرا اصطباغ تھا جو پانی کے بدلے لہو سے ایک گناہوں سے توبہ کرنیوالی عورت کو دیا جا رہا تھا۔ لفنوتوس نے تائیس کو اس زور سے اپنے سینے سے لپٹا رکھا تھا کہ وہ گھبرائی جاتی تھی اور پادری کے کھردرے کمبل کے کرتے سے اُسکے چہرے کی نازک جلد چھلی جاتی تھی۔ بے حد خوف زدہ ہو کر سر سے پاؤں تک کانپ رہی تھی۔

اس موقعہ پر ایک بہت خوش پوشاک آدمی مشکل سے رستہ نکالتا ہوا حلقہ کے بیچ میں آیا اور چلا کر کہنے لگا:۔

"لوگو۔ ذرا دم لو۔ یہ کیا کرتے ہو۔ یہ راہب میرا بھائی ہے"۔ یہ آواز نیکیاس کی تھی۔ ضیافت میں اقریطوس فلسفی کی موت کا واقعہ دیکھ کر اپنے مکان کو جاتا تھا کہ چوک میں لکڑیوں کا ایک انبار اور اس سے دھواں اُٹھتا دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ تائیس موٹے جھوٹے کپڑے پہنے ہے اور لفنوتوس کو لوگ پتھر مارتے ہیں۔ نیکیاس کو اس پر کچھ حیرت نہیں ہوئی کیونکہ حیرت اس کی طبیعت میں کوئی چیز بھی پیدا نہ کر سکتی تھی۔ نیکیاس نے دوبارہ للکار کر کہا:۔

"ٹھہرو ٹھہرو۔ میرے پرانے مکتب کے دوست لفنوتوس کو پتھر نہ مارو بلکہ اس کی عزت کرو"۔

چونکہ فلسفیوں کے جلسوں میں بیٹھ کر نہایت نازک اور لطیف گفتگو کرنے کا خوگر تھا اس لئے اس میں کارفرمائی کی وہ بارعب قوت موجود نہ تھی جو عام لوگوں کی طبیعت کو مغلوب کر لیا کرتی ہے۔ لوگوں کو بہت روکنا چاہا مگر کسی نے اس کی بات نہ سُنی۔ اور ایک بوچھاڑ ہڈیوں اور پتھروں کی راہب پر اور آئی۔ مگر وہ تائیس پر بالکل چھایا ہوا تھا کہ اسے کسی قسم کا گزند نہ پہنچے اور اس بات پر خدا کی تعریف میں مصروف تھا کہ یہ چوٹیں جو اس کے جسم کو پہنچ رہی تھیں چوٹیں نہ تھیں بلکہ خداوند کے پیار کی تھپکیاں تھیں۔ نیکیاس کو اسکی اُمید نہ رہی کہ لوگ اس کی بات سُنیں گے، اور یقین ہو گیا کہ وہ اپنے دوست کو بچانے میں تو زور سے کام لے سکتا ہے

اور نہ سمجھانے سے۔ اس لئے اس نے راہب کی خیر و سلامتی کو دیوتاؤں کے سپرد کیا جن پر اس کو کچھ زیادہ اعتقاد بھی نہ تھا۔ انسان کی عزت و وقعت اس کے دل میں نہ تھی اور غالباً اسی وجہ سے ایک ترکیب اس کے ذہن میں آئی۔ فوراً جیب سے ایک تھیلی نکالی۔ چونکہ بڑا عیش پرست اور فیاض آدمی تھا اس لئے اشرفیاں اور روپے ہر وقت پاس رکھتا تھا۔ غرض تھیلی ہاتھ میں لئے ان لوگوں کے قریب پہنچا جو راہب پر پتھر برسا رہے تھے۔ اور ایک ایک کے سامنے جا کر تھیلی کو اس طرح ہلایا کہ اس میں روپے اور اشرفیاں خوب چھنکنے لگیں۔ لوگوں کو اس قدر غصہ تھا کہ پہلے تو کسی نے اس آواز کی طرف توجہ نہ کی مگر پھر ادھر خیال کر کے پتھر پھینکنے سے ہاتھ روکا اور تھیلی کو گھورنے لگے۔ نیکیاس نے اتنا دیکھتے ہی جھٹ تھیلی کا منہ کھولا اور روپے اشرفیاں لوگوں میں پھینکنے لگا۔ لالچی تو فوراً زمین پر جھک پڑے۔ فلسفی جی میں خوش ہوا اور سمجھا کہ بات بن گئی۔ جس قدر درہم و دینار پاس تھے چاروں طرف لٹانے لگا۔ سونے چاندی کی جھنکار پتھروں پر سنتے ہی جتنے لوگ پادری کو پتھر مار رہے تھے اب وہ روپے اشرفیاں لوٹنے لگے۔ فقیر سوداگر غلام سب ہی اس لوٹ میں شریک ہو گئے۔ شہر کے چند رئیس جو فیرون کے پاس کھڑے تھے یہ کیفیت دیکھ زور زور سے قہقہے لگانے لگے فیرون بھی اپنا غصہ بھول گیا اور اس کے دوستوں نے لوٹنے والوں کی ہمت بڑھائی۔ کسی کی پیٹھ ٹھونکی۔ کسی پر شرط لگائی۔ اور جب لوگ لڑنے لگے تو ان کو اور اکسایا گویا لڑتے کتوں کو شُشکار دیں کہ وہ اور لڑیں۔ اتنے میں ایک لنگڑے نے جھپٹ کر ایک درہم زمین پر سے اٹھا لیا اس کی پھرتی پر لوگوں نے اور بھی غل مچایا۔ جوان آدمی جن کی جیبوں میں کچھ تھا وہ بھی روپے پیسے لٹانے لگے اور اب سارے چوک میں سونے چاندی کے مینہ میں سوائے آدمیوں کی پیٹھوں کے جو سمندر کی موجوں کی طرح اوپر نیچے ہوتی دکھائی دیتی تھیں اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ لفنوتوس کو سب بھول گئے۔

اب نیکیاس دوڑ کر فوراً لفنوتوس کے پاس آیا اور اپنی قبا اتار کر اس پر ڈال دی اور پھر اسے اور تائیس کو ایسی تنگ گلیوں میں لے چلا جہاں کوئی پیچھا نہ کر سکے۔

تھوڑی دیر تک یہ لوگ چُپ چاپ چلتے رہے۔ جب سمجھے کہ اس ہجوم سے دور نکل آئے ہیں تو چال دھیمی کی اور نیکیاس نے کسی قدر رنج مگر طنز کے لہجے میں کہا:۔

" آخر کار جو کچھ ہونا تھا وہ ہوا۔ تحت الثریٰ کے دیوتا پلوتو نے زمین کی دبی پر دوسرے پنی کے مزے لُوٹ لئے۔ اور میرے وحشی دوست کے ساتھ تائیس چلنے کو تیار ہو گئیں۔"

تائیس نے جواب دیا " نیکیاس ۔ ہاں۔ اب میں تم جیسے ہنس مُکھ پھولوں میں بسے ہوئے خلیق اور مہربان خود بینوں میں رہتے رہتے اُکتا گئی ہوں۔ اب تک جو کچھ معلوم ہوا اس سے بیزار ہوں اور جو کچھ معلوم نہیں ہے اس کی تلاش میں جا رہی ہوں۔ تجربہ سے ثابت ہوا کہ جس چیز کو خوشی سمجھتی تھی وہ خوشی نہ تھی۔ اس بات کی تعلیم کہ سچی خوشی فی الحقیقت درد و الم میں ہے ان بزرگ سے ملی ہے جن کی ہر بات کا مجھے یقین ہے کیونکہ حق سے وہ آگاہ ہیں۔"

نیکیاس نے مسکرا کر جواب دیا۔ " پیاری تائیس۔ حق سے تو میں بھی آگاہ ہوں۔ یہ بزرگ تو ایک ہی حق کو جانتے ہیں اور میں جتنے حقائق ہیں سب سے واقف ہوں۔ دولت میں بھی ان سے زیادہ ہوں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ نہ ان سے زیادہ مغرور رہوں ورنہ ان سے زیادہ خوش رہتا ہوں۔"

یہ دیکھ کر کہ پفنوتوس اس کو بہت ہی قہر کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے نیکیاس اس سے کہنے لگا:۔

" یارِ دیرین۔ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہیں کوئی حد درجہ کا تماشا یا عقل سے نکل ہی کورا سمجھتا ہوں۔ ہم دونوں میں کون ترجیح کے قابل ہے اس کا فیصلہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ میں اپنی اور تمہاری زندگی کا مقابلہ کروں۔ اچھا میری زندگی یہ ہے کہ اب جس وقت میں گھر پہنچونگا تو میری دونوں کنیزوں نے میرے لئے غسل کا سامان تیار کر رکھا ہوگا۔ جاتے ہی غسل کرونگا۔ پھر کھانے بیٹھونگا۔ تیتر کا کباب کھاؤنگا۔ پھر کھانے سے فارغ ہو کر فرفوریوس کا کوئی مقالہ یا اپولیوس کی کتاب

کوئی ایسا قصّہ نکال کر پڑھوں گا جسے سو مرتبہ پہلے پڑھ چکا ہونگا۔ آپ کی زندگی یہ ہے کہ یہاں سے آپ اپنی جھونپڑی کو واپس جائیں گے اور وہاں پہنچ کر ایک نیک بخت اُونٹ کی طرح دوزانو ہوکر کوئی دُعا یا مناجات پڑھنی شروع کرینگے گویا جس چارے کو بارہا ہضم کر چکے ہیں اسی کی جُگالی پھر شروع کرینگے۔ شام کو آپ مُولی کی ترکاری جس میں چکنائی نام کو نہ ہو گی کھائیں گے۔ مگر یار عزیز ان سب کاموں میں جن کی صورتیں مختلف ہیں ہم دونوں ایک ہی خیال کے پابند ہونگے جو انسان کے اعمال کا اصلی مقصد ہے یعنی حصولِ مسرّت۔ ناممکن مسرت۔ اگر مجھ کو اس کا یقین ہو کہ جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ دُرست ہے تو پھر یہ کہنا کہ تم خطا پر ہو اپنے اوپر ایک ظلم کرنا ہے۔

پیاری نائیس یہی مرضی ہے تو جاؤ۔ اور ممکن ہو تو دولت اور عیش سے بڑھ کر پرہیزگاری اور نفس کُشی میں خوش رہو۔ سب باتوں پر غور کر کے کہتا ہوں۔ کہ تمہاری حالت قابلِ رشک ہے کیونکہ اگر میں نے اور نِفِنوتوس نے اپنی اپنی زندگی میں فطرت کے تابع رہ کر صرف ایک قسم کی مسرّت کو تلاش کیا ہے تو تم نے پیاری نائیس ایسی متضاد مسرتیں حاصل کی ہیں جو مشکل سے ایک ہی شخص کو ملا کرتی ہیں۔ تمنّا تھی کہ ایک ساعت کے لئے میں بھی ایسا ہی پارسا ہو جاتا جیسے کہ تمہارے یہ دوست نِفِنوتوس ہیں۔ لیکن مجھے اس کی اجازت نہیں۔ بس۔ الوداع اے نائیس الوداع۔ جاؤ جہاں تک تمہاری فطرت کی پوشیدہ قوتیں اور تمہاری تقدیر تمہیں لے جائے۔ جاؤ۔ اور نیکیاس کی دعائیں بھی ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں میں اس کو ایک فضول بات سمجھتا ہوں۔ لیکن تم ہی بتاؤ کہ ایک افسوس ناحاصل اور چند بے معنی خواہشوں سے بہتر میں کیا چیز اس دلکش دھوکے کی قیمت میں پیش کر سکتا ہوں جس نے تمہارے کنارِ الفت میں مجھے عیش نصیب کیا تھا۔ اور جس نشے کا خمار گو ایک زمانہ گذر چکا ہے اب تک باقی ہے۔ رخصت اے میری محسنہ۔ رخصت اے خیر و خوبی جس نے خود اپنی قدر نہ جانی۔ رخصت اے پُراسرار نیکی۔ مردوں کی مسرّت الوداع۔ رخصت اے لائقِ پرستش حسین مورت جسے فطرت نے ہنر معلوم کس محنت سے اٹھا کر اس مکروکدر کی دُنیا میں پھینک دیا تھا۔"

اِدھر نیکیاس تائیس سے یہ باتیں کر رہا تھا۔ اُدھر پفنوتوس کے دل میں غصہ بڑھتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ضبط نہ رہا اور اس طرح نیکیاس پر پھوٹ پڑا:۔

"دور ہو لعین۔ میری نظر میں تو ذلیل و خوار ہے۔ ابن جہنم۔ تو ان غریب گنہگاروں سے بھی ہزار درجے بدتر ہے جو ابھی گالیاں دے کر مجھے پتھر مارتے تھے۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ وہ کیا کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ جو برکتیں میں نے انکے لئے خدا سے مانگی ہیں وہ ایک دن ان کو مل جائیں۔ لیکن تو اے ملعون نیکیاس دغا اور فریب کی تلخی اور بے دینی کا زہر ہے۔ تیرے ہر نفس سے مایوسی اور موت نکلتی ہے اور تیرے ایک تبسم میں جس قدر کفر و الحاد بھرا ہے اتنا ابلیس کے دھواں اگلتے مُنہ سے سو برس میں بھی نہیں نکلتا"۔

نیکیاس نے راہب کی طرف بہت ہی نرمی کی نگاہ سے دیکھا اور کہا:۔

"رخصت اے دُنیا سے دامن کشیدہ بھائی۔ میری آرزو ہے کہ تیرے ایمان کے دونوں خزانے یعنی نفرت و عشق تیرے قبضے سے اس وقت تک نہ نکلیں جب تک کہ ان کے قطعی غارت ہو جانے کا وقت نہ آجائے۔ رخصت اے تائیس۔ تم مجھکو اپنے دل سے کبھی نہ بھلا سکو گی۔ کیونکہ میں تمہیں ہمیشہ یاد کرتا رہونگا"۔

نیکیاس ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر پیچیدہ گلیوں میں سے نکلتا ہوا اسکندریہ کے قبرستان کے قریب سے گذرا۔ یہاں کمہاروں کی دکانیں تھیں جن میں مٹی کی مورتیاں رنگ برنگ کی رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں کوئی کسی دیوتا کی اور کوئی کسی دیبی یا فرشتے کی شکل کی بنی تھی۔ دستور تھا کہ جب کوئی بت پرست مرتا تو ایک مورتی اس کی قبر میں دفن کر دی جاتی۔ نیکیاس ایک دکان کے سامنے کھڑے ہو کر ان مورتوں کو دیکھنے لگا۔ اور سوچنے لگا کہ معلوم نہیں ان میں سے کس دیوتا یا دیبی کی مورت موت کی نیند میں میرا ساتھ دیگی۔ اتنے میں عشق کے دیوتا ایروس پر نظر پڑی کہ بہت ہی خوبصورت بچے کی شکل رکھتا ہے اور بنانے والے نے اسکے پَر تنے کے دامن سے ہٹ کر اس کی کمر پر باندھ دئے ہیں۔ نیکیاس کو ایسا معلوم ہوا کہ ......

اس کو مُنہ چڑا کر ہنسنے لگی ہے۔ اپنے مرنے اور دفن کئے جانے کا خیال جس وقت آیا تو دل کو ایک تکلیف ہوئی اور اس تکلیف اور افسردگی کو دُور کرنے کے لئے فلسفے کی مدد سے ایک سوال قائم کر کے اس کے حل کرنے میں مصروف ہوا۔

"اچھا تو حقیقت یہ ہوئی کہ وقت کی کچھ اصلیت نہیں۔ وہ محض ایک دھوکا ہے جو ہمارے تخیّل نے پیدا کر لیا ہے۔ پھر سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر وقت کا وجود نہیں تو وہ میری موت کیونکر لا سکتا ہے۔ تو پھر کیا اس سے یہ مطلب ہوا کہ میں ہمیشہ زندہ رہونگا مگر یہ قطعی ناممکن ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ میری موت وجود رکھتی ہے اور ہمیشہ سے ایسا ہی وجود رکھتی ہے جیسے کہ وہ آیندہ موجود ہو جائے گی۔ ابھی تک مجھے اس کا وجود محسوس نہیں ہوا لیکن بہرکیف وہ موجود ہے۔ اور مجھے موت سے ہرگز خوف نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جو چیز آ چکی ہو اس کے انتظار کا خوف لاحاصل ہے۔ موت تو اس وقت اس طرح موجود ہے جیسے آخری صفحہ اس کتاب کا جس کو پڑھنا شروع کر دیا ہے مگر ابھی ختم نہیں کیا۔"

اس طرح کی دلیلیں سوچتا ہوا چلا۔ مگر طبیعت پر ایک اُداسی تھی۔ دل بھرا آتا تھا۔ یہاں تک کہ گھر کے دروازے پر پہنچا اور اپنی دونوں کنیزوں کے ہنسنے کی آواز سنی۔ یہ اپنے آقا کے انتظار میں اس وقت گیندوں سے کھیل رہی تھیں۔

پفنوتوس اور تائیس شہر کے قمری دروازے سے باہر نکل کر سمندر کے کنارے کنارے چلنے لگے۔

راہب نے تائیس سے کہا "عورت۔ یہ سمندر جو سامنے دیکھتی ہے اس کا کل پانی تیرے گناہوں کو دھونے کے لئے کافی نہیں ہے"

یہ جُملہ نہایت غصّے اور حقارت سے ادا کر کے آگے اس طرح گفتگو کی:۔

"کتیوں اور سؤرنیوں سے زیادہ نجس بن کر اس جسم کے ساتھ جسے خدا نے عبادت کے لئے ایک ہیکل بنایا تھا تو بُت پرستوں اور بے دینوں کے ساتھ مبتلائے گناہ ہوئی۔ چونکہ حق اب تجھ پر روشن ہو چکا ہے اس لئے جب تو ہاتھ باندھے خاموش

خدا کے سامنے حاضر ہونا چاہیگی تو تیری ناپاکیاں تجھ کو خود اپنے سے کس درجے نفرت اور کراہت محسوس کرائیں گی۔!"

تائیس چپ چاپ راہب کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔ رستہ نہایت ناہموار تھا اور دھوپ بہت تیز تھی۔ تھکن سے گھٹنے ٹوٹے جاتے تھے۔ اور پیاس سے حلق خشک تھا۔ مگر راہب کے دل میں وہ جھوٹا رحم جو ناپاکوں کے دلوں کو بھی نرم کر دیتا ہے موجود نہ تھا۔ اور جوشِ پارسائی میں وارفتہ ہو کر چاہتا تھا کہ اس جسم کے پرخچے اُڑا دئے جائیں جس پر حسن اب تک بدنامی اور رسوائی کی شہادت دینے کو خاص طور پر حاضر ہے۔ فکر و مراقبہ مذہبی گرمجوشی میں اور ہیجان پیدا کر دیتا۔ اور جس وقت یہ تصور بندھتا کہ تائیس نیکیاس کے ساتھ ہم بستر ہو چکی ہو تو اس خاص گناہ سے اس درجہ نفرت محسوس ہوتی کہ بدن کا سارا خون سمٹ کر دل پر آجاتا اور معلوم ہوتا کہ اب سینہ شق ہو جائیگا۔ بددعائیں دل سے نکل کر حلق میں پھنس جاتیں اور پھر دانت پیسنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا۔ اسی حال میں تھا کہ دفعتاً کود کر تائیس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ رنگ زرد تھا۔ صورت پر ہیبت تھی۔ خدا کا جلال تن بدن میں سمایا تھا۔ اسی شکل میں جھک کر تائیس کی روح کو معائنہ کیا اور اُسکے مُنہ پر تھوک دیا۔

تائیس نے چپ چاپ چہرے سے تھوک پونچھ ڈالا۔ چلتے چلتے ٹھہری تک نہیں۔ اب راہب تائیس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اور اونچا ہو ہو کر تائیس کی صورت اس طرح دیکھنے لگا جیسے کوئی کسی غارِ عمیق کو جھک کر دیکھے۔ اسی روحانی خشم و خلجان میں راہ طے کر رہا تھا کہ تائیس کے پاؤں سے خون کا ایک قطرہ ریت پر ٹپکا۔ اس لہو کی بوند کو دیکھ کر سوچا کہ اس عورت سے مسیح کا انتقام اس طرح لینا کہ خود مسیح بھی اس طرح انتقام نہ لیتا کہاں تک درست تھی۔ اس خیال کے آتے ہی اس کے قلبِ کشادہ میں کسی نفسِ نامعلوم کی تازگی محسوس ہوئی فوراً گریہ لبوں پر آیا۔ آنسو شدت سے جاری ہو گئے۔ دوڑ کر تائیس کے سامنے آیا اور زمین پر مُنہ کے بل گر پڑا اور بہن کہہ کر

ں کے زخمی پاؤں کو چومنے لگا۔ بار بار یہی جملہ زبان پر تھا:۔

"میری بہن۔ میری بہن۔ میری ماں۔ پاک اور مقدس بہن"۔ اس کے بعد دعا لگی کہ

"اے آسمان کے فرشتو اس لہو کی بوند کو اٹھا کر "معطی نجات" کی حضور میں پہنچا دو۔ دا ایسا کرے کہ اس خون کے قطرے سے سیراب ہو کر ایک شجر اعجاز نما لالہ نعمان کا اس مین پر اُگے اور اس میں پھول آئیں اور جو ان پھولوں کو دیکھے اس کا دل پاک ور روشن ہو جائے۔ اے پاک۔ پاک اور بہت پاک تائیس"۔

اس دُعا میں مشغول تھا کہ ایک لڑکا گدھے پر سوار ادھر سے نکلا۔ یفنوتوس کے حکم سے لڑکا گدھے پر سے اُترا۔ راہب نے تائیس کو اس پر سوار کیا اور لگام اپنے ہاتھ میں لے کر سفر جاری رکھا۔ شام ہوتے وہ ایک نہر کے کنارے پہنچے جس پر خوبصورت درخت سایہ کئے تھے۔ راہب نے تائیس کو اتار کر گدھے کو ایک درخت سے باندھ دیا۔ پھر دونوں نرم گھاس کے ایک تختے پر بیٹھ گئے۔ یفنوتوس نے تائیس کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانے میں روٹی۔ نمک اور زوفے کا ساگ تھا۔ تازہ اور میٹھا پانی دونوں نے اوک سے پیا اور خدا کی باتیں کرنے لگے۔ تائیس نے کہا:۔

"ایسا صاف پانی میں نے کبھی نہیں پیا۔ اور نہ کبھی ایسی صاف اور پاک ہوا میں سانس لیا تھا۔ مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں خدا موجود ہے"۔

یفنوتوس نے جواب دیا:۔

"بہن دیکھ۔ یہ شام کا وقت ہے۔ رات کی تاریکی پہاڑیوں پر چھانی شروع ہو گئی ہے۔ اور اب وہ وقت قریب آ رہا ہے کہ روحانی زندگی کا خیمہ نور میں چمکتا ہوا تجھے نظر آنے لگے۔ اور صبح ازل کی گلابی روشنی تیری نظر کے سامنے نمودار ہو"۔

رات بھر یہ دونوں چلتے رہے۔ اور جب پچھلے پہر سے چاندنی چٹکی اور اس کی روشنی میں سمندر کی موجیں چمکنے لگیں تو انھوں نے خدا کی حمد گانی شروع کی اور جب آفتاب طلوع ہوا تو ریگستان ان کے سامنے ایسا پھیلا معلوم ہوا جیسے کسی

عظیم الشان شیر کی کھال لبیبہ کی زمین پر بچھادی گئی ہو۔ اور اب اسی ریگزار کے کنارے کنارے جہاں کھجوروں کے جھنڈ تھے صبح کی روشنی میں سفید سفید جھونپڑیاں نظر آنے لگیں۔ تائیس نے ان جھونپڑیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "بابا۔ کیا روحانی حیات کے خیمے یہی ہیں؟"

لیفنوتوس نے جواب دیا۔ "ہاں۔ میری بیٹی۔ میری بہن۔ تو نے خوب پہچانا۔ یہی پناہ اور امن کا وہ گھر ہے جہاں میں اپنے ہاتھوں سے تجھے بند کروں گا۔"

اب ان دونوں نے دیکھا کہ جھونپڑیوں کے پاس ہر طرف عورتیں اس طرح کام کاج کرتی پھر رہی ہیں جیسے شہد کی مکھیاں اپنے چھتوں کے گرد اڑتی نظر آئیں۔ کوئی روٹیاں پکا رہی ہے۔ کوئی ترکاریاں بھونتی ہے۔ بہت سی بیٹھی چرخہ کات رہی ہیں اور ان سب پر سورج کی روشنی اس طرح پڑ رہی ہے جیسے خدا کا نور چھنتا ہو۔ بہت سی عورتیں املی کے سایہ دار درختوں کے نیچے ہاتھ سیدھے چھوڑے۔ نظریں نیچی کئے مراقبہ میں مصروف کھڑی ہیں۔ ان کے دلوں میں خدا کی محبت سمائی ہے۔ یہ مریم مگدلینی کا اتباع کرتی تھیں۔ یعنی سوائے عبادت اور مراقبے اور روحانی کیفیت حاصل کرنے کے انہیں دوسرا کام نہ تھا۔ اسی وجہ سے یہ سب "مریم" کہلاتی تھیں۔ جو عورتیں عبادت کے علاوہ معمولی کام کاج بھی کرتی تھیں ان کو "مرتھا" کہتے تھے۔ یہ سب نقابوں اور رومالوں سے اپنے سر ڈھکے رکھتی تھیں۔ لیکن ان میں جو بہت جوان تھیں ان کے بالوں کی ایک آدھ لٹ نکل کر پیشانی پر آجاتی تھی۔ ممکن ہے کہ اتفاق سے ایسا ہوتا ہو کیونکہ بالوں کو اس طرح بے احتیاطی سے رکھنا قواعد کے خلاف تھا۔ ایک نہایت ضعیف خاتون بلند قامت گورا رنگ لکڑی ٹیکتی ہوئی کبھی ایک جھونپڑی میں جاتی تھی کبھی دوسری میں۔ لیفنوتوس ادب سے اس کے قریب آیا اور اس کی چادر کے ایک کونے کو بوسہ دے کر کہا۔

"اے پاک اور معزز البینہ۔ تجھ پر خدا کی رحمت ہو۔ اے مکھیوں کی ملکہ میں تیرے چھتے کے لئے ایک مکھی ایسی لایا ہوں جو گمراہ تھی اور ایسی راہ میں آوارہ تھی جس [illegible] اسے

گرمی پہنچاتا ہوا یہاں تک لایا ہوں اور اب میں اسے تیرے سپرد کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے تائیس کی طرف اشارہ کیا۔ تائیس اس وقت قیصری گھرانے کی بیٹی البینہ کے سامنے ادب سے سر نیچا کئے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکے کھڑی تھی۔

البینہ نے تائیس کو کچھ دیر تک غور سے دیکھا۔ پھر کہا کہ "بیٹی اُٹھو"۔ جب تائیس سیدھی کھڑی ہوئی تو البینہ نے اس کی پیشانی کا بوسہ لیا اور راہب سے کہا۔

"ہم اس کو "مریمون" کی جماعت میں داخل کریں گے۔"

لیفنوتوس نے اب البینہ سے کل حال کہا کہ یہ عورت اس دیر امن میں کس وجہ سے لائی گئی ہے اور اجازت چاہی کہ پہلے اس کو کسی جھونپڑی میں تنہا رکھا جائے۔ البینہ نے اس بات کو منظور کر لیا۔ اور تائیس کو اپنے ساتھ ایک جھونپڑی میں لے گئی جس کو ایک کنواری زاہدہ لیتا نے اپنی سکونت سے متبرک کیا تھا۔ لیکن جب سے تپ دق میں مریض ہو کر اس کا انتقال ہوا تھا یہ تنگ و تاریک جھونپڑی خالی پڑی تھی اور سوائے ایک بستر۔ ایک میز اور ایک صراحی کے اس میں اور کچھ نہ تھا۔ تائیس نے جب اس کی دہلیز پر قدم رکھا تو اس کی روح ایک سرور سرمدی سے معمور ہو گئی۔

لیفنوتوس نے راہبات کی رئیسہ سے کہا کہ "اس جھونپڑی کا دروازہ میں اپنے ہاتھ سے بند کرنا اور اس پر اپنی مُہر لگانی چاہتا ہوں۔ یسوع جس وقت یہاں آئیگا تو وہ اس مُہر کو توڑیگا۔"

اتنا کہہ کر وہ کنوئیں کے قریب گیا اور وہاں سے کچھ گیلی مٹی اُٹھائی۔ لعابِ دھن سے اس پر اپنا ایک بال جمایا اور دروازہ بند کر کے اس کی جھری پر مٹی تھوپ دی۔ اس کے بعد وہ جھونپڑی کی کھڑکی کی طرف آیا۔ دیکھا کہ تائیس اندر بالکل خاموش مگر نہایت اطمینان اور سکوت کے عالم میں کھڑی ہے۔ راہب فوراً زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہوا اور تین بار خدا کی تعریف کر کے کہنے لگا "کیسی حسین ہے وہ جو روحانی زندگی کی راہوں میں چلتی ہے۔ کیسے خوبصورت اس کے پاؤں ہیں اور کیسا نورانی اس کا چہرہ ہے۔"

یہ کہہ کر وہ سیدھا کھڑا ہوا۔ سر کو کمبل کے ٹکڑے سے ڈھکا اور آہستہ قدم وہاں سے رخصت ہوا۔

البینہ نے ایک کواری راہبہ کو بلایا اور حکم دیا:۔

"بیٹی جا۔ اور ضرورت کی سب چیزیں۔ روٹی پانی اور تین سوراخوں والی ایک بانسری اِس نئی راہبہ کو پہنچا دے"

فرفیون

اب پفنوتوس نے صحرائے طیبی کی راہ لی۔ رستہ میں ایک مقام پر پہنچا جس کا نام اثریبی تھا۔ یہ دریائے نیل کے کنارے تھا۔ اور یہاں سے ایک کشتی غلّہ بھر کر اسرافیون قیس کی خانقاہ کو جانے والی تھی۔ پفنوتوس اس میں بیٹھ گیا۔ چند روز کے دریائی سفر کے بعد کشتی سے اُترا۔ تو تمام مُرید استقبال کے لئے کنارہ پر حاضر تھے۔ آقا کو دیکھ کر سب باغ باغ ہو گئے۔ کسی نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے۔ کوئی سجدہ شکر بجالایا۔ کسی نے راہب کی نعلین کو بوسہ دیا۔ کیونکہ اسکندریہ میں جو کارخیر اس نے کیا تھا اس کی خبر سب کو ہو چکی تھی۔ کلیسا کے نیک و بد فتح و شکست کی اطلاع راہبوں کو خفیہ طور پر نہایت جلد پہنچ جایا کرتی تھی اور صحرا میں ایسی خبروں کی رفتار بادسموم کی رفتار سے کم تیز نہ ہوتی تھی۔

پفنوتوس نے کشتی سے اُتر کر ریت پر چلنا شروع کیا۔ مُرید پیچھے پیچھے خدا کا شکر کرتے چلتے تھے۔ فلے ویان پر جو مریدوں میں سب سے بڑا رُتبہ رکھتا تھا ایسی وجدانی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ خدا کی تعریف میں زور زور سے گیت گانے لگا۔

جب راہب کی دہلیز پر سب مُرید پہنچ گئے تو گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے اور کہا "آقا ہم کو برکت دیجئے اور ایک پیمانہ تیل کا دیجئے تاکہ آپ کی واپسی کی خوشی میں ضیافت کریں"

مُریدوں میں صرف پال جس طرح کھڑا تھا اُسی طرح کھڑا رہا۔ پفنوتوس کو اس نے نہیں پہچانا۔ اشارہ سے پوچھنے لگا کہ یہ کون آدمی ہے۔ کسی نے اس کی بات کا خیال

نہ کیا کیونکہ سب جانتے تھے کہ خدا رسی میں اسے فضیلت حاصل ہو مگر عقل بالکل نہیں رکھتا۔

مُرید جب رُخصت ہوئے تو الصینوی فسیس اپنی جھونپڑی میں اکیلا ہو کر سوچنے لگا کہ "آخر کار میں گوشہ عافیت میں پہنچ گیا جہاں آرام اور روحانی تسکین ہمیشہ نصیب ہوئی تھی۔ گویا قناعت اور اطمینان کے قلعہ میں پھر آ گیا۔ لیکن کیا بات ہے کہ اس پھونس کی چھت نے جو مجھے پہلے بہت بھلی معلوم ہوتی تھی میری کچھ آؤ بھگت نہیں کی اور نہ دیواروں نے کہا کہ "تیرا آنا مبارک ہو۔" گھر کو جیسا چھوڑ گیا تھا ویسا ہی پاتا ہوں۔ کسی چیز میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ میری میز۔ یہ میرا بستر وہی ہے جو تھا۔ اور یہ لکڑی کی مُورت مسیح مصلوب جس نے مجھ کو ہمیشہ راہ نیک دکھائی ہے جیسی چھوڑ گیا تھا ویسی ہی ہے۔ یہ انجیل مقدس بھی جس میں خدا کی صورت میں دیکھا کرتا تھا وہی ہے جو تھی۔ لیکن باوجود اس کے جو کچھ گھر میں چھوڑ گیا تھا اسے نہیں پاتا۔ ہر چیز میں جو خیر و برکت پہلے معلوم ہوتی تھی اب وہ نظر نہیں آتی۔ بلکہ سب چیزیں ایسی معلوم ہوتی ہیں گویا آج انہیں پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔ جب اس میز اور پلنگ کو جنہیں برسوں ہوتے میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور مسیح کی تصویر اور ان چھال کے کاغذوں کو جن پر خدا کی باتیں لکھی ہیں دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سامان کسی مُردے کا ہے۔ برسوں ان چیزوں سے مانوس رہنے کے بعد اب میں انہیں پہچانتا تک نہیں۔ افسوس۔ مگر ان چیزوں میں کوئی چیز بدلی نہیں ہے جو کچھ بدلا ہے وہ میں خود ہوں۔ میں اب وہ نہیں ہوں جو تھا۔ کوئی اور ہوں۔ اور غالباً وہ مُردہ میں ہی ہوں جو یہ سامان چھوڑ گیا ہے۔ اے خدا وہ آدمی جو کبھی یہاں زندہ تھا کدھر گیا۔ کونسی چیز وہ لے گیا اور کونسی چیز وہ چھوڑ گیا۔ آخر میں اب کون ہوں۔"

لیفنوتوس کو جس بات نے بہت بے چین کر رکھا تھا وہ یہ تھی کہ اب یہ جھونپڑی اسے بہت ہی تنگ معلوم ہوتی تھی۔ حالانکہ اگر چشم ایمان سے دیکھتا تو اس کی وسعت بے پایاں نظر آنی چاہیئے تھی کیونکہ خدا کی بے پایانی کا خیال بھی یہیں سے شروع ہوا تھا۔ زمین پر پیشانی رگڑ کر دُعا مانگنے لگا۔ پہلے کچھ تسکین ہوئی لیکن اسی حال میں

ایک گھنٹے سے زیادہ گذرنے پر دفعتاً تائیس کی صورت اس کے سامنے ظاہر ہوئی۔ پفنوتوس اسے دیکھتے ہی مسیح کی جناب میں شکر گذار ہوا اور کہنے لگا:۔

"اے یسوع۔ یہ تُو ہے جس نے تائیس کو میرے پاس بھیجا ہے۔ میں تیرے اس بے انتہا کرم کا منّت گذار ہوں۔ تو چاہتا ہے کہ جس کو میں تیری نذر کر چکا ہوں اس کی صورت میں بھی دیکھتا رہوں تاکہ میرے قلب کو ایک راحت و تسکین حاصل رہے۔ تو میری آنکھوں کو اس کا بے ضرر تبسّم اور معصوم حُسن جس کا نیش معصیت میں نے پہلے ہی نکال دیا ہے دکھاتا ہے۔ اے خداوند تو مجھے مسرور کرنے کیلئے تائیس کی شکل اسی ہیئت میں دکھاتا ہے جس میں تیرے ایما کے مطابق میں نے اسے پاک و آراستہ کر کے تیری حضور میں پیش کیا تھا۔ تیری اس نوازش میں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست سے تحفہ لے کر خوش ہوا ہے اور ہنس کر وہی تحفہ اپنے دوست کو یاد دلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس عورت کو دیکھ کر ایک لذّت پاتا ہوں کیونکہ اس کا دیدار میری نظر میں ایک رویائے صادقہ ہے جو تو نے مجھے دکھایا ہے۔ اے یسوع تو اس بات کو بھولنا نہیں چاہتا کہ یہ نذر میری پیش کی ہوئی ہے۔ اے یسوع تو اس کو اپنے پاس رہنے دے کیونکہ وہ تجھے خوش کرتی ہے اور اسکے نورِ حُسن کو سوائے اپنے دوسروں پر نہ چمکنے دے۔"

پفنوتوس کو ساری رات نیند نہ آئی اور تائیس کی یہ خیالی تصویر اس کو ایسی واضح نظر آئی کہ تائیس کے پری گوشے میں اس کی اصلی صورت بھی اس طرح نظر نہ آئی تھی۔ اور خود ہی اس بات پر گواہی دینے لگا کہ۔

"جو کچھ میں نے کیا وہ خدا کی بزرگی کے لئے تھا۔"

باوجود ان خیالات کے حیرت میں تھا کہ دل کو چین کیوں نہیں آتا۔ بہت ہی افسوس کر کے کہنے لگا:۔

"اے میری روح تو کیوں اس قدر مغموم ہے اور کیوں تو اس قالب میں ایسی مضطرب و بے قرار ہے۔"

اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور یہ حالت اضطراب تیس دن تک جاری رہی جو ایک راہب کے حق میں نہایت خطرناک مصیبتوں کا پیش خیمہ تھی۔ تائیس کی صورت رات دن سامنے رہتی۔ کسی طرح نہ ہٹتی۔ اور نہ وہ اُسے ہٹانا چاہتا۔ کیونکہ ابھی تک وہ یہ سمجھتا تھا کہ حالتِ خواب میں صورت جو نظر آتی ہے وہ منجانب خدا ہے اور صورت بھی ایک خدا رسیدہ عورت کی ہے۔ ایک رات پچھلے پہر تائیس خواب میں اس سے ملنے آئی۔ سر سے بنفشہ کے پھولوں کے ہار لپٹے تھے جس میں ملاحت اس غضب کی تھی کہ پفنوتوس بدحواس ہو کر سوتے میں چلا اُٹھا۔ اور جب جاگا تو سارا بدن سرد پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔ آنکھوں میں نیند کا اثر باقی تھا کہ اس کو اپنے چہرے پر کوئی چیز گیلی اور گرم معلوم ہوئی۔ دیکھا کہ ایک چھوٹا سا گیدڑ چارپائی کے سیرے پر اگلے دونوں پنجے رکھے کھڑا ہے اور اپنا متعفن سانس پفنوتوس کے چہرے پر پہنچا کر زور زور سے قہقہے لگاتا ہے۔

پفنوتوس کو سخت حیرت ہوئی اور ایسا معلوم ہوا کہ جس اُونچے مقام پر کھڑا تھا وہ مقام مع اُس کے زمین میں دھنسا چلا جاتا ہے۔ درحقیقت اب وہ اپنے ثبات قلب سے محروم ہو کر ایمان و اعتقاد کی بلندی سے پستی میں گر رہا ہے۔ کچھ دیر تک اس کی یہ حالت رہی کہ سوچنے اور فکر کرنے کا بھی ہوش نہ تھا۔ جب حواس کچھ درست ہوئے تو غور کرنے لگا مگر جس قدر غور کیا دل کی بے قراری بڑھتی گئی۔

سوچنے لگا کہ اس خواب کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ پچھلے خوابوں کی طرح یہ خواب بھی خدا کی طرف سے ایک رحمت کی نشانی ہو۔ خواب اچھا ہے مگر میرے نفس کی کثافت نے اس کو برا کر دیا جیسے ناصاف پیالے میں شراب ڈھل کر ترش ہو جاتی ہے۔ میں اپنی نااہلی سے ایک امرِ خیر کو شر سمجھتا ہوں اور شیطان کے گیدڑ کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع دیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ خواب خدا نے نہیں دکھایا ہے بلکہ اس کا دکھانے والا شیطان ہے۔ اسلئے یہ خواب فاسد ہے۔ اگر ایسا ہے تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ جو خواب اس سے پہلے دیکھے تھے وہ بھی خدا کی طرف

سے نہ تھے بلکہ شیطانی تھے گو میں ان کو خدا کی طرف سے سمجھتا رہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خیر و شر نیک و بد میں تمیز کرنے کا جو وقوف ایک مسیحی عابد میں ہونا چاہیئے اب وہ مجھ میں نہیں رہا۔ اور دونوں صورتیں ثابت کرتی ہیں کہ خدا مجھ سے اجنبی ہوگیا ہے اور اُس نے اپنی رحمت کا سایہ مجھ پر سے اُٹھا لیا ہے۔ اور اس کا اثر بغیر اس کے کہ کوئی سبب بیان کرسکوں مجھ کو محسوس ہو رہا ہے"۔

اس طرح دل ہی دل میں بحث کرکے اس نے سخت حالت ہراس میں خدا سے یوں دعا مانگی:۔

"اے خدائے عادل۔ اگر تیرے اولیا اور تیرے اصفیا کے رویا بھی ان کے لئے ایک خطرہ ہیں تو پھر تو نے اپنے اس بندے کو کن آزمائشوں کیلئے مخصوص فرمایا ہے۔ کوئی صاف اور واضح نشانی اپنی ظاہر کردے جس سے مجھے معلوم ہو کہ کون سی چیز تیری دکھائی ہوئی ہے اور کون سی شیطان کی"۔

چونکہ خدا نے جس کی مصلحتوں میں کسی کو دخل نہیں اپنے بندے یفنوتیوس کو کوئی نشانی دکھانی ضروری نہ سمجھی اس لئے یفنوتیوس نے جو شکوک میں مبتلا ہو چلا تھا ارادہ کیا کہ اب کبھی تائیس کا خیال دل میں نہ لائیگا۔ مگر یہ ارادہ ہیچ تھا۔ غائب صورت پھر حاضر ہوگئی۔ اور اب ہر حال میں چاہے پڑھتا ہو چاہے عبادت کرتا ہو چاہے مُراقبے میں ہو تائیس سامنے کھڑی اس کو غور سے دیکھا کرتی۔ پہلے ایک ہلکی سی آواز جیسے چلنے میں کسی عورت کے لباس سے پیدا ہو سُنائی دیتی اور پھر اس کی صورت سامنے آجاتی۔ اور خیال کا یہ نقش واقعہ سے بھی زیادہ واضح اور صاف ہوتا۔ بلکہ واقعی صورتیں تو متحرک و مختلط ہونے کی وجہ سے زیادہ صاف نظر نہیں آتیں مگر خیالی صورتیں اپنی خصوصیات اور شخصیت کو پتھر کا نقش بنا دیتی ہیں اور پھر ان میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان اپنی نگاہ ان سے ہٹا نہیں سکتا۔ اب تائیس مختلف انداز سے اس کے پاس آنے لگی۔ کبھی اس کی صورت افسردہ و مغموم ہوتی۔ گلے میں وہی روپہلی پھولوں والا ارغوانی جوڑا ہوتا جو اسکندریہ میں ضیافت کی رات کو

پہنے تھی۔ اور پیشانی بھی ان ہی پھولوں سے آراستہ ہوتی جو آخری دن زلفوں پر مرجھائے تھے۔ کبھی یہ صورت شہوت انگیز ہوتی۔ سر سے پاؤں تک لباس ایسا باریک ہوتا جیسے ہوا یا شبنم کا غبار اور گرمیِ حسن بھی وہی ہوتی جس کی بجلیاں پری گوشہ میں کوندا کرتی تھیں۔ کبھی صورت پر شانِ پارسائی ہوتی۔ ٹاٹ کا خرقہ گلے میں ہوا اور چہرے پر روحانی مسرت کا نور برس رہا ہے۔ کبھی صورت مظلوموں کی سی ہوتی۔ منہ پر مُردنی چھائی ہے اور موت کی ہیبت ہے آنکھوں کی پتلیاں پھرنے کو ہیں۔ سینہ بالکل کھلا ہے اور دلِ مجروح کا خون پھوٹ کر چھاتیوں پر آگیا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ بے چین کرنیوالے خواب وہ ہوتے تھے جن میں تائیس کے گھر کی وہ بیش بہا اور نادر چیزیں جنکو اس راہبہ نے اپنے ہاتھوں سے آگ میں جھونکا تھا زندہ ہوکر فریاد و فغاں کرتی ہوئی سامنے آئیں۔ اب اسے معلوم ہوا کہ ہر شے میں کوئی چیز ایسی رکھی گئی ہے جو فنا نہیں ہوتی۔ ایسے خوابوں کو دیکھ کر پفنوتوس چیخ اُٹھتا اور کہتا:۔

"لو۔ اور دیکھو۔ تائیس کے بے شمار گناہوں کی یہ خبیث روحیں بھی اب مجھ پر نرغہ کرنے لگیں"

جب گردن پھیرتا تو معلوم ہوتا کہ تائیس سامنے سے ہٹ کر پیٹھ کے پیچھے آگئی ہے۔ اس حالت میں اور بھی پریشان ہوجاتا۔ پفنوتوس کی تکلیف حقیقت میں ایسی تھی جس کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اس پر سخت ظلم کر رہا ہے۔ لیکن گناہوں کی ترغیب سے اس کی روح اور اُس کا جسم غیر متاثر رہا۔ اس لئے خدا سے اس کی اُمیدیں اب تک قائم تھیں اور عجز و نیاز کے ساتھ کبھی قدر شکوہ بھی زبان پر آجاتا۔ اور کہتا:۔

"خداوندا۔ اگر اس کو تلاش کرتا ہوا میں بُت پرستوں میں گیا تو یہ تلاش تیرے ہی لئے تھی۔ اپنے لئے نہ تھی۔ جو کچھ میں نے کیا تیرے لئے کیا۔ پھر اُس کی سزا مجھ کو ملنی کیونکر درست ہوسکتی ہے، اے رحم دل یسوع مجھے اپنی پناہ میں لے۔ اے میرے نجات دینے والے مجھ کو اس تکلیف سے رہا کر اس خیالی صورت کو اتنا اختیار

نہ دے کہ جسم جس گناہ سے بچا رہا ہے خیال اُس کا مُرتکب ہو جائے۔ جسم پر جب مجھ کو فتح نصیب ہو چکی ہے تو خیال کو اتنی جسارت نہ دے کہ وہ میری تباہی کا باعث ہو جائے۔ میں جانتا ہوں کہ جس قدر خطرے مجھے اس وقت درپیش ہیں اتنے کبھی پہلے نہ تھے۔ تجربہ نے مجھے بتایا ہے کہ خیال کو بہ نسبت واقعہ کے زیادہ قوت حاصل ہے۔ اور اس کے سوا کچھ اور ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ خواب یا رویا ایک اعلیٰ درجہ کا ادراک ہے۔ وہ بھی روح ہے۔ افلاطون گو بُت پرست تھا مگر اپنی خیالی امثال کا ایک وجود واقعی تسلیم کرتا تھا۔ خداوند اشیا طین کی اس ضیافت میں جہاں تُو میرے ساتھ تھا میں نے ان لوگوں کی تقریریں سُنی تھیں جو گناہوں میں از سر تا پا ڈوبے ہوئے تھے مگر عقل و دانش سے ہرگز بے بہرہ نہ تھے۔ یہ لوگ بھی اس بات پر متفق تھے کہ جو چیزیں ہم کو حالت تنہائی یا استغراق یا روحانی کیفیتوں میں نظر آتی ہیں وہ محض خیالی نہیں ہوتیں بلکہ واقعی ہوتی ہیں اور تیری انجیلوں سے بھی خواب کی تاثیر اور ان خیالی صورتوں کی اصلیت پر بار بار شہادت ملتی ہے جن صورتوں کو خداوند یا تیرا دشمن شیطان دکھاتا ہے۔"

لیفنوتوس میں اب کوئی نیا آدمی گھُس بیٹھا تھا۔ اس کی راتیں خوابوں کا ایک طولانی سلسلہ ہوتی تھیں اور اس کے دن بھی ایسے ہوتے تھے کہ راتوں سے فرق نہ رکھتے تھے۔ لیکن ایک رات صبح ہوتے اس نے ایک خواب ایسا دیکھا کہ سوتے سوتے چونک پڑا اور اس طرح آہیں کھینچنے لگا جیسے چاندنی رات میں مقتول مجرموں کی قبروں سے سُنائی دیتی ہیں۔ خواب یہ تھا کہ تائیس کی صورت سامنے آئی ہے اور اپنا زخمی پاؤں اُسے دکھاتی ہے۔ پاؤں دیکھ کر لیفنوتوس رونے لگتا ہے اور وہ صورت چُپکے سے اسکے پاس بستر پر چلی آتی ہے۔ اب لیفنوتوس کو مطلق شُبہ نہیں رہا کہ تائیس کی یہ خیالی صورت کوئی ناپاک روح ہے۔

دل میں ایک نفرت پیدا ہو گئی۔ گندے بچھونے سے اُٹھا اور شرم کے مارے چہرے کو ہاتھوں سے چھُپا لیا کہ دن کی روشنی کو بھی اپنی صورت نہ دکھائے۔ گھنٹوں اسی حال

میں گذر گئے مگر شرمندگی کی تکلیف کسی طرح دُور نہ ہوئی۔ جھونپڑی میں کوئی اور نہ تھا، ایک عرصہ کے بعد یہ پہلا دن تھا کہ وہ یہاں تنِ تنہا تھا۔ تائیس کی صورت غالب ہو چکی تھی لیکن اس کا غائب ہو جانا بھی اس کے لئے غضب تھا۔ ہر وقت اسی خواب کی باتیں یاد آتی تھیں جو آج صبح ہوتے دیکھا تھا۔ کوئی چیز ایسی نہ تھی جو ان کو بھلا دیتی۔ بالکل حواس باختہ ہو کر دل میں کہنے لگا:۔

"کیوں میں نے اسے اپنے پاس سے ہٹا نہ دیا۔ کیوں اس کے سر و بازوؤں اور گرم گھٹنوں سے میں نے اپنے تئیں چھڑا نہ لیا"

اس نجس بستر کے قریب اب وہ خدا کا نام بھی نہ لے سکتا تھا۔ خیال آیا کہ جب یہ جھونپڑی اس قدر ناپاک ہو گئی ہے تو پھر شیاطین اس میں ہر وقت داخل ہوا کرینگے۔ اس خیال کے آتے ہی سات چھوٹے چھوٹے گیدڑ دکھائی دئے جو دروازے پر ٹھٹکے تک نہیں سیدھے ایک کے پیچھے ایک جھونپڑی میں داخل ہو چارپائی کے نیچے آن بیٹھے۔ شام کی عبادت کے وقت آٹھواں گیدڑ داخل ہوا۔ اسمیں سخت بدبو تھی، دوسرے دن ایک نواں گیدڑ گھس آیا۔ اس طرح تھوڑے ہی عرصے میں گیدڑوں کی تعداد تیس پھر ساٹھ پھر اسّی ہو گئی۔ جوں جوں شمار میں بڑھتے گئے ان کے قد چھوٹے ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ چوہوں کے برابر ہو گئے اور جھونپڑی کے فرش۔ کرسی اور چارپائی پر بے تکلف پھرنے لگے۔ ان میں سے ایک اُچک کر چارپائی کے سرہانے پہنچا جہاں مسیح کی مورت تھی اور اس مورت پر اپنے دونوں پنجے رکھ کر لال لال انگارہ سی آنکھوں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اب ہر روز جھونپڑی میں نئے نئے گیدڑ آنے اور بڑھنے شروع ہوئے۔

اس نجس خواب کے اثر کو دُور کرنے اور بُرے خیالات سے پیچھا چھڑانے کے لئے ارادہ کیا کہ اس جھونپڑی کو چھوڑ کر صحرا میں کہیں بہت دُور جا کر کسی مقام کو اپنا مسکن بنائے اور وہاں طرح طرح کی ایذائیں اپنے جسم پر برداشت کرے اور نئے نئے طریقوں سے توبہ و استغفار میں مصروف ہو۔ لیکن اس قصد سے پہلے وہ بُڈھے راہب بلمون کے پاس مشورے کے لئے گیا۔

دیکھا کہ وہ اپنے باغیچے میں درختوں کو پانی دے رہا ہے۔ آفتاب غروب ہونے کو ہے، دریا کا نیلگوں پانی اودی اودی پہاڑیوں کے قدموں میں بہہ رہا ہے۔ بڈھے راہب کے کندھے پر ایک قمری آن بیٹھی ہے، اس لئے وہ پانی کا گھڑا اٹھا کر بہت آہستہ چلتا ہے۔ کہ کہیں قمری ڈر کر اڑ نہ جائے۔

پفنوتوس کو دیکھ کر بلمون کہنے لگا "خدا ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔ بھائی پفنوتوس خدا کی نعمتوں کی تعریف کرو۔ جو جانور اس نے پیدا کئے ہیں انکو میرے پاس بھیجتا ہے کہ میں خدا کے کام ان کے سامنے بیان کروں اور ہوا کے پرندوں میں بھی اس کے نام کی بزرگی کروں۔ ذرا اس قمری کو دیکھو اور اسکی گردن کے طوق پر نظر ڈالو۔ نقاش ازل نے اس میں کیسے کیسے رنگ بھرے ہیں۔ مگر بھائی پفنوتوس تم تو مجھ سے کسی روحانی معاملہ میں گفت گو کرنے آئے ہو" یہ کہہ کر بلمون نے پانی کا گھڑا زمین پر رکھدیا اور پفنوتوس کی باتیں سننے لگا۔

پفنوتوس نے اپنے سفر اور واپس آنے پر دن میں طرح طرح کی خیالی صورتیں اور رات میں عجیب عجیب خواب دیکھنے کا حال کہا اور جو نجس خواب حال میں دیکھا تھا اس کا قصہ اور جھونپڑی میں گیدڑوں کے آنے کی پوری کیفیت سنائی۔

پفنوتوس "بلمون۔ کیا آپ کی صلاح نہیں ہے کہ میں اب کہیں صحرا میں بہت دور جا کر رہوں اور ایسی حیرت انگیز نفس کشی اور شدید ریاضت کروں کہ شیطان کے بھی ہوش پراگندہ ہو جائیں"

بلمون نے جواب دیا "عزیز بھائی۔ میں تو ایک غریب گنہگار ہوں اور مجھ کو دنیا والوں کا حال اچھی طرح معلوم بھی نہیں۔ کیونکہ میری عمر تو اسی باغیچہ اور جنگل کے ہرنوں ہرنیوں خرگوشوں اور کبوتروں میں گذری ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری اس تکلیف اور شکایت کا سبب یہ ہے کہ دنیا کے شور و شغب سے نکلکر صحرا کی خاموشی میں آنے کیلئے جو احتیاط ضروری تھی وہ تم نے نہیں کی۔ اس قسم کی فوری تبدیلی روحانی صحت میں خلل آجانا ضروری تھا۔ تمہاری مثال ایک ایسے شخص کی ہے جو

بہت گرم موسم سے دفعتاً کسی سرد مقام میں آجائے۔ تم اپنا حال تو دیکھو۔ کفنے تمہارا جوڑ جوڑ ہلا دیا ہے اور بخار نے تمہیں پھونک رکھا ہے۔ بھائی لیفنوتوس اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو شہر کی چہل پہل چھوڑ کر اس خوفناک صحرا میں آنے کے بدلے کہیں ایسے کاموں میں مصروف ہو جاتا جو حقیقت میں ایک پارسا راہب اور قسیس کے لئے ہمیشہ مناسب ہوتے ہیں۔ یعنی جو خانقاہ قریب سے قریب ملتی وہاں سکونت اختیار کرتا۔ ان خانقاہوں میں بعض کی نسبت سُنتا ہوں کہ وہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ہیں بالخصوص دیراسترفیوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں ۳۲۴ حجرے ہیں۔ راہبوں کو وہاں کئی جماعتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان جماعتوں کی تعداد اتنی رکھی گئی ہے جتنے یونانی ابجد میں حروف ہیں۔ پھر راہبوں کی ذہنی خصوصیات میں اور ان حروف کی شکلوں میں جو ایک خاص مُشابہت ہے اس کا خیال بھی رکھا گیا ہے مثلاً جو راہب حرف (ح) کی جماعت کے ہیں ان کی طبیعت میں تذبذب اور شک کا مادہ موجود ہے۔ اسی طرح جو لوگ حرف (ما) کی جماعت والے ہیں پارسائی میں ان کی طبیعتیں بالکل استوار ہیں۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ان باتوں کو بچشم خود دیکھنے کا مجھے شوق پیدا ہوتا۔ اور جب تک یہ سب چیزیں نہ دیکھ لیتا دل کو چین نہ آتا نیل کے کنارے جس قدر گروہ راہبوں کے آباد نظر آتے ان میں جاتا اور ہر ایک کی خصوصیات دریافت کرتا اور پھر ایک کا دوسرے سے مقابلہ کرتا۔ یہ کام ایسا تھا جو ایک راہب کے انجام دینے کے لائق تھا۔ تم نے بھی سُنا ہوگا کہ افرئم قسیس نے اپنی خانقاہ کیلئے بے مثل قواعد وضع کئے ہیں۔ تم تو بڑے خوشخط ہو۔ کیا ممکن نہ تھا کہ اس سے اجازت لیکر ان قواعد کی کتابت کرتے۔ میں تو لکھنے کا کام نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میرے ہاتھ کُدال اور بیلچہ چلانے کے خُوگر ہیں اور انگلیوں میں وہ لوچ اور نرمی نہیں ہے کہ نرسل کا قلم چھال کے کاغذ پر چلا سکوں۔ لیکن اے عزیز تم تو لکھنے پڑھنے میں خوب مشّاق ہو اور اس کے لئے تمہیں خدا کا شُکر کرنا چاہیئے کیونکہ اچھے خط کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ خوشنویسوں اور کتابت کے مطالعہ کرنے والوں کے شغل تو ایسے ہیں کہ انسان کو ناپاک خیالات سے

ہمیشہ محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ بھائی راہب تم ہمارے بزرگان ملت پولوس اور انطونی کے مکالمات کی نقل کیوں نہیں لکھا کرتے۔ اگر یہی کام شروع کردو تو گوشہ نشینی پھر تم کو اچھی معلوم ہونے لگے اور طبیعت اس قابل ہو جائے کہ اس سفر سے پہلے جو روحانی ریاضتیں کرتے تھے ان کو پھر اختیار کر لو۔ جس زمانہ میں انطونی یہاں رہا کرتے تھے تو ان کا قول تھا کہ "زیادہ روزے رکھنے سے کمزوری اور کمزوری سے کسل و جمود پیدا ہو جاتا ہے اور بعض راہب سخت روزے رکھکر اپنی تندرستی خراب کر لیتے ہیں۔ ان کی نسبت یہی کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے اپنے سینے میں خنجر بھونک کر اپنی روح کو شیطان کے حوالے کر دیا۔ یہ قول ابا انطونی کا ہے۔ میں تو ایک جاہل آدمی ہوں لیکن خدا کے فضل سے مجھے اپنی ہادی کے تمام احکام و اقوال بر زبان ہیں۔"

پفنوتوس نے پلمون کا شکریہ ادا کر کے اس کی نصیحت پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔ اور جب اس بڈھے راہب کے باغیچہ سے باہر آیا جسکے گرد ہرے ہرے نرسلوں کی باڑھ لگی تھی تو مڑ کر دیکھنے لگا۔ پلمون بدستور کیاری میں پانی دینے لگا تھا۔ اور قمری بھی اس کے کندھے پر اسی طرح بیٹھی تھی۔ یہ دیکھ کر اس کا بے اختیار رونے کو جی چاہا۔

جب جھونپڑی میں واپس آیا تو دیکھا کہ لکھوکھا گیدڑ جھونپڑی میں اس طرح گھسے چلے آتے ہیں جیسے تیز ہوا کے جھونکوں سے ریت کے ذرّے اڑکر آتے ہوں۔ رات کو جب سو گیا تو خواب میں پتھر کا ایک بہت اونچا ستون نظر آیا جس کی چوٹی کے نیچے ایک عورت کا سر بنا ہوا تھا۔ وہاں سے آواز آئی :۔

"اس ستون پر چڑھ جا"

جب آنکھ کھلی تو دل کو یقین دلانے لگا کہ یہ خواب اچھا ہے اور خدا نے اس کی ہدایت کے لئے دکھایا ہے۔ فوراً اپنے مریدوں کو جمع کیا اور ان سے کہا :۔

"اے میرے نورِ چشمو۔ میں تم سے پھر رخصت ہوتا ہوں تاکہ خدا جہاں لے جائے وہاں جاؤں۔ میری غیر حاضری میں فلے ویان کی بدستور اطاعت کرتے رہنا اور اپنے بے عقل بھائی پال کی بھی خبر رکھنا۔ اب میں تمہارے حق میں دعا کر کے تم سب کو خدا

کے سپرد کرتا ہوں"

اتنا کہہ کر وہ روانہ ہوا۔ سب مرید منہ کے بل زمین پر پڑے رہے۔ جب اُٹھے تو دیکھا کہ دُور ریگستان کے کنارے لیفنوتوس کی ہیئت ایک سیاہ بادل کے ٹکڑے کی سی نظر آتی ہے۔

لیفنوتوس دن رات چلتے چلتے ایک بڑی عالیشان عمارت کے کھنڈر میں پہنچا۔ یہ ایک بُت خانہ تھا جسے نہایت قدیم زمانہ کے بُت پرستوں نے بنایا تھا۔ یہاں پہلے بھی ایک دفعہ اسکندریہ جاتے ہوئے ایک رات قیام کیا تھا۔ سانپ اور بچھو یہاں بکثرت تھے۔ اور ایسی عورتوں کا گذر تھا جنکے نیچے کے دھڑ مچھلیوں کی شکل کے ہوتے ہیں۔ دیواروں پر اب بھی وہی تصویریں موجود تھیں جو پہلے دیکھی تھیں۔ تیس بلند ستون اس قدیم عمارت میں اب تک ایسے موجود تھے جنکے تاج یا تو انسان کے سر یا کنول کی قطع کے تھے۔ ان پر پٹاؤ کے پتھر اور چھتیں قائم تھیں۔ ستونوں کے اس سلسلے کے آخیر میں ایک ستون سب سے علیحدہ تھا جس پر نہ پٹاؤ کا پتھر تھا نہ کوئی چھت تھی۔ اور اس کے تاج کا پتھر ایک عورت کی ہنستی ہوئی شکل کا تھا جسکی آنکھیں لمبوتی اور رُخسار پھولے اور ماتھے پر گائے کے دو سینگ سے نکلے تھے۔

اس ستون کو دیکھتے ہی سمجھا کہ یہی وہ مقام ہے جو خواب میں نظر آیا تھا۔ پورے ستون کی بلندی اندازے سے بتیس ۳۲ ہاتھ معلوم ہوئی۔ پاس ہی ایک گاؤں تھا وہاں گیا اور ایک بڑھئی سے بتیس ہاتھ سے کچھ زیادہ لمبان کی سیڑھی بنوائی۔ جب یہ سیڑھی ستون پر لگائی گئی تو اوپر گیا اور ستون پر پہنچ کر خدا کو سجدہ کیا اور کہنے لگا:

"اے خداوند۔ یہ ہے وہ مقام جس کو تو نے میرا مسکن بنانا پسند فرمایا ہے۔ کیا میں مرتے دم تک تیری رحمت کے سایہ میں یہاں رہ سکوں گا؟"

لیفنوتوس نے اپنے ساتھ کھانے پینے کی کوئی چیز نہ لی تھی۔ آس پاس کے گاؤں والوں کی خیر خیرات پر بھروسا کر کے خدا پر توکّل کیا تھا۔

ستون کی چوٹی پر جگہ اتنی چوڑی چکلی نہ تھی کہ پورے پاؤں پھیل سکتے۔ اس لئے

گھٹنے سمیٹ کر اور سر کو سینے کی طرف خم کر کے لیٹا اور سو گیا۔ اس کی یہ نیند جاگنے سے بھی زیادہ خستہ کرنے والی تھی۔ صبح ہوتے ہی جب پرندے بسیرے سے اُٹھے تو سب طرف سے آ کر اس کو جھپٹے مارنے لگے۔ پفنوتوس سخت حیرانی اور خوف کی حالت میں بیدار ہوا۔

بڑھئی جس نے سیڑھی بنائی تھی دل میں خدا کا خوف رکھتا تھا۔ اسے خیال آیا کہ خدا کے اس نیک بندے کو ستون کے اوپر نہ دھوپ سے کچھ بچاؤ ہے اور نہ مینہ سے۔ کسی دن سوتے میں نیچے آن رہیگا۔ اس لئے وہ تھوڑے سے تختے لایا اور انکو ستون کی چوٹی پر جڑ کر چاروں طرف ایک کٹہرا سا بنا دیا۔ اور اوپر ایک سائبان ڈال دیا۔

اب یہ عجیب واقعہ کہ ایک فقیر ستون کی چوٹی پر آ کر رہا ہے گاؤں گاؤں مشہور ہو گیا۔ اور ہر ساتویں دن قرب وجوار کے کسان اور کاشتکار مع جورو بچوں کے "کھمبے والے فقیر" کی زیارت کو آنے لگے۔ شدہ شدہ پفنوتوس کے مریدوں کو بھی خبر لگی کہ آقا کہاں جا کر رہا ہے اور وہ بھی سب کے سب اس کے پاس چلے آئے اور اجازت لے کر ستون کے نیچے اِدھر اُدھر اپنے رہنے کیلئے جھونپڑیاں ڈال لیں۔ ہر صبح وہ حاضر ہوتے اور حلقہ باندھ کر آقا کے سامنے کھڑے رہتے اور جو پند و نصیحت وہ کرتا اُسے گوشِ دل سے سنتے۔

ایک دن مریدوں سے کہنے لگا۔ "اے میرے فرزندو۔ اُن معصوم بچوں کی طرح جیو جنہیں یسوع پیار کرتا تھا۔ اسی میں بخشش ہے جسم کا گناہ تمام گناہوں کی جڑ اور ابتدا ہے۔ اسی سے تمام گناہ پیدا ہوتے ہیں جیسے باپ سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ غرور طمع۔ کاہلی۔ غصّہ۔ حسد۔ یہ سب اسی ایک گناہ کی ذریات ہیں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے اسکندریہ میں کیا دیکھا۔ جو کچھ دیکھا وہ یہ تھا کہ دولتمندوں میں عیش وعشرت کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے اور ایک گدلے دریا کی طرح ان کو بہا کر تلخ پانی کے سمندر میں ڈبو رہا ہے"۔

خانقاہوں والے قسیسوں نے یعنی افریم اور اسرفیوں نے جب اس نئی قسم کی ریاضت اور اصلاحِ نفس کی خبر سنی تو انھوں نے اس حالت کو بچشمِ خود دیکھنا چاہا

اور لیفنو توس سے ملاقات کے لئے روانہ ہوئے ایک دن جب لیفنو توس نے دریا پران کی کشتیوں کے بادبان دُور سے دیکھے تو خیال کیا کہ خدا نے واقعی ان عابدوں کے سامنے ایک مثال پیش کرنے کے لئے مجھے اس ستون کی چوٹی پر بٹھایا ہے۔ جب ان دونوں قسیسوں نے راہب کو ستون پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے تعجب کو چھپا نہ سکے۔ آپس میں کچھ باتیں کرکے دونوں نے ایک زبان ہو کر نفس کشی اور توبہ کے اس غیر معمولی طریقہ پر اعتراض شروع کئے اور لیفنو توس سے کہا :-

"اترآؤ۔ اس قسم کی زندگی ہمارے دستور کے خلاف بالکل عجائبات سے ہے رہبانیت کے قواعد میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے۔"

لیفنو توس نے جواب دیا۔ "رہبانیت کی زندگی عجائبات ہی کی زندگی کا نام ہے اور ایک راہب بھی ایسا ہی عجیب ہوتا ہے جیسے کہ اس کے کام عجیب ہوتے ہیں۔ خدا کے حکم سے میں اس ستون پر چڑھا ہوں اور خدا کے حکم ہی سے میں نیچے اتر سکتا ہوں۔"

اب ہر روز دُور دُور کے رہبان حاضر ہو کر لیفنو توس سے ارادت حاصل کرنے لگے اور فقیر کے اس معلق تکیہ کے نیچے اِدھر اُدھر جھونپڑیاں ڈال کر آباد ہو گئے۔ ان میں بعض نے پیر کی تقلید بھی کرنی چاہی اور اس ویرانے کی کسی اونچی منڈیر یا ٹوٹی دیوار کی ممٹی پر جا بیٹھے۔ لیکن جب ان کے ساتھیوں نے ڈانٹا اور خود بھی تکلیف برداشت نہ کر سکے تو نیچے اُتر آئے۔

زائرین کے غول کے غول ہر طرف سے آنے شروع ہوئے۔ ان میں بعض بڑی بڑی مسافتیں طے کرکے یہاں پہنچے تھے۔ بھوک پیاس سب کے ساتھ لگی تھی۔ گاؤں کی ایک مُفلس بیوہ کو خیال آیا کہ لوگوں کے لئے پانی اور پھلوں کا کچھ بندوبست کرنا چاہیئے، جس میں اسے بھی چار پیسے مل جایا کریں۔ چنانچہ ستون کے قریب ہی اس نے چار بانس کھڑے کرکے اور ان پر نیلی دھاریوں کا ایک کپڑا تان کر تربوزوں کا ایک ڈھیر لگایا اور ایک طرف کورے کورے مٹکوں میں پانی بھر کر آواز لگانی شروع کی "پیاسو۔ ادھر آؤ" اس بیوہ کو دیکھ کر ایک نان بائی بھی کچھ اینٹیں اور مٹی لے کر پہنچا اور ایک

تنور تیار کر کے روٹیاں پکا پکا کر بھوکوں کے ہاتھ بیچنے لگا۔ زائرون کا تانتا اسی طرح بندھا رہا۔ مصر کے بڑے بڑے شہروں کے لوگ فقیر کی زیارت کو آنے لگے۔ ایک شخص نے روپیہ پیدا کرنے کے خیال سے ایک سرائے بھی وہاں بنوا دی تاکہ امیر رئیس مع بال موالی جس قدر آئیں ان کو آسائش ہو۔ اور ان کے اونٹوں اور خچروں کے بندھنے کیلئے بھی معقول انتظام ہو۔ اس طرح بہت جلد فقیر کے کھمبے کے سامنے ایک بڑا بازار جمنے لگا۔ دریا کے کنارے کنارے جتنی بستیاں تھیں وہاں کے ماہی گیر مچھلیاں اور باغبان تازے میوے اور ترکاریاں بیچنے کے لئے لانے لگے۔ اتفاق سے ایک نائی بھی وہاں پہنچ گیا۔ جہاں کوئی فرمائش کرتا جھٹ کسبت کھول وہیں مونڈنے بیٹھ جانا اور ہنسی مذاق کی باتیں سنا کر لوگوں کو ہنسانا اور خوش کرنا غرض وہ پرانا بت خانہ جہاں آدمی کا نام ونشان نہ تھا اور جہاں صدہا برس سے ایک ہو کا عالم رہتا تھا وہاں اب ہزارہا آدمی موجود ہو گئے۔ طرح طرح کے کام اور دھندے چلنے لگے ہر طرف بھاگ دوڑ اور چہل پہل رہتی۔ رفتہ رفتہ شراب بیچنے والے بھی وہاں وارد ہوئے بت خانے کے ٹوٹے ہوئے حجروں کو کچھ ٹھیک ٹھاک کر شراب کے شیشے وہاں آراستہ کئے اور ایک تختہ پر لفنولوس کی کچھ الٹی سیدھی تصویر بنا اور اسکے نیچے یونانی اور قبطی زبان میں یہ عبارت لکھ کر "انار اور انجیر کی شراب یہاں فروخت ہوتی ہے" اس تختے کو ایک ستون پر جڑ دیا۔ اکثر حجروں میں بتوں کے سر دیوار گیریوں کی طرح دیواروں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ ان پر کہیں کنجڑوں نے پیاز کی گٹھیاں اور کہیں مچھلی والوں نے خشک مچھلیاں ڈوروں میں پرو کر لٹکا رکھی تھیں۔ ایک قصائی نے پوری بھیڑ کی کھال اتار کر ایک بت کی گردن میں لٹکا دی تھی۔ رات ہوتے ہی سینکڑوں چوہے ان کھنڈروں کے پرلے بسنے والے قطاریں باندھے دریا کی طرف بھاگتے نظر آیا کرتے۔ شام کو بق دریا کی سمت سے اڑتے ہوتے ان ویرانوں میں آتے اور کہیں بیٹھنے سے پہلے اپنی نیلی نازک ٹانگیں جھلا کر جنکا اندازہ کرنا مشکل تھا کہ کہاں ٹکیں گی کسی اونچی منڈیر یا ٹوٹی دیوار کے کانس پہ بسیرا لینے اتر پڑتے مگر جب نان بائیوں کی دکانوں کا دھواں اور شراب خانوں کا شور ان تک

پہنچتا تو اپنی لمبی لمبی گردنیں تان کر اِدھر اُدھر حیرت سے دیکھنے لگتے۔

اس عرصہ میں پیمائش کرنے والے بھی جریبیں اور جھنڈیاں لئے پہنچے۔ اُنھوں نے ناپ ناپ کر سڑکوں اور محلّوں کی داغ بیل ڈالی۔ معمار آئے۔ اُنھوں نے دیر و کلیسا تعمیر کرنے شروع کئے اور چند مہینوں میں یہ ویرانہ ایک پورا شہر بن گیا۔ سرکار کی طرف سے فوج کا ایک دستہ بھی حفاظت کے لئے تعینات ہوا۔ ایک عدالت اور قیدخانہ بھی تیار ہوگیا۔ اور ایک اندھے نے جو پہلے یہیں مخبری کرتا تھا ایک مدرسہ بھی بچّوں کے پڑھنے کے لئے کھول دیا۔

زائرین کا اب شمار نہ تھا۔ بڑے بڑے اساقفہ اور واعظانِ کلیسا لفنوتوس کے دیدار کے لئے حاضر ہوکر اس کی تعریف میں اپنی زبانیں خشک کرتے۔ انطاکیہ کا بطریق جو اس زمانہ میں اسکندریہ میں آیا ہوا تھا اپنے تمام قسیسوں کے ساتھ یہاں آیا اور راہب کی اس غیرمعمولی نفس کشی کو دیکھ کر بہت پسند کیا۔ جب کلیسا کے اس سب سے بڑے افسر یعنی بطریق کی عمدہ رائے قائم ہوئی تو افریم اور اسرافیون کو بھی اس کی خبر لگی۔ چونکہ اس سے پہلے وہ لفنوتوس کے اس طریقہ پر معترض ہو چکے تھے اس لئے اب اپنے پہلے خیال کی معذرت کیلئے حاضر ہوئے۔ لفنوتوس نے اُنکے عذر سُن کر کہا۔

"بھائیو۔ اس بات کو سمجھ لو کہ کفارۂ عصیاں بننے کے لئے جس قدر تکلیفیں اور ایذائیں اُٹھا رہا ہوں وہ نفس کی ان تحریصوں سے جنہوں نے مجھ پر غلبہ پا رکھا ہے سختی میں بہت کم ہیں۔ ان تحریصوں کا زور اور ان کا شمار اتنا ہے کہ وہ سب مل کر میرا کلیجہ چبائے ڈالتے ہیں۔ انسان کا ظاہر اگر دیکھا جائے تو وہ ایک بہت چھوٹی چیز ہے۔ اس ستون کی چوٹی سے جہاں خدا نے مجھے بٹھایا ہے آدمی مجھے چوہوں کے برابر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن اگر انسان کے باطن پر نظر کی جائے تو اسکی وسعت بے اندازہ ہے۔ وہ اس جہان سے بھی زیادہ ہے کیونکہ جہان خود اسمیں موجود ہے۔ جس قدر دیر و کلیسا۔ مکانات اور سرائیں۔ دریا کے اُوپر کشتیاں جو مجھے نظر آرہی ہیں یا جو گاؤں اور بستیاں۔ کھیت اور ریگستان مجھے دور دکھائی دیتے ہیں یہ

ن چیزوں کے مقابلے میں جو انسان کے اندر ہیں کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ میرے دل میں بے شمار شہر اور وسیع صحرا جن کی کوئی حد و نہایت نہیں موجود ہیں اور اسی وسعت لامتناہی پر بدی اور موت اس طرح اپنا تاریک سایہ ڈالے ہیں جیسے رات زمین پر چھائی ہو۔ بُرے اور ناپاک خیالات کی میں ایک دُنیا بن گیا ہوں اور وہ دُنیا مجھ میں سما گئی ہے۔"

یفنوتوس نے یہ تقریر اس وجہ سے کی تھی کہ عورت کی خواہش اُس پر شدت سے غالب ہو چکی تھی۔

ساتویں مہینے اسکندریہ کی دو امیر زادیاں آئیں جو مدت سے بانجھ تھیں اس اُمید پر کہ فقیر کی دُعا اور جس ستون پر وہ بیٹھا ہے اس کی برکت سے وہ صاحب اولاد ہو جائیں گی۔ یہ دور و دراز سفر انہوں نے اختیار کیا تھا۔ یہاں آکر ستون کے پتھر سے اُنھوں نے اپنے کوسے رگڑے۔ مریضوں کی آمد بڑھتی گئی۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ رتھوں۔ گاڑیوں اور ڈولیوں کا ایک سلسلہ بندھا تھا۔ یہ فقیر کے اونچے تکیہ کے نیچے آکر ٹھہر جاتی تھیں اور ان میں سے ایسے بیمار اُترتے جن کو دیکھنے سے خوف معلوم ہوتا۔ عورتیں چھوٹے چھوٹے بچوں کو فقیر کے سامنے لاتیں جن کے ہاتھ پاؤں اینٹھے ہوئے اور آنکھیں اندھی بے نور ہوتیں۔ مُنہ سے کف جاری۔ اور آوازیں پھٹی پھٹی ہوتیں۔ یفنوتوس اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھ دیتا۔ اندھے نابینا جن کو سمت کی اٹکل نہ تھی کبھی اِدھر کبھی اُدھر ہاتھ بڑھا کر جیسے کوئی کسی چیز کو ٹٹولتا ہو سامنے آتے اور مُنہ اوپر کو اُٹھا دیتے۔ چہرے پر آنکھوں کی جگہ جیتے گوشت کے دو لال لال سوراخ نظر آتے۔ مفلوج مرض الموت میں بے حس حرکت پڑے ظاہر کرتے کہ بدن کے اعصاب اکڑ کر ان کے اعضاء بالکل بیکار ہو گئے ہیں۔ لنگڑے اپنے پاؤں کی طرف اشارہ کرتے کہ کس طرح تلوے اور پنجے سمٹ کر انکی مٹھیاں سی بندھ گئی ہیں عورتیں چھاتیاں کھول کر سرطان کے زخم دکھاتیں اور رو رو کر کہتیں کہ یہ موذی مرض انکو پھاڑے کھاتا ہے۔ استسقا کے مرض میں مبتلا عورتیں سامنے آکر بیٹھ جاتیں۔ یفنوتوس ان سب مریضوں

کے حق میں دُعا کرتا۔ نوبیہ سے فیل پا کے مریض مشکل سے اپنے بھاری پاؤں اُٹھاتے ہوئے آتے۔ ان کے چہروں پر زردی کھنڈی ہوتی اور وہ فقیر کی طرف دیکھ دیکھ کر روتے۔ پفنوتوس ان کو دیکھتے ہی صلیب کا نشان بناتا۔ کسی شہر سے لوگ اس کے پاس ایک لڑکی کو لائے جو خون کی قے کرنے کے بعد تین دن سے بالکل بے ہوش تھی۔ بدن میں خون نام کو نہ رہا تھا۔ ماں باپ نے اسے مُردہ سمجھ کر کھجور کا پتا اس کے سینے پر رکھ دیا تھا۔ پفنوتوس نے خدا سے دعا مانگی۔ لڑکی نے سر اُٹھایا اور آنکھیں کھول دیں۔

جب اس فقیر کی کرامات دُور دُور مشہور ہوئیں۔ تو ایک خاص قسم کے مریض اس کے پاس آنے شروع ہوئے۔ ان کی تعداد ہزاروں سے کم نہ تھی۔ انکے مرض کا یونانی نام "غیبی عارضہ" تھا۔ یہ لوگ ستون کے قریب پہنچتے تو ان کے اعصاب میں ایک طرح کا تشنج پیدا ہوتا اور وہ زمین پر گر کر لوٹنے لگتے۔ حرکتیں بالکل مجنونانہ ہوجاتیں کبھی زمین پر کروٹیں بدلتے کبھی ہاتھ پاؤں سمیٹ کر گولا بن جاتے اور اس کیفیت کا اثر پفنوتوس کے مُریدوں پر بھی ہوجاتا اور وہ بھی ان ہی کی سی حرکتیں کرنے لگتے اور حالت یہ ہوجاتی کہ کیا راہب اور کیا زائر کیا مرد اور کیا عورت جسے دیکھئے ہاتھ پاؤں سکیڑے لوٹ رہا ہے۔ مُنہ میں جھاگ بھرے ہیں اور مٹی اُٹھا اُٹھا کر کھاتا۔ اور آئندہ کی خبریں جھوم جھوم کر سُناتا ہے۔ پفنوتوس جب اپنے ستون کی چوٹی سے یہ حالت دیکھتا تو اس کے بدن پر بھی ایک تھرتھری چھوٹ جاتی اور خدا سے پکار پکار کر کہتا:۔

"خدایا میں تو یہودیوں کا بکرا ہوگیا جسے تکفیر کے دن سب کے گناہوں کا کفارہ بنا کر جنگل میں چھوڑا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سب لوگوں کے گناہوں نے میرے قلب کو نجس خیالات سے بھر دیا ہے"

جب کبھی کسی مریض کو شفا ہوجاتی اور اس کے عزیز و رشتہ دار خوش خوش اسے اُٹھا کر لے جاتے تو تمام مُرید زور زور سے نعرے لگاتے۔ اور کہتے "دیکھو ایک سلوم کا کنواں شفا کا چشمہ یروشلم میں تھا اور دوسرا یہاں جاری ہوا ہے"

لنگڑے آرام پاتے ہی اپنی لکڑیاں جن سے سہارا لیکر چلا کرتے تھے اس باکرامت

ستون سے اِدھر اُدھر کہیں ٹکا دیتے۔ عورتیں تندرست ہوکر پھولوں کے ہار چڑھانے آتیں اور دیوتاؤں کی مورتیاں کھمبے کے پاس رکھ جاتیں۔ یونان والے ستون پر اشعار کندہ کر جاتے۔ باہر سے جو آتا اس کو ستون پر اپنا نام کھودنا ضرور تھا۔ حتیٰ کہ زمین سے لے کر آدمی کے قد تک بے شمار کتبے لاطینی۔ یونانی۔ قبطی۔ قرطاجنی۔ عبرانی۔ سریانی زبانوں کے علاوہ سحر اور جادو کی علامات و نقوش کے اس کھمبے پر کندہ ہو گئے۔

عید فسیح کے زمانہ میں اس باکرامت شہر میں اس کثرت سے مخلوق آئی کہ سن رسیدہ لوگوں کو پرانے تہواروں کے مجمعے یاد آ گئے۔ خلقت کے انبوہ میں مصریوں کے رنگین دھاریوں والے لباس۔ بدویوں کے برنس۔ حبشیوں کے سفید کپڑے۔ یونانیوں کی اونچی قبائیں۔ رومانیوں کے نیچے نیچے گھیر دار چغے صحرائیوں کے سرخ لباس۔ غرض یہ سب چیزیں ایک وسیع میدان میں مل جل کر عجیب کیفیت پیش کرتی تھیں۔ اس بھیڑ بھاڑ میں عورتیں بھی منہ پر نقاب ڈالے گدھوں پر سوار موجود ہیں حبشی خواجہ سرا آگے آگے چل رہے ہیں۔ لوگوں کو ڈنڈے مار کر سواری کے سامنے سے ہٹاتے ہیں۔ نٹ اور بازی گر بھی آن پہنچے ہیں۔ قالین کے ٹکڑے بچھا کر ان پر اپنے کرتب دکھاتے ہیں اور تماشائی چپ کھڑے ان کی چرب زبانیاں سن رہے ہیں۔ سپیرے بانہوں پر کالے اور کوڑیالے پیٹے ان کے بل کھول رہے ہیں۔ غرض یہ انبوہ کہیں تو اپنے رنگوں کی آب و تاب دکھاتا۔ کہیں گرد و غبار کے بادل اٹھاتا۔ کہیں گانے بجانے کی آوازیں اور کہیں سوائے بے تکے شور و غل کے اور کچھ نہ ہوتا۔ تعویذ گنڈے بیچنے والوں کی صدائیں۔ راہبوں کی انجیل خوانی۔ آسیب زدہ عورتوں کے ہنکارے اور پیشین گویاں۔ گداگروں کی زبان پر پرانی حرم سراؤں کے گیت۔ بھیڑوں کی بھیں بھیں گدھوں کی ہینچوں ہینچوں بھسنڈی مسافروں پر کشتی بانوں کی ڈانٹ پھٹکار۔ حبشی لڑکوں کی تیز آوازیں جو تازی کھجوریں بیچتے اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے۔ ان سب نے ایک شور قیامت برپا کر رکھا تھا۔

دن کو کور نے آسمان کے نیچے دھوپ کی تیزی میں عورتوں کے تیل اور پھلیل کی مہک۔ حبشیوں کی بساند اور بدبو۔ پکتے کھانوں کی بھاپ۔ گوند اور چھالوں کا دھواں

جنہیں چرواہوں سے خرید کر لوگ وہاں جلاتے تھے۔ ان سب چیزوں سے مخلوق کا دم گھٹا جاتا تھا۔

رات کو ہر طرف جگہ جگہ آگ جلائی جاتی۔ مشعلیں اور قندیلیں روشن ہوتیں۔ ہر چیز کے کسی حصہ پر سُرخ روشنی اور کسی پر سیاہ سایہ ہوتا۔ کہیں بہت سے آدمی حلقہ باندھے بیٹھے ہوتے۔ اور بیچ میں ایک بڈھا دُھواں دیتے چراغ کی روشنی میں اپنا قصہ سُناتا۔ کہ کسی زمانہ میں ایک جادوگر نے اس پر جادو کر دیا تھا۔ سینہ چیر کر دل نکال لیا۔ اور اس میں چھالیہ کی ایک ڈلی رکھ دی۔ پھر اس سے ایک گھنا درخت پیدا ہو گیا۔ یہ باتیں وہ اس قدر ہاتھ نچا نچا کر اور چہرے بنا بنا کر کہتا کہ در و دیوار پر اس کی پرچھائیاں اور چھلتی کودتی دیکھ کر بے اختیار ہنسی آتی۔ لوگ حیرت سے اس کی داستان سُنتے اور تعریفیں بھی کرتے جاتے۔ شراب خانوں میں شرابی تکیے لگائے بیٹھے ہوتے اور بار بار شراب مانگتے۔ ناچنے والیاں سرمے کاجل سے دُرست سینہ کھولے کبھی پاک اور پُر درد اور کبھی شدت سے نامعقول حرکتیں کرتیں۔ جوان سب سے الگ ٹولیاں باندھے جوا کھیلتے۔ اور بڈھے رنڈیوں کے پیچھے دوڑتے پھرتے۔ غرض اس تمام چلتی پھرتی مخلوق میں صرف فقیر والا پتھر کا ستون ایسا تھا جو بالکل بے حس و حرکت اپنی جگہ قائم تھا۔ اور اس کے اوپر لفنوتوس بیٹھا زمین اور آسمان کے بیچ میں جو کچھ تھا اس کی پاسبانی کرتا تھا۔ دفعتاً دریا کی سطح سے چاند اس طرح نکلا جیسے کسی پری وش سیم تن کا شانہ برہنہ ہو جائے۔ پہاڑیوں پر سبز و سفید روشنی نے اپنی لٹیں چھوڑ دیں اور اس نیلم اور سبزوں جڑی رات میں جھم جھم کرتی موجوں کے نور سے تائیس کی شکل لفنوتوس کو نظر آنے لگتی۔

دن ہفتے مہینے گذر گئے مگر لفنوتوس ستون کی چوٹی پر جس پر دن سے جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح بیٹھا رہا۔ برسات آئی۔ باران رحمت سائبان سے اتنا ٹپکا کہ فقیر تر بتر ہو گیا۔ دن کی جلتی دھوپ اور رات کی اوس بھری خنکی سے بدن کی جلد پھٹنے لگی، پھنسیاں پھوڑے نکل آئے۔ لیکن تائیس سے ملنے کی آرزو دل سے نہ گئی۔ سینے میں

ایک آگ بھڑکتی رہتی اور اس درد و تکلیف میں رو رو کر کہتا ہے۔

"اے قوت اور طاقت والے خدا۔ کیا یہ جو کچھ مجھ پر گزر رہا ہے کافی نہیں ہے کہ نفس کی ترغیبیں تیز کرکے ناپاک خیالات اور شیطانی خواہشیں میرے قلب میں اور اضافہ کی جاتی ہیں۔ خداوندا۔ اگر یہی ہے تو انسان کی جتنی شہوت پرستیاں ہیں وہ سب مجھ میں بھر دے تاکہ میں ان کا ایک صدقہ بن جاؤں۔ باطل پرستوں نے یہ قصہ گھڑ رکھا ہے کہ آرگوس کی کنیا ہیلن نے دنیا کے سب گناہ سمیٹ کر اپنے اوپر لے لئے تھے۔ اس قصہ کے غلط ہونے میں کلام نہیں لیکن جو معنی اس میں مخفی ہیں ان کی صحت اور میرے ساتھ ان کی مطابقت کا اندازہ اس وقت مجھ کو خود ہو رہا ہے۔ اولاد آدم کی تمام سیہ کاریاں اور رسوائیاں پاکبازوں کے قلب میں داخل ہو کر ایک زندانِ تاریک میں مقید ہو جاتی ہیں۔ اور پاک روحوں میں وہ نجاست بھر جاتی ہے جو گنہگاروں کی روحوں میں بھی نہیں ہوتی۔ پس اے قادر مطلق میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تمام عالم کی غلاظت کیلئے تو نے مجھے ایک گندہ نالہ بنا دیا ہے۔"

قضارا ایک دن اسی شہر قدسی صفات میں یہ خبر گرم ہوئی اور پفنوتوس کے کانوں تک بھی پہنچی کہ ایک بڑا عالی مرتبت شخص یعنی اسکندریہ کا امیر اساطیل قوفس قوطا یہاں آ رہا ہے۔ اسکندریہ سے روانہ ہو چکا ہے اور اب یہاں پہنچا کا پہنچا ہے۔

یہ خبر بالکل صحیح تھی۔ پیرانہ سال قوطا جو نہروں اور آب رسانی کے محکموں کے معائنہ کے لئے نکلا تھا کئی مرتبہ ارادہ کر چکا تھا کہ ستون والے فقیر کو اور جو شہر اپنے خاص طرز سکونت کی وجہ سے استیلا پولس مشہور ہو گیا ہے اس کو ایک نظر خود دیکھے۔ چنانچہ ایک دن صبح ہوتے ہی اس شہر کے لوگوں نے دیکھا کہ دریا کی سطح کشتیوں کے بادبانوں سے بالکل ڈھک گئی ہے۔ امیر اساطیل جس کشتی پر سوار ہے اس پر سونے چاندی کا کام ہے اور اس کے بادبان سرخ کپڑے کے ہیں۔ قوطا اپنے نائب کے ساتھ کشتی سے اترا۔ نائب کی بغل میں ایک تختی تھی۔ اس پر امیر جو حکم صادر کرتا تھا نائب [illegible] اسطبل امیر کا طبیب خاص بھی کشتی سے اترا۔ قوطا کو

اپنے طبیب سے باتیں کرنے کا بیحد شوق تھا۔

اب ملازموں مصاحبوں اور ہمراہیوں کے غول کشتیوں سے اترنے شروع ہوئے اور تھوڑی دیر میں دریا کا کنارہ دور دور تک فوجی لباسوں اور ہتھیاروں سے جگمگا اٹھا۔ ستون سے دس قدم ہٹ کر قوطا نے کھمبے والے فقیر کا معائنہ شروع کیا نظر بالکل اس کی طرف جما دی۔ پیشانی کا پسینہ چغہ کے دامن سے کبھی کبھی پونچھتا تھا۔ چونکہ طبیعت میں تحقیق کا مادہ تھا اس لئے بحری سیر و سفر میں مشاہدے بہت کئے تھے۔ جب سے تاریخِ قرطاجنہ لکھی تھی جس میں چشم دید واقعات سے زیادہ بحث کی تھی اس بات کا بہت شوق بڑھ گیا تھا کہ مشاہدات سابقہ کو ذہن میں حاضر رکھ کر جدید واقعات کو تحریر میں لانے کی فکر کی جائے۔ نائب ہر وقت تختی لئے ساتھ رہتا کہ جو کچھ امیر کے منہ سے نکلے فوراً اسے بطور یادداشت تختی پر لکھ لے۔ غرض اس وقت قوطا کے سامنے جو کچھ تھا اس میں وہ غایت درجہ دلچسپی ظاہر کر رہا تھا۔

پسینہ میں ڈوبا ہوا کھنکار کر کہنے لگا۔ "اس مشاہدے میں جو بات قابل تحریر ہے وہ یہ ہے کہ یہ شخص جو ستون کی چوٹی پر بیٹھا ہے ایک مرتبہ میرا مہمان رہ چکا ہے، ہرگز شبہ نہیں کہ یہی شخص میرے مکان پر ضیافت میں شریک ہوا تھا اور ضیافت کے بعد اسکندریہ کی ایک تماشا کرنیوالی طوائف کو لے بھاگا تھا۔"

اتنا کہہ کر اپنے نائب کی طرف جھک کر کہا:۔

"عزیز القدر۔ اس واقعہ کے ساتھ ساتھ کہ یہ شخص میرا مہمان رہ چکا ہے اس ستون کے دَور اور طول کو بھی تختی پر درج کرلو اور ستون کے تاج کی جو شکل ہو اسکو بیان کرنا نہ بھولنا۔"

پھر ایک مرتبہ پیشانی کا پسینہ پونچھ کر کہا:۔

"معتبر لوگوں نے جن کو صحیح خبریں پہنچی ہیں مجھ سے بیان کیا ہے کہ جس

نہیں اُترا۔ ارسطوس کیا تمہارے خیال میں ایسا ممکن ہے؟

ارسطوس نے کہا۔ "ایک بیوقوف اور بیمار سے تو یہ ممکن ہے لیکن ایک تندرست آدمی جس کا دماغ صحیح ہو ہرگز ایسا نہیں کرسکتا۔ تندرستی اچھی یا بُری فی الحقیقت کوئی چیز نہیں۔ صرف اعضاء کی مختلف حالتوں کا نام صحت یا عدم صحت بدنی ہے۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امراض فی الحقیقت حیات انسانی کی لازمی صورتیں ہیں۔ مجھے امراض کے پڑھنے میں جو لُطف آتا ہے وہ ان سے لڑنے میں نہیں آتا۔ بعض عوارض ایسے ہوتے ہیں کہ جس قدر ان پر غور کیجئے حیرت بڑھتی جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ باوجود بے ربطی کے ان میں ایک ربط موجود ہے۔ مثلاً چوتھیے بخار کو دیکھئے کہ وہ ایک نہایت حسین چیز ہے۔ بعض وقت امراض کو اُن کا تعلق جسم سے ہوتا ہے ذہن کو نہایت تیز اور روشن کر دیتے ہیں۔ آپ کریون سے تو واقف ہونگے۔ جب یہ بچہ سا تھا تو نہایت غبی تھا اور بے حد ہکلاتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے سیڑھی پر سے گرا۔ سر میں چوٹ آئی چوٹ آتے ہی ذہن کھل گیا اور اب آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ اصول قانون کا کیسا زبردست ماہر ہے۔ یہ راہب جو ستون پر بیٹھا ہے یقیناً اس کے اندرونی اعضاء میں سے کسی عضو کو کوئی سخت صدمہ پہنچ چکا ہے۔ لیکن اس قسم کی زندگی جیسی عجیب معلوم ہوتی ہے واقعی ایسی عجیب نہیں ہے۔ آپ کو ہندوستان کا سفر تو یاد ہوگا۔ وہاں بہت سے جوگی اور سنیاسی ایسے دیکھنے میں آئے تھے جو ایک سال تو کیا چیز ہے بیس بیس اور چالیس چالیس برس تک ایک ہی جگہ دم سادھے بے حس و حرکت بیٹھے رہتے ہیں۔"

قوطانے کہا۔ "کچھ شبہ نہیں کہ یہ خلل دماغ بدترین قسم کا ہے۔ انسان اس لئے پیدا ہوا کہ کچھ کام کرے۔ جمود اور بیکاری کی حالت ایسا جرم ہے جو کسی طرح معاف نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس سے سلطنت کو نقصان پہنچتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مہلک طرز عبادت کو کس مذہب و ملت سے متعلق سمجھوں۔

ممکن ہے کہ بعض مشرقی مذاہب اس کا ماخذ ہوں۔ کیونکہ جس زمانہ میں میں شام کا حاکم تھا تو وہاں اعضاء تولید کی پرستش کی جاتی تھی۔ اور اسکے لئے جابجا لاٹھ اور مینار بنے تھے۔ ہر سال کسی لاٹھ یا منارے پر ایک آدمی چڑھ کر سات دن تک اسکی چوٹی پر بیٹھا رہتا تھا۔ عام اعتقاد یہ تھا کہ ارباب فلک سے گفتگو کرنے کے لئے اس نے یہ بلندی اختیار کی ہے تاکہ ملک کے حق میں امن وعافیت کا کوئی قول وقرار ان سے حاصل کرے۔ یہ اعتقاد اور طریقہ بالکل عقل کے خلاف تھا لیکن میں نے اسکو بند نہیں کیا کیونکہ رعایا کی رسم ورواج کو بند کرنا حاکم کے لئے کسی حال میں درست نہیں بلکہ اس کو قائم اور جاری رکھنا اس کا فرض ہے۔ اور نہ حکومت کا یہ کام ہے کہ اپنی طرف سے کسی طریقہ کو جبراً رواج دے۔ بلکہ اس کا فرض یہ ہے کہ جو مذاہب اور طریقے رعایا میں موجود ہیں ان کے ماننے والوں کی قطعی تسلی وتشفی کردے کہ ان میں حکومت کی طرف سے کسی قسم کی دست اندازی نہ کی جائیگی۔ یہ مذاہب خواہ بھلے ہوں یا برے مگر اتنا ضرور ہے کہ وہ ان قوموں اور مقاموں اور زمانوں کا مقتضے تھے جن میں وہ شائع ہوئے۔ اگر کوئی حاکم ان کی مخالفت پر آمادہ ہوجائے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ ایک ایسا انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے جسکا انجام یقینی برا ہی۔ ایسے حاکم کے تمام افعال ظالمانہ ہوجائیں گے اور پھر رعایا کو اس سے جتنی عداوت ہو وہ کم ہے۔ علاوہ اس کے ان اوہام پرستوں سے اپنے تئیں بالاتر رکھنے کا طریقہ صرف یہی ہی کہ ان کے مذاہب کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا جائے اور ان کے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ارسطوس میرے خیال میں تو اس دیوانے مراقی کو اسی طرح آرام سے ہوا میں معلق رہنے دینا چاہیئے۔ یہاں سوائے پرندوں کے اور کسی چیز سے اسے گزند پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہو۔ میں اس فقیر سے اس پر کسی قسم کا جبر کرکے کوئی بات حاصل نہیں کر سکتا۔ البتہ اس طرح نفع اٹھا سکتا ہوں کہ اس کے خیالات کو سمجھ کر کسی طور پر اپنا اطمینان کرلوں"۔

بڈھا قوطا اس گفتگو کے دوران میں کبھی ہانپنے اور کبھی بار بار کھانسنے لگتا تھا۔

آخرکار اپنے نائب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"عزیز القدر۔ یہ بات ذرا تختی پر لکھ لو کہ عیسائیوں کے بعض فرقوں میں بدکار عورتوں کو بھگائے جانا اور کسی اونچے ستون پر چڑھ کر اس کی چوٹی کو گوشہ عزلت بنانا نیک کام ہے۔ اس کے ساتھ تم یہ بھی لکھ سکتے ہو کہ اس طریقے کے جو لوگ پابند ہیں غالباً وہ شہوانی دیوتاؤں کے ماننے والے ہیں۔ لیکن اس امر خاص میں مجھے اس فقیر سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔"

اتنا کہہ کر قوطا نے اپنا سر اونچا کر کے اور دھوپ کی چمک سے بچنے کیلئے آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ کر کے بہ آواز بلند پوچھنا شروع کیا۔

"پفنوتوس۔ اگر آپ کو یاد ہو کہ آپ کبھی میرے مہمان رہ چکے ہیں تو جواب دیجئے کہ آپ اس ستون کی چوٹی پہ بیٹھے کیا کرتے ہیں۔ آپ اس ستون پر کیوں چڑھے تھے اور کس لئے اب تک وہیں قیام ہے۔ آپ کی دانست میں اس ستون کو اعضاء تو الد کی پرستش سے تو کوئی تعلق نہیں ہے۔"

پفنوتوس نے قوطا کو بت پرست جان کر اس کو جواب دینے میں اپنی کسر شان سمجھی۔ لیکن فلے ویان جو پفنوتوس کا مرید اور شاگرد رشید تھا آگے بڑھ کر کہنے لگا۔

"عالی جناب۔ اس بزرگ درویش نے دنیا بھر کے گناہ اپنے اوپر لے لئے ہیں اور وہ مریضوں کو شفا بخشتا ہے۔"

اتنا سن کر قوطا نے اپنے طبیب خاص ارسطوس کی طرف تعجب اور غور سے دیکھا اور کہا۔ "ہائیں۔ ارسطوس تم نے کچھ سنا۔ یہ فقیر تمہاری طرح مریضوں کا علاج بھی کرتا ہے پس ایسے فلک آشیاں طبیب کی نسبت تمہارا کیا خیال ہو سکتا ہے۔"

ارسطوس نے سر ہلایا اور کہا۔

"ممکن ہے کہ خاص خاص امراض کا علاج وہ مجھ سے بہتر کر سکتا ہو۔ مثلاً مرگی جسے خاص طور پر "دیوتائی دکھ" کہا جاتا ہے حالانکہ امراض تمام دیوتاؤں ہی کے بھیجے ہوئے ہیں۔ لیکن اس مرض کے علاج کو ایک حد تک انسان کے تخیل سے

تعلق ہے۔ قوطا آپ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ فقیر ایک دیبی کے سر پر بیٹھا ہے اس لئے وہ اپنے مریضوں کی طبیعت پر بہ نسبت میرے زیادہ اثر کرتا ہوگا۔ میں تو اپنے دواخانے میں قرابوں اور ہاون دستوں پر جھکا ہوا ایسا مصروف رہتا ہوں کہ اس قسم کا کوئی اثر اپنے بیماروں پر نہیں پہنچا سکتا۔ آپ سمجھ لیں کہ بعض قوتیں دنیا میں ایسی موجود ہیں جو عقل اور علم دونوں سے زیادہ تاثیر رکھتی ہیں۔"

قوطا نے پوچھا "وہ کون سی قوتیں ہیں؟"

ارسطوس نے جواب دیا "مثلاً جہالت اور غلطی۔"

قوطا۔ "ارسطوس حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے اس فقیر سے زیادہ عجیب چیز آج تک نہیں دیکھی تھی۔ میرے خیال میں ایسا وقت آئے گا کہ کوئی لائق آدمی اس شہر کی تاریخ لکھنے بیٹھے گا اور پھر اس کے لئے ضروری ہوگا کہ اس شہر کی وجہ تسمیہ لکھنے میں کہ کیوں اسے استیلا پولس (یعنی ستون والا شہر) کہتے ہیں اس کھبے والے فقیر کی پوری سرگزشت لکھے۔ یہ منظر بلاشبہ عجیب ہے لیکن ایک باکار آدمی کے لئے اس کے دیکھنے میں زیادہ وقت صرف کرنا درست نہیں۔ اب یہاں سے چلنا چاہیئے۔ نہروں کا معائنہ باقی ہے۔" اچھا۔ لیفنوتوس۔ اب ہم آپ سے رخصت ہوتے ہیں بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اگر موقع ملا تو پھر ملاقات کریں گے۔ اگر کبھی زمین پر اترنے اور اسکندریہ میں آنے کا اتفاق ہو تو مجھ سے ضرور ملئے گا اور کھانا بھی میرے ساتھ کھائیے گا۔"

جب اتنے بڑے آدمی کی یہ تقریر مریدوں نے سنی تو اس کا آخری جملہ ایک بان سے دوسری زبان پر آکر ہزار ہا لوگوں میں مشہور ہوگیا۔ زائرین نے اس احوال کو دور دور شہرت دی۔ اور لیفنوتوس کی شان بزرگی اور زیادہ ارفع ہوگئی۔ خوش اعتقاد لوگوں نے اپنی طرف سے تقریر میں وہ وہ رنگ آمیزیاں کیں کہ اس کی صورت ہی بدل گئی۔ عام طور پر یہ مشہور ہوگیا کہ فقیر نے ستون کی چوٹی ہی پر بیٹھے بیٹھے امیر مصر کو آبائے نیقیہ کے عقاید کے موافق عیسائی کرلیا۔ بڑے بڑے خدا رسیدہ عیسائیوں نے قوطا کے اخیر الفاظ کو ایک استعارہ سمجھا اور بیان کیا کہ جس دعوت میں اس درویش کو

مدعو کیا گیا ہے اس سے مُراد عشاء ربانی اور ضیافتِ آسمانی ہے۔ اس قصّہ کے ساتھ اور عجیب عجیب افسانے گھڑ لئے گئے اور سب سے پہلے جن لوگوں کو ان افسانوں کا یقین ہوا وہ ان کے گھڑنے والے ہی تھے۔ مشہور ہوا کہ جس وقت امیر نے ایک طویل مباحثہ کے بعد دینِ عیسوی قبول کیا تو آسمان سے ایک فرشتہ اُترا اور اس نے امیر کی پیشانی کا پسینہ پونچھا۔ اس کے ساتھ یہ روایت بھی عام ہوگئی کہ قوطا کا نائب اور طبیب خاص بھی مُشرف بہ نصرانیت ہوا تھا۔ جب فقیر کی یہ کرامات زبان زد خلائق ہوئیں تو ملک لیبیہ کے تمام افسرانِ کلیسا نے اس واقعہ کو مستند قرار دے کر اپنے روزنامچوں میں درج کر لیا۔ اور اب بلا مبالغہ تمام دُنیا کے عیسائیوں کو لیفنوتوس کے دیدار کا بے حد شوق ہوا۔ مغرب سے لے کر مشرق تک ہر مسیحی کی چشمِ شوق اس فقیر کی طرف لگی تھی۔ ایطالیہ کی بڑی بڑی باعظمت ریاستوں نے اپنے ایلچی اس کی خدمت میں بھیجے۔ روما کے قیصر قسطنس نے جو مجمع نیقیہ کے عقائد کا بڑا حامی تھا لیفنوتوس کو شفقہ لکھا اور شامی سفارت نے حاضر ہو کر بڑے ادب و تعظیم سے لیفنوتوس کی خدمت میں شفقہ پیش کیا۔ مگر اب خدا کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ ایک رات جبکہ اس راہب کے قدموں کے نیچے سارا شہر بے خبر سوتا تھا ایک آواز اس کے کانوں میں یہ کہتی ہوئی سُنائی دی:۔

"لیفنوتوس۔ اب تم اعمالِ نیک اور تاثیرِ کلام میں یکتائے روزگار ہو چکے ہو۔ خدا نے اپنی بُزرگی کے لئے تمہیں بلند کیا تھا۔ اور تمہارے انتخاب کی غرض یہ تھی کہ تم معجزے دکھاؤ۔ مریضوں کو چنگا کرو۔ بُت پرستوں اور راہی گیروں کو خدا کے رستے لاؤ۔ اور ایریوسی بدعتیوں کو ذلیل و خوار کرو۔ خداوند کے کلیسا میں امن و امان قائم کرو"

لیفنوتوس نے جواب دیا:۔

"خدا کا حکم ہر حال میں لائقِ بجا آوری ہے"

اسی آواز نے پھر کہا:۔

"اچھا۔ اب اُٹھو اور قیصر قسطنطیوس بے دین سے اس کے محل میں مُلاقات کرو۔ اس ملحد نے اپنے بھائی قسطنس کے عقائد نیقیہ کو ترک کر کے ایریوس اور مرقوس کے

مذہب کی حمایت شروع کی ہے۔ جاؤ پیتل کے ادبچے دروازے تمہارے پہنچتے ہی تم پر کھُل جائیں گے۔ اور شاہی محلوں میں قیصروں کے تخت کے سامنے فرشِ مذہب پر تمہاری نعلین کی آواز سب کو ہوشیار کردے گی۔ اور تمہاری للکار پسر قسطنطین کو راہِ بد سے پھیر لائے گی۔ اور کلیسا جو ہر طرح محفوظ اور باختیار ہو گیا ہے اس کے تم سب سے بڑے سردار ہو جاؤ گے۔ اور جس طرح جسم پر روح قادر ہوتی ہے اسی طرح قلمروِ قیصری پر کلیسا حکومت کرنے لگے گا۔ سلطنت کے مشیروں۔ نوابوں و امیروں کے سردار بنا دئے جاؤ گے۔ غریبوں کی فاقہ کشی اور وحشیوں کے ظلم دور کرو گے۔ اور جس وقت بڈھے قوطا کو معلوم ہو گا کہ عنانِ حکومت تمہارے قبضے میں ہے تو وہ فوراً حاضر ہو گا اور تمہارے پاؤں دھو دھو کر پئے گا۔ تمہارے مرنے پر تمہاری عبا اسکندریہ کے بطریقِ سابق اتینا شوس کے پاس بھیجی جائیگی جس کو ضعفِ پیری نے اور بھی نورانی کر دیا ہے۔ اور وہ اس کو خدا کے ایک ولی کا تبرک سمجھ کر بوسہ دیگا۔ بس۔ اُٹھو۔ اور جاؤ۔"

لیفنونوس نے جواب دیا۔

"مولا کی جو مرضی ہو۔"

یہ کہتے ہی ارادہ کیا کہ کمر سیدھی کر کے ستون سے نیچے اُترے لیکن غیب سے جو ندا لگاتا تھا اُسکو بھی یہ ارادہ معلوم ہو گیا اور وہ کہنے لگا:۔

"سیڑھی سے مت اُترو۔ یہ تو ایک معمولی انسان کا کام ہے اور ان نعمتوں کا کفران ہو گا جو تم کو ملی ہیں۔ اے فرشتہ صفت لیفنونوس اپنی قوت کا بہتر اندازہ کرو۔ جو شخص تمہاری طرح خدا تک پہنچ چکا ہو وہ ایک پرندے کی طرح پرواز کر سکتا ہے۔ بس کود پڑو۔ فرشتے سنبھالنے کے لئے نیچے کھڑے ہیں۔ کود و۔"

لیفنونوس نے کہا:۔

"حکم قضاء زمین و آسمان دونوں پر حاوی ہے۔"

اتنا کہہ دونوں ہاتھ پھیلا کر جیسے کوئی ہرن یا پرندہ اپنے پر پنجے بازو پھیلائے اوپر سے نیچے کودنے کو تھا کہ بڑے زور سے کسی کے قہقہے کی آواز کان میں آئی۔ بالکل

سہم کر کہنے لگا۔ "کون ہنستا ہے؟"

وہی غیبی آواز پھر بولی۔ "ہا ہا ہا۔ ابھی میری دوستی آپ کے ساتھ کم نہیں ہوئی ہے۔ اور ایک دن آئیگا کہ آپ کا خلوص بھی میرے ساتھ بہت بڑھ جائیگا۔ اے جناب یہ بندہ ناچیز تھا جس نے آپ کو ستون پر بٹھایا تھا۔ واقعی جس بے زبانی اور توجہ سے آپ نے میری فرمانبرداری کی اس کی جس قدر تعریف ہو کم ہے۔ لیفنوتوس ہم آپ کے کاموں سے نہایت خوش ہیں۔"

یہ تقریر سن کر راہب بدحواس ہو گیا۔ اور ایسی آواز سے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ خوف نے گلا پکڑ لیا ہے کہنے لگا:۔

"مردود میرے سامنے سے ہٹ کر پیچھے کھڑا ہو۔ اب میں نے تجھے پہچانا تو وہی ہے جو یسوع کو ہیکل کے کنگرے پر لے گیا تھا اور وہاں سے دنیا کی ساری بادشاہتیں ایک پل میں اس کو دکھائی تھیں۔"

اتنا کہہ کر اور بالکل مایوس ہو کر لیفنوتوس اسی پتھر پر گرا جس پر بیٹھا رہتا تھا۔ اور دل میں کہنے لگا:۔

"ہائے میں نے اس لعین کو پہلے ہی کیوں نہ پہچان لیا۔ میں تو ان اندھوں بہروں اور مفلوجوں سے بھی بدتر ہو گیا جو علاج کو میرے پاس آتے تھے۔ افسوس۔ امور فوق الفطرت کا ادراک اور شعور اب مجھ سے زائل ہو گیا۔ اب میں دوزخ کے شور اور جنت کی سہانی صداؤں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اب مجھ میں اتنی پہچان بھی نہیں رہی جتنی ایک نوزائدہ بچے میں ہوتی ہے کہ دایہ کی گود سے جدا ہوتے ہی رونے لگتا ہے میں اب اس کتے سے بھی زیادہ ناسمجھ ہو گیا ہوں جو اپنے آقا کے نقش قدم دیکھتا ہوا اس تک پہنچ جاتا ہے۔ اب میں وہ پھول نہ رہا جو اپنا چہرہ ہر وقت آفتاب کے مقابل رکھ سکتا ہے۔ میں تو اب شیاطین کا ایک کھیل ہوں۔ اب معلوم ہوا کہ شیطان نے مجھے اس ستون پر بٹھایا تھا اور نہ صرف میں بلکہ تکبر و نفسانیت بھی میرے ساتھ اس ستون پر چڑھے تھے۔ گناہوں کی طرف شدت سے رغبت ہونی مجھے پسند نہیں کیونکہ

کانزین کے پہاڑ پر ہمارے ہادی انطونی کو بھی یہی چیز برداشت کرنی پڑی تھی۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ گناہوں کی یہ تحریصیں اپنی تلواریں اور خنجر فرشتوں کے سامنے میرے جسم میں بھونک دیں۔ جسم کی جس قدر تکلیفیں تھیں وہ میں نے خوش ہو کر برداشت کر لیں۔ لیکن خدا چپ ہے اور اسکی اس خاموشی نے مجھے حواس باختہ کر رکھا ہے۔ ہائے۔ خدا ہی نے مجھے چھوڑ دیا جس کے سوا میرے پاس کوئی دوسرا نہ تھا۔ خود غائب ہو کر اپنی غیبت کی ہولناکی میں مجھے تنہا کر گیا۔ وہ مجھ سے بھاگ رہا ہے۔ اور میں اُس کے پیچھے دوڑتا ہوں۔ یہ پتھر تو اب میرے تلوے جلائے دیتا ہے۔ بس اب جلدی کر۔ اُٹھ اور دوڑ کر خدا کا دامن پکڑ لے"

ستون کے سہارے جو سیڑھی لگی تھی فوراً اُسے پکڑ کر نیچے اُترنے لگا۔ پہلا ہی قدم نیچے رکھا تھا کہ اس سنگین چہرے سے آنکھیں دوچار ہو گئیں جس کے سر پر فقیر بن کر بیٹھا تھا۔ یہ پتھر کا چہرہ اُس وقت اُسے ہنستا ہوا معلوم ہوا۔ اب لیفنوتوس کی سمجھ میں آیا کہ جس مقام کو اس نے اپنی روحانی آسائش اور فضیلت کے لئے تجویز کیا تھا۔ درحقیقت وہی ایک شیطانی آلہ اسکی تکلیف والم کا تھا۔ جلد سیڑھی سے اُتر تا زمین پر پہنچا۔ چلنے کی عادت نہ رہی تھی۔ ٹانگیں کانپنے لگیں۔ لیکن اس خبیث ستون کا سایہ اپنے اوپر دیکھ کر جس طرح بن پڑا وہاں سے بھاگا۔ سب سو رہے تھے۔ بڑے چوک سے گزرا جس کے چاروں طرف مکان اور سرائیں بن چکی تھیں۔ اور ایک گلی سے بھاگتا ہوا اس رستے پر ہو لیا جو لیبیہ کی پہاڑیوں کو جاتا تھا۔ ایک کتا بھونکتا ہوا پیچھے دوڑتا رہا لیکن جب ریگستان کے کنارے پہنچا تو رُک گیا۔ اب لیفنوتوس کو ایسی زمین پر چلنا پڑا جہاں نہ کوئی سڑک تھی نہ پگ ڈنڈی۔ فقط درندوں کے پنجوں کے نشانوں سے کہیں کہیں ایک لیکھ سی دکھائی دیتی تھی۔ ایک جگہ کچھ جھونپڑیاں ملیں جن میں جھوٹے سکے بنانے والے رہا کرتے تھے۔ ان سے بچتا ہوا ساری رات اور پورا ایک دن چلنے میں گذارا۔

آخر کار بھوک پیاس اور تھکن سے مجبور ہو کر اور اس بات سے لاعلم رہ کر کہ

خُدا ابھی بہت دُور ہے چلتے چلتے ایک جگہ ٹھہرا۔ یہ ایک ویران اور سُنسان شہر تھا۔ جس کی شکستہ عمارات دائیں بائیں حدِ نظر تک پھیلی تھیں۔ مکانات بہت بہت فصل سے ایک ہی وضع کے بنے تھے۔ ان کی دیواریں سلامی دار تھیں اور مجموعی قطع ایسی تھی جیسے مصری اہرام کے اوپر کے حصے تراش کر علیحدہ کر دئے جائیں اور صرف نیچے کے حصّے رہنے دئے جائیں۔ یہ تمام عمارتیں دراصل شاہانِ ماضی کے مقبرے تھے۔ دروازوں کے کواڑ کبھی کے گل سڑ کر گر چکے تھے۔ اندر بھیڑیوں اور چرغوں کی مادائیں دیدے چمکا چمکا کر اپنے بچّوں کو دودھ پلاتی تھیں۔ دہلیز پر آدمیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ یہ مسافر تھے جن کو قزاقوں نے جان سے مارا تھا۔ اور ان کی لاش کا گوشت اکثر جگہ سے درندے کھا چکے تھے۔ اس شہرِ خموشاں سے نکل کر لفنوتوس باہر آیا اور ایک چشمے کے قریب جس کے گرد کھجوروں کے جھنڈ تھے ایک مقبرے کے سامنے تھک کر زمین پر گر پڑا۔ اس مقبرے کے اندر بہت نقش و نگار بنے تھے۔ دروازوں میں کواڑ یہاں بھی نہ تھے۔ اور اندر فرش پر بہت سے سانپ کُنڈلیاں مارے بیٹھے تھے۔

لفنوتوس اس مقام کو دیکھ کر کہنے لگا "بس یہی میرا پسندیدہ مسکن ہے اور یہی میری توبہ اور ندامت کا خیمہ ہے"۔ یہ کہتا ہوا مقبرے کے اندر گیا سانپوں کو اپنے پاؤں سے ہٹا دیا۔ اور اٹھارہ گھنٹے تک فرش کے پتھروں پر سجدے میں پڑا رہا۔ جب یہ وقت گذر گیا تو چشمے پر گیا اور اوک سے پانی پیا۔ پھر کچھ جنگلی پھلیاں اور کھجوریں زمین پر سے اُٹھا کر کھائیں۔ اور اسی طرح زندگی بسر کرنے کو اپنے حق میں بہتر جان کر اسے اپنا قاعدہ بنا لیا۔ صبح سے شام تک سجدے میں پڑا پتھر سے پیشانی نہ اُٹھاتا۔

ایک دن اسی طرح سجدے میں تھا کہ ایک آواز یہ کہتی سُنائی دی:۔

"دیواروں کی تصویروں کو دیکھ اور ان سے ہدایت حاصل کر"۔

سجدے سے سر اُٹھا کر کمرے کی دیواروں کو دیکھا تو ان پر انسان کے معمولی مشغلوں کی تصویریں بنی ہوئی بکثرت نظر آئیں انہیں بعض ایسی بھی تھیں جنہیں دیکھ کر

ہنسی آتی تھی۔ یہ مُرقعے اگلے وقتوں کی عجیب و غریب صنعت کے نمونے تھے۔ ان میں کہیں باورچی کلّے پھُلائے آگ پھونکتے تھے کہیں کوئی آدمی بطین ذبح کر کے ان کے پَر نوچ رہا ہے۔ کوئی بھیڑ کا گوشت دیگوں میں بھُونتا ہے۔ کہیں کوئی شکاری ہرن شکار کر کے اُسے اپنے کندھے پر اُٹھائے لاتا ہے۔ اور ہرن کے جسم پر تیر چُبھے ہوئے ہیں کسی تصویر میں کسان اور کاشتکار کھیت بونے اور اناج کاٹنے میں مصروف ہیں۔ کہیں طرح طرح کے سازوں اور بانسریوں کی لے پر عورتیں ناچ رہی ہیں۔ ایک طرف ایک نوجوان عورت کی تصویر تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بین ہے۔ زلفیں بکھری ہیں اور سر کے جُوڑے میں نیلوفر کا ایک پھول لگا ہے۔ لباس اس قدر باریک ہے کہ جسم کے تمام خطوط صاف نظر آتے ہیں۔ چھاتیاں اور دھن پھول معلوم ہوتے ہیں۔ چہرا ایک طرف کو پھرا ہے اور ترچھی نظروں سے دیکھنے کا انداز عجیب ہے۔ صورت شکل قد و قامت میں حُسن کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ لیفنوتس نے اس تصویر کو دیکھا اپنی آنکھیں نیچی کر لیں اور جو آواز سُنی تھی اُسے جواب دیا:۔

"ان تصویروں کے دیکھنے کی مجھے کیوں ہدایت کی گئی ہے۔ یہ تو کسی بُت پرست کے زمانۂ حیات کی چند کیفیتوں کے مُرقعے ہیں۔ وہ خود ایک سیاہ پتھر کے تابوت میں بند اس فرش کے نیچے ایک تہ خانے میں دفن ہے۔ ان تصویروں سے اس مُردے کی زندگی کا زمانہ یاد دلایا گیا ہے۔ گو ان تصویروں میں بہت شوخ رنگ بھرے ہیں مگر پھر بھی وہ ایک عکس بے نمود کا عکس ہیں۔ اوّل تو اس مُردے کی زندگی ہی کیا تھی۔ پھر اس سے ہدایت حاصل کرنے کے کیا معنی؟"

آواز نے جواب دیا۔ "بے شک وہ تو مر چُکا ہے مگر کبھی زندہ تو تھا لیکن جب تم مرو گے تو کوئی اتنا بھی نہ کہے گا کہ کبھی زندہ تھے۔"

اس دن سے پھر لیفنوتس کو اس مقبرے میں بھی کبھی چین نصیب نہ ہوا۔ آواز اس کو ہمیشہ مُخاطب کرتی۔ اور بین والی عورت اپنی سیاہ بالوں کی لٹوں میں سے اسکی طرف نگاہیں جمائے رکھتی اور جب بولنے کی نوبت آتی تو کہتی:۔

"دیکھ میں ایک راز سربستہ ہوں اور صورت حسین رکھتی ہوں۔ جس عشق کے شعلے نے تجھے پھونک رکھا ہے اُسے میری آغوشِ عشرت میں ٹھنڈا کر۔ ڈرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ مجھ سے بچ کر تو کہاں جائیگا۔ میں عورت کا حسن ہوں۔ اے دیوانے وہ کونسی جگہ ہے جہاں تو مجھ سے بھاگ کر جانا چاہے گا اور میں ساتھ نہ ہونگی۔ پھولوں کی بہار اور درختوں کے حسن میں۔ قمریوں کی آواز اور ہرنوں کی چوکڑیوں میں۔ بہتے چشموں کی فضا اور چاند کی ہلکی ہلکی روشنی میں تجھ کو میں ہی نظر آؤنگی۔ اگر تو نے اپنی آنکھیں بند بھی کرلیں تو بھی تیرے قلب میں سوائے میرے کوئی دوسرا نہ دکھائی دیگا۔ ایک ہزار برس ہوئے کہ جو شخص اس مقبرے میں زمین کے نیچے ایک سیاہ پتھر پر موت کی نیند سو رہا ہے۔ جب وہ زندہ تھا تو کبھی وہ مجھے اپنے سینے سے جُدا نہ کرتا تھا۔ ایک ہزار برس ہوئے کہ ان لبوں نے آخری مرتبہ اس کا بوسہ لیا تھا۔ اور یہ اسی بوسے کی شیرینی ہے کہ اب تک موت میں وہ میٹھی نیند سو رہا ہے۔ لیفنوتوس تم مجھے خوب جانتے ہو۔ پھر پہچانتے کیوں نہیں۔ میں تائیس کے بے شمار اوتاروں میں سے ایک اوتار ہوں۔ تم تو پڑھے لکھے عالم و فاضل راہب ہو۔ تم نے سیر و سفر بھی بہت کیا ہے اور سفر میں انسان بہت کچھ سیکھتا ہے۔ وطن سے باہر ایک دن میں اتنی عجیب و غریب چیزیں دیکھتا ہے جو وطن میں رہ کر دس برس میں بھی نہ دیکھتا۔ تم نے ضرور پڑھا اور سُنا ہوگا کہ تائیس پہلے ارگوس میں ہیلن کے نام سے زندہ ہوئی۔ دوسرا جنم اس کا اس ملک کے شہر طیبی میں ہوا۔ اور وہ جنم میں ہوں۔ کیا تم اپنے علم سے اتنا بھی معلوم نہ کرسکے کہ جب میں زندہ تھی تو بہت سے گناہوں میں شریک ہوئی تھی۔ اور اب بھی گو کوئی قالب نہیں رکھتی تمہارے گناہوں میں شرکت کیلئے تیار رہوں۔ اس قدر حیرت سے کیوں دیکھتے ہو جہاں کہیں بھی جاؤ گے تائیس تم کو وہیں ملے گی۔"

لیفنوتوس یہ تقریر سُن کر پتھروں سے سر ٹکرانے اور خوف سے رونے لگا۔ اب جہاں رات ہوتی اس حسین والی عورت کی تصویر دیوار سے اُتر کر زندہ ہوجاتی اور لیفنوتوس کے قریب آکر نہایت صاف آواز میں باتیں کرنے لگتی۔ اور اسکی باتوں کے ساتھ ٹھنڈی ٹھنڈی

ہوا کے جھونکے بھی آتے۔ یفنوتوس کو وہ طرح طرح سے گناہ کرنے کی ترغیب دیتی مگر وہ اسے ہمیشہ رد کرتا۔ آخر کار ایک رات وہ کہنے لگی:۔

"بس اب لذتِ وصل سے انکار نہ کرو۔ جب تک انکار کرتے رہوگے میں تمہارے آزار کے درپے رہونگی۔ تم کو ایک مُردہ عورت کے صبر و انتظار کا اندازہ نہیں۔ اگر ضرورت ہوگی تو تمہارے مرنے تک وصل کا انتظار کروں گی۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں ایک ساحرہ ہوں۔ جس وقت تمہارا دم نکلیگا تمہارے مُردہ قالب میں اپنے سحر کے زور سے ایک روح ڈال کر اس مُردہ قالب کو زندہ کرلوں گی۔ اور پھر جس بات کو تم اس وقت نامنظور کرتے ہو اُس کو یہ نئے قالب والی روح منظور کرلیگی۔ یفنوتوس غور کرو جس وقت تمہاری پاک روح آسمان پر پہنچے گی اور دیکھے گی کہ دُنیا میں جس قالب کو تم چھوڑ آئے تھے وہ گناہوں میں آلودہ ہو تو تم پر کیسی مشکل بنے گی۔ خدا نے وعدہ کیا ہے کہ ہزار ہا برس کے بعد جب یوم جزا ختم ہوگا تو تمہاری روح کو اس کا جسدِ سابقہ واپس کر دیا جائیگا۔ لیکن جب معلوم ہوگا کہ شیطان نے اسے اپنا گھر بنا لیا ہے اور اب وہ ایک ساحرہ کے قبضہ میں ہے تو خدا بھی حیران ہوگا کہ ایسے جسم کو آسمان پر لاکر کیونکر عزت بخشے۔ نہ تم نے اس مشکل پر غور کیا ہے اور نہ غالباً یہوواہ کو بھی خیال آیا۔ ہماری تمہاری باتوں میں وہ زیادہ موشگافی سے کام نہیں لیتا۔ ایک معمولی سے معمولی ساحرہ بھی اس کو دھوکا دے سکتی ہے۔ اور اگر اس کے پاس کڑک بجلیاں اور بلائیں نازل کرنے کے لئے آتشبار آلے نہ ہوتے تو پھر ایک گاؤں کا لڑکا بھی اس کی توہین کے درپے ہوجاتا۔ یہوواہ ہرگز اتنا ہوشیار نہیں ہے جیسے سانپ کے بدن میں اس کا دشمن ابلیس ہے۔ یہ سانپ بڑا صاحبِ فنون ہے۔ اسی نے مجھے بال سنوارنے اور بناؤ کرنا سکھایا تھا۔ مگر تم ایک مدت سے اُسکی مطلق پروا نہیں کرتے ہو۔ جب تم اس مقبرے میں رہنے آتے تو تم نے یہاں کے سانپوں کو اپنے پاؤں سے روند کر باہر کر دیا۔ اور انکے انڈے بچے بھی کچل ڈالے۔ تم نے اتنا تک بھی نہ سوچا کہ یہ سانپ اس مارِ قدیم کی اولاد میں تو نہیں ہیں جو یہوواہ کا دشمن تھا۔ اے مصیبت کے مارے دوست مجھے خوف ہے

کہ تمہاری حالت بہت نازک ہو چلی ہے۔ اس بات کا تمہیں علم تھا کہ بہشت والا مار خوشرنگ بڑا مُغنّی اور حُسن پرست ہے۔ پس تم نے اپنی اس حرکت سے علم اور حُسن دونوں کو اپنا دشمن بنا لیا حقیقت میں تمہاری حالت بہت خراب اندیشہ ناک ہے۔ اس بھلاوے میں نہ رہنا کہ یہوواہ تمہاری مدد کو آئے گا۔ وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا۔ وسعت میں وہ بالکل اشیائے عالم کے برابر ہے اس لئے عالم سے باہر کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اگر بالفرض ایسا ہوا بھی تو اس کی ذراسی جُنبش سے یہ سارا جہان درہم برہم ہو جائیگا۔ اے خوبصورت و شکیل راہب اس وقت تو میں تجھ سے ایک بوسے کی طلبگار ہوں۔"

جادو اور سحر سے جو جو عجائبات ظاہر ہو سکتے تھے۔ ان سے پفنوتوس لاعلم نہ تھا۔ سخت تکلیف والم کی حالت میں سوچنے لگا۔

"یہ مجھے معلوم ہے کہ یہاں سے قریب ہی ایک شاہی مقبرے میں بُت پرستوں کی "کتاب اسرار" بہت پوشیدہ طریقہ پر کسی جگہ رکھی ہے۔ اس کتاب کے الفاظ میں یہ اثر ہے کہ اگر کوئی مُردہ ان کو پڑھے تو اپنا پہلا قالب اختیار کر کے دُنیا میں پھر زندہ ہو سکتا ہے اور زندہ ہو کر پھر یہاں کی رونق سورج کی روشنی اور عورت کا تبسّم دیکھ سکتا ہے۔"

اب پفنوتوس کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں اس کتاب اسرار کی مدد سے اس مقبرے کا مُردہ زندہ ہو کر بین والی عورت سے اسی طرح ہمکنار نہ ہو جائے جس طرح زندگی میں ہوا کرتا تھا۔ اور پھر یہ حالت پفنوتوس کو اپنی آنکھوں سے دیکھنی پڑے کبھی کبھی بوسوں کی آوازیں بھی اس کے کانوں میں آیا کرتیں۔

پفنوتوس کو اپنے ہر چہار طرف سوائے تکلیف اور پریشانی کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اور جب سے خدا نے اپنا سایہ اس کے سر سے اُٹھا لیا تھا وہ کسی بات کو سوچنے یا کسی چیز کو دیکھنے سے بھی ڈرنے لگا تھا۔

ایک دن حسب معمول سجدے میں پڑا تھا کہ ایک اجنبی آواز یہ کہتی سُنائی دی:۔

"پفنوتوس۔ دُنیا میں اس قدر متعدد قسم کے انسان آباد ہیں جو تمہارے لئے ہم کُمان

میں بھی نہیں آسکتے۔ اگر میں ان کی صورتیں تمہیں دکھا دوں تو خوف سے تمہاری جان نکل جائے۔ بعض انسان ایسے ہیں جو صرف ایک آنکھ رکھتے ہیں اور یہ آنکھ ان کے ماتھے پر ہوتی ہے۔ بعض انسان ایک ٹانگ کے ہوتے ہیں اور اچھل اچھل کر چلتے ہیں۔ بعض انسان ایسے ہیں جن میں عورت مرد اور مرد عورت بن جاتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو آدھے انسان ہیں اور آدھے درخت اور انکی جڑیں زمین میں دُور تک پھیلی ہیں۔ بعض آدمی بے سر کے ہوتے ہیں۔ اور دونوں آنکھیں ناک اور مُنہ ان کے سینہ پر ہوتا ہے۔ پس کیا تم حقیقت میں اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ ان تمام انسانوں کی نجات کیلئے یسوع مسیح نے اپنی جان دی تھی؟"

ایک اور موقعے پر اس نے خواب میں دیکھا کہ بڑا وسیع میدان ہے دھوپ کھلی ہے۔ اور ایک طرف ایک چوڑی سڑک اونچی ہوتی ہوئی ایک پل کی طرف گئی ہے۔ اِدھر اُدھر باغ لگے ہیں اور چشمے جاری ہیں۔ سڑک پر ارسطوطیس اور کاراس سرمانی گھوڑوں پر سواران کو سرپٹ دوڑا رہے ہیں۔ چہروں پر شہسواروں کا سا جوش و خروش ہے۔ ایک سنگین برآمدے میں فلقراطیس کھڑا اپنے اشعار پڑھتا ہے اور اسکی آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنے کلام پر بہت فخر و ناز ہے۔ ایک باغ میں زینوشمیس سونے کے سیب درخت کے نیچے سے اُٹھا رہا ہے۔ اور ایک زمردی پروں والا سانپ اس کے قریب اپنی کُنڈلی پر قدِ آدم کھڑا ہے اور زینوشمیس اس کو چمکارتا اور پیار کرتا ہے۔ ایک طرف ہرمودس کاہنوں کی کلاہِ زریں سر پر رکھے برسی کے درخت کے نیچے مُراقبے میں بیٹھا ہے۔ اس درخت میں پھولوں کی جگہ آدمیوں کے سر لگے ہیں انکے چہرے خوبصورت ہیں۔ اور مصری دیبیوں کے سے تاج ان کے سروں پر ہیں۔ شاخوں پر شکرے اور گدھ بیٹھے ہیں۔ اور پتّوں کے جھرمٹ سے قرصِ ماہ تاب نظر آتا ہے۔ اور سب سے علیحدہ ایک حوض کے کنارے کرۂ افلاک سامنے رکھے بنکیاس گردشِ کواکب پر غور کرتا ہے۔

اتنا ہی خواب دیکھا تھا کہ معلوم ہوا کوئی عورت مُنہ پر نقاب ڈالے ہاتھ میں پھولوں کی ایک شاخ لئے قریب آئی ہے اور کہتی ہے:۔

"دیکھو۔ بعض لوگ حسنِ لازوال تلاش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس حیاتِ چند روزہ میں کسی طرح ہمیشگی پیدا کرلیں۔ بہت لوگ ایسے ہیں جو اس زندگی میں کسی بات کی زیادہ پروا نہیں کرتے۔ ان کی فطرتِ نیک جو راہ بتاتی ہے اسی پر چلتے ہیں۔ خوش رہتے ہیں اور حسین ہو جاتے ہیں۔ ان کا زندہ رہنا ہی اس امر کی شہادت ہے کہ وہ خالقِ دوجہان کی صنعتِ بے مثال پر اس کی شان و بزرگی کے ہر وقت مداح ہیں کیونکہ انسان درحقیقت اپنے پروردگار کی حمد وثنا کی ایک زندہ نظم ہے۔ یہ لوگ مسرت کو گناہ اور خوش رہنے کو جرم نہیں جانتے۔ پفنوتوس غور کرو اگر آخیر میں یہ لوگ صحیح نکلے تو تم کیسے نادان اور بیوقوف ثابت ہوگے۔" یہاں یہ خواب ختم ہوگیا۔

حقیقت یہ ہے کہ پفنوتوس پر اس کی روح اور جسم نے مسلسل آزمائشوں سے بڑے ظلم برپا کر رکھے تھے۔ کسی دم اسے چین نصیب نہ تھا۔ جس مقبرے میں اب آکر رہا تھا وہاں خبیث روحوں کا گزر اس کثرت سے ہوگیا کہ ایک بڑے شہر کے آباد سے آباد رہگزر پر بھی چلنے والوں کا اتنا ہجوم نہ ہوتا ہوگا۔ بھوت پریت ہر وقت اس پر قہقہے لگاتے۔ ہزارہا حشرات الارض زمین پر انسان کی طرح کاروبار کرتے ہوئے دکھائی دیتے۔ شام کو جب چشمے پر جاتا تو شیطان کی ذرّیات اس کے گرد حلقہ باندھ کر ناچنے لگتیں اور اس کو کھینچ کر اپنے رقص میں شامل کرنا چاہتیں۔ خبیث روحوں کو اب اس راہب کا مطلق خوف نہ رہا تھا۔ نامعقول حرکتیں کرکے اس سے مذاق کرتی تھیں اور کبھی کبھی دو چار دھپ بھی لگا دیتی تھیں۔ ایک دن ایک ہاتھ بھر کا عفریت آیا اور رسّی کا ایک ٹکڑا جس کو پفنوتوس اپنی کمر سے باندھا کرتا تھا چرا کر لے گیا۔ پفنوتوس دل میں کہنے لگا۔

"اے خیال اور واہمہ کی صورتو تم مجھے کہاں تک پہنچاؤ گی"۔

جب پریشان خیالی سے بری نوبت ہوئی تو ارادہ کیا کہ اب ہاتھوں سے کچھ کام لینا چاہیے تاکہ جس راحت کی ضرورت ہے وہ میسر ہو۔ چشمے کے قریب کھجوروں کے نیچے کیلوں کے درخت تھے۔ ان کے تنے کاٹ کر مقبرے میں لے آیا اور پتھر سے کوٹ کر ان

کے ریشے اس طرح نکالنے شروع کئے جیسے رسیاں بٹنے والے نکالا کرتے ہیں۔ ارادہ کیا کہ کمر سے باندھنے کا رسّی کا ٹکڑا جیسا چوری گیا ہے ویسا ہی ایک اور بنائے۔ جب اس شغل میں مصروف ہوا تو شیطان کی ذرّیات کا زور کم ہو گیا اور وہ بین والی عورت بھی جو زندہ ہو کر روز نیچے چلی آیا کرتی تھی نقشِ دیوار بنی بیٹھی رہی۔ لیفنوتوس جس وقت ریشے نکالنے میں مصروف ہوتا تو اس کو اپنی ہمت میں مضبوطی اور اعمال میں استواری محسوس ہوتی۔ اسی حالت میں ایک دن کہنے لگا:۔

"خدا سے اُمید ہے کہ اب میں جسم پر بھی غالب آؤنگا۔ روح کو تو نجات کی اُمید پہلے ہی ہو چکی ہے۔ یہ شیاطین خواہ کتنے ہی شکوک خدا کی فطرت کے متعلق میرے دل میں پیدا کرنے چاہیں مگر مجھ پر مطلق اثر نہ ہوگا۔ اور میں یوحنّا رسول کے الفاظ میں ان کو جواب دونگا۔ "ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا تھا"۔ اس پر میرا ایمان مضبوط ہے۔ اگر یہ الفاظ مُہمل بھی ہوں تو بھی مجھے ان کا یقین ہے اس سے زیادہ کوئی مُعترض یہ ہی کہہ سکتا ہے کہ "بے شک وہ بے معنی ہیں اور اسی وجہ سے تم ان پر ایمان رکھتے ہو لیکن ان کے بے معنی ہونے کا علم تم کو حاصل کر لینا چاہیئے تھا"۔ میں اس اعتراض کا یہ جواب دونگا کہ "علم سے حیاتِ جاوید نہیں ملتی صرف ایمان ہی وہ چیز ہے جس سے نجاتِ اخروی حاصل ہوتی ہے"۔

ریشوں کو کبھی دھوپ میں اور کبھی اوس میں رکھتا۔ اور صبح ہونے سے پہلے ان کو مقبرے میں لے آتا کہ زیادہ نمی سے تر نہ جائیں۔ اس کام میں مصروفیت کا یہ اثر ہوا کہ طبیعت میں ایک طرح کا سکون اور آسودگی پیدا ہو چلی۔ جب کمر سے باندھنے کی رسّی تیار کر لی تو پھر درختوں کی ٹہنیاں جمع کر کے ان کی ٹوکریاں اور بورے بنانے لگا اور چند روز میں یہ پُرانا مقبرہ ایک بوریہ باف کی دکان معلوم ہونے لگا۔ اب لیفنوتوس کام چھوڑ کر آسانی سے عبادت میں مصروف ہو جاتا۔ لیکن خدا اس پر مہربان نہ تھا۔ کیونکہ ایک رات ایک آواز اس نے سُنی جس کو سُنتے ہی وہ سرد ہو گیا۔ اور سمجھ گیا کہ یہ آواز اُسی مُردے کی ہے جس کا یہ مقبرہ ہے۔

یہ آواز اس قسم کی تھی جیسے کوئی دبی زبان سے کسی کو جلدی بلاتا ہو۔
"ہیلن۔ ہیلن۔ جلدی آ۔ میرے ساتھ نہانے چل۔ دیر نہ کر۔"
فوراً ایک عورت نے جس کا منہ لیفنوتوس کو اپنے کان کے بالکل قریب معلوم ہوا جواب دیا۔
"میں اٹھ نہیں سکتی۔ ایک آدمی نے مجھے اپنے قابو میں کر رکھا ہے۔"
اب لیفنوتوس کو معلوم ہوا کہ اس کا سر ایک عورت کے سینے پر رکھا ہے۔ اور عورت وہی دیوار والی بین کار ہے۔ اس عورت نے لیفنوتوس کا سر ہٹا کر اٹھنا چاہا۔ مگر لیفنوتوس اس نازنین کو جس کا جسم ایک معطر پھول معلوم ہوتا تھا لپٹ گیا اور ہوا رنفس سے بے تاب ہو کر کہنے لگا۔
"خدا کے لئے نہ ہٹ"۔ لیکن وہ عورت کود کر دروازے پر پہنچی اور وہاں کھڑی ہو کر ہنسنے لگی۔ اس کے ہنستے ہوئے چہرے پر چاند کی روشنی پڑتی تھی۔ اور اسی حالت میں کہتی تھی کہ "ہٹوں گی نہیں تو کیا کروں گی۔ جس قدر شوق اور ولولہ تم میں ہے۔ وہی اس مردے میں ہے۔ جسے آپ ایک عکس بے بود کا عکس فرما چکے ہیں۔ اس کے علاوہ جو گناہ آپ سے ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے"
لیفنوتوس رات بھر روتا رہا۔ اور صبح ہوتے ہی اس نے ایسے عجز سے دعا مانگی جو شکوے سے بھی زیادہ شیریں تھی۔
"یسوع۔ میرے یسوع۔ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ میرے خطرہ کو دیکھتا ہے۔ بس اسے رحم اور کرم والے میری مدد کو آ۔ تیرے باپ کا فضل و کرم اب مجھ پر نہیں رہا۔ میری فریاد اب وہ نہیں سنتا۔ اس لئے سوائے تیرے اب میرا کوئی نہیں۔ خدا کو میرے حق میں کوئی بات منظور ہو اب یہ ممکن نہیں۔ نہ خدا کی یہ بے اعتنائی میری سمجھ میں آتی ہے اور نہ خدا کو میرے حال پر رحم آتا ہے۔ لیکن اے یسوع تو عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہے اس لئے تیری ذات سے مجھے بہت کچھ امید ہے یاد رکھ کہ تو انسان ہے۔ میری التجا تجھ سے اس بنا پر نہیں ہے کہ تو "خدا کا خدا

نور کا نور۔ اصلی خدا کا اصلی خدا ہے" بلکہ اس بنا پر ہے کہ تو اس دُنیا میں جہاں مجھ پر تکلیفیں گزر رہی ہیں مفلس اور کمزور انسان کی شکل میں زندہ رہ چکا ہے شیطان نے تیرے جسم کو آزمائشوں میں ڈالا تھا۔ اور موت کی کرب میں تیری پیشانی کا پسینہ برف ہو گیا تھا۔ یہ تیری انسانی خصوصیت ہے جس سے میں فریاد کرتا ہوں اے میرے یسوع۔ اے میرے بھائی یسوع"

یہ دُعا ختم ہی ہوئی تھی کہ ایک زور کا قہقہہ سُنائی دیا اور ہنسنے کی یہ آواز وہی تھی جو پہلے ایک مرتبہ ستون کی چوٹی سے سُنی تھی۔ اب یہ آواز نہایت حقارت سے کہتی تھی:۔

"واہ واہ۔ یہ دُعا تو ایسی تھی جو مرقوس بدعتی کو مانگنی زیبا تھی۔ اچھا اب معلوم ہوا کہ لیفنونوس بھی ایریوسی ہے۔ لیفنونوس ایریوسی"

یہ سخت توہین کا کلمہ سُنتے ہی راہب بالکل بے جان ہو کر زمین پر اس طرح گرا جیسے بجلی نے مارا ہو............

جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ بہت سے راہب سیاہ لباس پہنے اس پر جھکے ہوئے مُنہ پر پانی کے چھینٹے دیتے ہیں اور دعائیں پڑھ کر اس پر دم کرتے ہیں سب کے ہاتھوں میں کھجور کے لمبے لمبے پتے ہیں۔

ان میں سے ایک نے کہا کہ "جب ہم اس ویرانے سے گزرے تو اس مقبرے سے رونے کی آواز آئی۔ جب ہم اندر گئے تو دیکھا کہ آپ پتھروں پر بے ہوش پڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر ہم کو مطلق شُبہ نہ رہا کہ یہ کام شیطان کا ہے۔ اس نے آپ کو زمین پر پٹک دیا ہے اور جب ہم اندر آئے تو وہ بھاگ گیا"

لیفنونوس نے سر اُٹھا کر بہت نحیف آواز سے پوچھا۔

"بھائیو تم کون ہو۔ یہ کھجور کی شاخیں تمہارے ہاتھ میں کیسی ہیں۔ کیا مجھے دفن کرنے آئے ہو"

راہبوں نے جواب دیا:۔

"برادر۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہمارے قسیس محترم انطونی کو جس کا سن اب ۱۰۵ برس کا ہو گیا ہے بشارت ہوئی ہے کہ خدا سے اس کا وصال اب قریب ہے اس لئے وہ کلزین کے پہاڑ سے جہاں اس نے گوشہ نشینی اختیار کی تھی اُتر کر آنیوالا ہے۔ تاکہ اپنی روحانی اولاد کو جس کی تعداد لاکھوں سے بھی زیادہ ہے برکت دے۔ چونکہ اس روحانی باپ کا یہ دیدار ہمارے لئے آخری ہے اس لئے کھجور کے پتے ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ لیکن اے راہب بزرگ یہ کیا بات ہے کہ اتنے بڑے واقعے کی آپ کو مطلق خبر نہیں۔ کیا کوئی فرشتہ اس مقبرے میں آپکو اطلاع دینے نہیں آیا؟"

پفنوتوس نے جواب دیا۔ "افسوس صد افسوس۔ میں اب اتنے لطف و کرم کے لائق نہیں رہا۔ اس مقبرے میں کوئی فرشتہ کیوں آنے لگا۔ یہاں تو سوائے شیطان اور منحوس چمگادڑوں کے اور کوئی نہیں بستا۔ بھائیو۔ میرے حق میں دعائے خیر کرو۔ میں انصینو کا قسیس پفنوتوس ہوں۔ اور بندگان خدا میں سب سے زیادہ مظلوم ہوں۔"

پفنوتوس کا نام سنتے ہی سب نے کھجور کی شاخیں جو ہاتھوں میں لئے تھے بلند کیں اور دبے لہجے میں تعریفیں کرنے لگے۔ اور جس راہب نے اب تک باتیں کی تھیں وہی کہنے لگا:۔

"کیا آپ وہی پفنوتوس ہیں جن کے نیک کام دنیا میں مشہور ہیں۔ اور جن کی نسبت لوگوں کا خیال ہے کہ وہ عظمت و بزرگی میں ہمارے ہادی محترم انطونی کے ہم پلہ ہونے والے ہیں۔ اے راہب نیک نہاد۔ کیا آپ ہی وہ فرشتہ خصال ہیں جنہوں نے اسکندریہ کی ایک مشہور طوائف کو ضلالت کی تاریکی سے نکالا تھا۔ اور اسکے بعد جب ایک بلند ستون کو اپنی فقیری کا تکیہ بنایا تو ایک رات فرشتے آپ کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے۔ اور جو لوگ اس ستون کے نیچے پاسبانی کرتے تھے انھوں نے یہ حالات بچشم خود دیکھے تھے۔ سپید بادلوں کی طرح فرشتوں کے پروں کا سایہ آپ پر تھا۔ اور اپنے دست راست سے آپ غریبوں اور مسکینوں کو برکت دیتے تھے۔ اور دوسرے دن جب آپ ستون پر نظر نہ آئے تو ہر طرف ایک کہرام مچ گیا۔ مگر آپ کے مرید خاص فلے ویان نے لوگوں

فوراً آگاہ کیا کہ آپ کو فرشتے اُٹھا کر لے گئے ہیں اور آپ کے مریدوں کی نگرانی اب اسی فلے وبان کے سپرد ہے۔ لیکن آپ کے ارادتمندوں میں ایک شخص نے جو بے عقل و مجذوب سا معلوم ہوتا ہے اور جس کا نام پال ہے فلے وبان کے بیان سے اختلاف کیا اور کہا کہ فرشتے نہیں بلکہ شیطان آپ کو ستون کی چوٹی پر سے اُٹھا لے گیا ہے۔ یہ سُن کر لوگ اس قدر برہم ہوئے کہ پال کو سنگسار کرنے کا قصد کیا اور مجھے اب تک تعجب ہے کہ اس کی جان کیونکر بچ گئی۔ یہ میرے ساتھی جو اس وقت آپ کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہیں ان کا میں قسیس ہوں اور میرا نام زوسیموس ہے۔ ان ہی کی طرح میں بھی آپکو تعظیم دیتا ہوں تاکہ آپ میرے اور میرے ہمراہیوں کے حق میں دعا کریں۔ اور اس کے بعد وہ کرامتیں بیان ہوں جو خدا نے اپنی مخلوق پر آپکے ذریعہ سے فرمائی ہیں۔"

پفنوتوس نے جواب دیا کہ "آپ اس خیال میں ہیں کہ خدا مجھ پر مہربان ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ خدا تو مجھ میں نفس کی نہایت سخت تحریکیں پیدا کر کے میری آزمائش کر رہا ہے۔ مجھے فرشتے اُٹھا کر نہیں لے گئے تھے میں اپنے قدموں اُتر کر وہاں سے بھاگا تھا۔ اور ایک سیاہ دیوار تھی جو میری آنکھوں کے سامنے میرے آگے آگے چل رہی تھی۔ ایک خواب کی سی کیفیت مجھ پر طاری تھی۔ سچ یہ ہے کہ جب خدا پاس نہ رہا ہو تو پھر یہ زندگی ایک خواب مہیب و پریشان سے بھی بدتر ہے۔ جس زمانے میں میں اسکندریہ میں تھا تو وہاں ایک ضیافت میں شریک ہونیکا اتفاق ہوا۔ اور وہاں تھوڑے سے وقت میں بہت سے لوگوں کی تقریریں سُننے میں آئیں۔ اس وقت معلوم ہوا کہ خیالاتِ باطل اور اوہام کا ایک لشکرِ جرار دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک پھیلا پڑا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی اس لشکر نے پوری قوت سے مجھ پر حملہ کیا اور ایسا حملہ کیا کہ اب تک وہ اپنی تلواریں علم کئے سر پر کھڑا ہے۔"

زوسیموس نے عرض کیا کہ "اے قسیس محترم۔ آپ کو علم ہوگا کہ خدا کے اولیاء شدید آزمائشوں میں مبتلا ہو کر تکلیفیں اُٹھایا کرتے ہیں۔ یہ عقوبتیں انکو ہر حال میں اٹھانی پڑتی ہیں۔ ممکن ہے کہ جسمانی طور پر آپ کو فرشتے آسمان پر نہ لے گئے ہوں،

مگر خدا نے عرش نشینی کی عزت آپ کی روح کے لئے مخصوص فرمائی ہو۔ کیونکہ آسمان کی طرف آپ کے اُٹھنے کے عینی شاہد فلے دیان ہی نہیں بلکہ تمام راہب اور عامی اب تک موجود ہیں۔"

پفنوتوس نے اب مصمم ارادہ کرلیا کہ ان راہبوں کے ساتھ ہو کر وہ خود بھی انطونی کے دیدار سے مشرف ہو کر اس سے برکت حاصل کرے۔ چنانچہ وہ کہنے لگا۔

"برادر زوسیموس۔ مجھے بھی کھجور کی شاخ دیجئے کہ آپ کے ساتھ چل کر میں بھی انطونی کے آخری شرف دیدار حاصل کرلوں۔"

زوسیموس بولا "نہایت مناسب ہے۔ یہ آپ کو معلوم ہے کہ راہب خدا کی ایک فوج ہیں اور فوج ہی کی سی ترتیب میں نقل و حرکت کرنی ان کے لئے ضروری ہے۔ میں اور آپ دونوں قسیس کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسلئے ہم دونوں آگے آگے رہیں اور باقی راہب خدا کی تعریفیں گاتے پیچھے پیچھے چلیں۔"

غرض فوجی ترتیب سے راہبوں کا کوچ شروع ہوا۔ پفنوتوس نے زوسیموس سے کہا۔

"خدا ایک ہے۔ کیونکہ وہ حق ہے اور حق واحد ہوتا ہے۔ دُنیا میں تنوع ہے اس لئے وہ خطا پر ہے۔ پس مناظر فطرت سے خواہ وہ کیسے ہی معصوم نظر آتے ہوں انسان کو اپنا مُنہ پھیر لینا چاہیئے۔ انکی نیرنگی جو دلوں کو مسرور کرتی ہے ان کے زبون ہونے کا ثبوت ہے۔ شجر بردی کی حسین شاخیں جو شفاف پانی کی تہ میں صاف نظر آتی ہیں میں ان کو نہیں دیکھتا۔ اگر دیکھ لیتا ہوں تو طبیعت پر ایک افسردگی چھا جاتی ہے۔ انسان اپنے حواس سے جس قدر علم اشیا کا حاصل کرتا ہے اس سے نفرت رکھنی چاہیئے۔ بربت کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ روح کے حق میں خطرہ ہو سکتا ہے۔ دُنیا کی ہر چیز ہوا و ہوس کی تحریک کرتی ہے۔ بالخصوص عورت جس میں گناہوں کی وہ تمام ترغیبیں جمع ہو گئی ہیں جو نسیم کے جھونکوں۔ گلزار کے پھولوں اور آب صفا کے چشموں میں سازی ہیں۔ خوش ہیں وہ جن کی روح ایک سربمہر خزانہ ہے خوش ہیں وہ جو اپنی زبان کو گونگا آنکھوں کو اندھا، اور کانوں کو بہرا کرلینا جانتے ہیں اور

جو خدا کو سمجھنے کی دُھن میں کسی بات کو نہیں سمجھتے"۔

زوسیموس نے اس تقریر کو سُن کر کچھ دیر غور کرنے کے بعد کہا۔

"یا ابی۔ جب آپ نے اپنے قلب کی کیفیت بیان کی ہے تو ضرور ہوا کہ میں بھی اپنے گناہوں کا حال عرض کروں۔ اور دینی طریقہ پر اظہار عصیاں کا باہمی تبادلہ ہو جائے۔ رہبانیت اختیار کرنے سے پہلے میں شدت سے بدکار تھا۔ مادراکے شہر میں رہتا تھا۔ جہاں کی فاحشہ عورتیں دُنیا میں مشہور تھیں۔ کوئی بُرا فعل ایسا نہ تھا جو میں نے نہ کیا ہو۔ کوئی رات ایسی نہ تھی جس میں نوجوان عیاشوں اور ناچنے اور بانسری بجانے والی عورتوں کے جلسوں میں شریک نہ ہوا ہوں۔ اور جس عورت کو پسند کیا ہو اس کو اپنے گھر نہ لے آیا ہوں۔ آپ ایک مرد خدا رسیدہ ہیں۔ آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ بدمستی اور سیہ کاری کا جنون میرے سر پر کیسا سوار رہتا تھا۔ شاید ہی کوئی کواری یا بیاہی مجھ سے بچی ہو۔ غرض معصیت اور حرامکاری میں کوئی میرا ہمسر نہ تھا۔ ہوس بڑھانے کے لئے شراب کثرت سے پینے لگا۔ یہاں تک کہ سارے شہر میں میرے برابر کوئی شرابی نہ تھا۔ لیکن بہر کیف میں عیسائی تھا اور باوجود اس تمام فسق و فجور کے مسیح مصلوب پر میرا ایمان ہمیشہ پختہ رہا۔ عیاشی میں گھر کی دولت جب برباد ہولی تو اب مفلسی نے آنکھیں دکھائیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ دیکھنا پڑا کہ میرے دوستوں میں ایک شخص جو بہت ہی تنومند و تندرست تھا عیاشی کرتے کرتے ایک سخت مرض میں ایسا مُبتلا ہوا کہ اس کے قواء نہایت جلد بیکار ہونے لگے۔ گھٹنوں سے کھڑا نہ ہوا جاتا تھا۔ ہاتھوں میں اس قدر رعشہ تھا کہ کوئی چیز پکڑ نہ سکتا تھا۔ آنکھیں بے نور ہوتے ہوتے بالکل اندھی ہو گئیں۔ گلے سے ایک کریہ آواز کے سوا اور کچھ نہ نکلتا۔ بدن کے ساتھ دماغ بھی بے حس و بیکار ہو گیا۔ خدا نے اس جُرم کی سزا میں کہ انسان پیدا کیا تھا اور حیوان بن کر جیا اس کو آدمی سے جانور بنا دیا۔ مال و دولت کی بربادی دیکھ کر خیالات کچھ اصلاح پر آئے لیکن دولت و مال کے زوال سے بڑھ کر پُر درد مثال اس دوست کی تھی جس نے دل پر ایسا اثر کیا کہ ایک دن دُنیا چھوڑ کر صحرا میں چلا آیا۔

اب بیس برس سے میرے قلب کو بالکل سکون اور اطمینان حاصل ہے۔ کوئی چیز اس میں مخل نہیں۔ میرے تخت پہ جس قدر راہب آپ ملاحظہ کرتے ہیں ان میں کوئی جلاہے کا پیشہ کرتا ہے کوئی معمار اور بڑھئی کا کام کرکے روزی پیدا کرتا ہے میں بھی ان ہی کاموں میں سے کوئی کام اختیار کرلیتا ہوں۔ لکھنا پڑھنا جانتا ہوں۔ کتابت بھی بہت کی ہے۔ لیکن دماغی کام کی نسبت ہاتھ سے کام کرنا میں زیادہ پسند کرتا ہوں۔ میرے دن بہت خوش گزرتے ہیں۔ اور رات کو نیند ایسی گہری آتی ہے کہ خواب تک نظر نہیں آتا۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ خدا کا فضل و کرم ہمیشہ میرے حال پر رہا ہے کیونکہ سخت سے سخت گناہوں کی حالت میں بھی کبھی اُمید کا دامن میرے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔"

یہ تقریر سُن کر لفنوتوس نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور کہنے لگا۔

"خدایا۔ اس انسان نے کیسے کیسے گناہ کئے۔ زنا کیا۔ شراب پی۔ دین کی بے ادبیاں کیں مگر تو نے اس پہ نگاہِ مہر رکھی۔ میں نے ہمیشہ تیرے حکموں کو مانا۔ ان کو بجا لایا۔ مگر مجھ سے تو نے مُنہ موڑ لیا۔ اے میرے خدا۔ یہ انصاف تو سمجھ میں نہیں آتا مگر تیرے کاموں کو کون سمجھ سکتا ہے۔"

اتنے میں زوسیموس نے ہاتھ کا اشارہ کرکے کہا۔

"لفنوتوس۔ دیکھیئے۔ وہ اُفق کے کنارے کنارے دور تک ایک باریک سیاہ خط سا نظر آنا شروع ہوا ہے جیسے چیونٹیاں قطار باندھے نکلی ہوں۔ یہ سب ہمارے بھائی راہب ہیں جو ہماری طرح انطونی کے دیدار کو آرہے ہیں۔"

جب زوسیموس اور لفنوتوس چلتے چلتے اس مقام پہ پہنچے جہاں صحرا کے تمام رہبان زہاد و عباد انطونی سے رُخصت ہونے کیلئے جمع ہو رہے تھے تو ایک عجیب کیفیت ان کو نظر آئی۔ دیکھا کہ راہبوں کی بے شمار فوج تین صفوں میں آراستہ ہے۔ اور یہ صفیں ایک وسیع نصف دائرہ کی شکل رکھتی ہیں۔ سب سے آگے کی صف میں نہایت سن رسیدہ مسیحی درویش ہیں۔ ان میں ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک صلیب ہے [illegible] ڈاڑھیاں لٹک کر زمین تک پہنچی ہیں۔ رہبان جن کے افسر افرئم اور

اسرافیون تھے اور دریائے نیل کے مشہور عابدوں اور زاہدوں کے گروہ دوسری صف میں تھے۔ آخری صف میں وہ تارک الدنیا عیسائی تھے جو یہاں سے بہت دُور کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ ان میں کوئی اپنے لاغر جسم پر کپڑوں کی جگہ محض چیتھڑے لگائے تھا کسی نے ستر پوشی کے لئے صرف درختوں کے پتّے چھال کے ریشوں سے باندھ رکھے تھے۔ بہت سے بالکل برہنہ تھے۔ مگر خدا کے حکم سے ان کے بدن پر اس قدر بال پیدا ہو گئے تھے جیسے بھیڑ کے جسم پر اُون ہوتی ہے۔ ان سب کے ہاتھوں میں کھجور کی شاخیں تھیں اور اس وقت ان راہبوں کو دیکھ کر یا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ آسمان پر سبز دھنک نکلی ہے یا اس سے تشبیہ دی جا سکتی تھی کہ وہ ایک مقبول و منتخب طائفہ خدا کی تعریفیں گانے والوں کا ہے یا یہ کہ ان کی صفیں خدا کے شہر یروشلم کی زندہ دیواریں اور فصیلیں ہیں۔

اس مجمعے کی ترتیب ایسی مکمل تھی کہ پفنوتوس کو اپنے مُریدوں کو تلاش کرنے میں کچھ دقّت نہیں ہوئی۔ سب کے سب ایک ہی جگہ نظر آ گئے۔ اور یہ ان کے قریب جا کھڑا ہوا۔ لیکن اپنا چہرہ چادر سے ڈھانک لیا کہ کوئی پہچانے نہیں اور انطونی کے انتظار میں جو نیازمندانہ کیفیت اس وقت اس پر طاری ہے اس میں کسی طرح کا خلل نہ پڑے۔ اتنے میں دفعتاً سب کے مُنہ سے ایک نعرہ بلند ہوا :۔

”ولی۔ ولی۔ وہ ہے ہمارا ولی۔ ہمارا باپ انطونی جس پر شیطان کبھی غالب نہ آ سکا۔ انطونی خُدا کا بہت پیارا ہے“

اس کے بعد ہر طرف خاموشی تھی اور کوئی پیشانی نہ تھی جو زمین پر نہ ٹکی ہو۔

صحرائے لق و دق میں ایک پہاڑ کی چوٹی سے انطونی نیچے اُترتا نظر آیا۔ اسکے مشہور تلامذہ مکاروس اور اماشوس دونوں اُستاد کے ایک ایک ہاتھ کو سہارا دئے ہوئے تھے۔ چال بہت آہستہ تھی۔ مگر قد خم نہ تھا۔ صورت سے اب بھی کسی زمانہ میں غیر معمولی طاقت رکھنے کے آثار ظاہر تھے۔ سپید بگلا سی ڈاڑھی تمام سینہ پر بکھری تھی۔ پیشانی اور سر آفتاب کی طرح چمک رہا تھا۔ نظر میں تیزی عُقاب کی سی تھی۔ اور [illegible]

پر معصوم بچّوں کی سی مُسکراہٹ۔ انطونی شاگردوں کے سہارے تن کر کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے جو برسوں کی ریاضت وجفاکشی سے اب لاغر وناتواں ہو گئے تھے اور پھر زبان سے خلوص ومحبّت کے یہ جملے ادا کئے:۔

"یعقوب کیسے خوبصورت ہیں تیرے شامیانے اور اسرائیل کیسے دلکش ہیں تیرے خیمے!"

ان جملوں کو سُنتے ہی تمام مجمع نے ایک مُناجات بڑے موثر لہجے میں گانی شروع کی:۔

"شاداں فقط وہی ہیں جو ڈرتے خدا سے ہیں"

نغمے کی یہ مجموعی صدا بادل کی گرج کی طرح ایک سرے سے دوسرے سرے تک کڑکتی اور گونجتی چلی گئی۔

دونوں شاگردوں کا سہارا لئے انطونی پہلے صحرا کے پیرانہ سال درویشوں میں سے اور پھر عابدوں اور زاہدوں کی صفوں میں سے گزرا قسیس اعظم انطونی وہ مردِ باخدا تھا جس نے دوزخ اور جنّت دونوں کی کیفیتیں اسی دُنیا میں دیکھ لی تھیں۔ یہ وہ فقیر تھا جس نے پہاڑ کی چوٹی سے مسیحی کلیسا پر بادشاہی کی تھی۔ یہ وہ خدا کا منتخب ولی تھا جس نے سخت آزمائشوں کے زمانہ میں ان لوگوں کے دلوں کو قوی رکھا تھا جنہوں نے آخر کار مسیحی دین کی شہادت میں اپنی جانیں قُربان کر دیں۔ یہ وہ دانشمند تھا جسکی آتش بیانی نے اہلِ بدعت کے دھوئیں اُڑا دیئے۔ اس وقت وہ نہایت محبت اور دلی خلوص سے اپنے ہر مُرید سے دو دو باتیں کر کے ہمیشہ کیلئے رخصت چاہتا تھا کیونکہ اس کی مُبارک موت جسکا خدا نے آخر کار وعدہ فرمالیا تھا عنقریب پیش آنے والی تھی۔

افریم اور اسرافیون سے اس نے کہا:۔

"تمہارے زیر فرمان مسیحی راہبوں کی بے شمار فوجیں ہیں۔ تم خدا کے اس لشکر کی رٹے ... اور ... آسمان پر پہنچ کر سونے کی زرہ تم زیب تن کر سکے اور ملائکہ

میکائیل تم کو اپنے لشکر کی سالاری کا منصب دیگا۔"

بڈھے راہب بلموں کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا اور اُسکی پیشانی کا بوسہ لے کر کہا:۔

"دیکھو میرے بچوں میں سب سے زیادہ اچھا اور پیارا بچہ یہ ہے۔ اس کی روح میں ایک تازگی ہے اور اس میں سے اُن ہری ہری ترکاریوں اور پھولوں کی خوشبو آتی ہے جو وہ اپنی پیاری کیاری میں بویا کرتا ہے۔"

زوسیموس سے اُس نے کہا:۔

"تم کبھی خدا کی رحمت سے نا اُمید نہیں ہوئے اس لئے خدا نے تم پر ہمیشہ اپنا فضل و کرم رکھا۔ اور تمہارے گناہوں کی کوڑی پر تمہاری نیکیوں کا درخت لگا دیا جس میں اب پھول کھل رہے ہیں۔"

ہر شخص سے جو مختصر سا جملہ کہہ دیتا تھا وہ عقل و دانش کا ایک دُرِ بے بہا ہوتا تھا۔

بڈھے درویشوں سے کہا:۔

"اور پھر خدا کے نبی نے دیکھا کہ خدا کے تخت کے گرد چوبیس بڈھے بیٹھے ہیں جن کے پیرہن سپید ہیں۔ اور اُنکے سروں پر تاج رکھے ہیں۔"

جوانوں سے کہا:۔

"خوش رہو۔ رنج و یاس ان کیلئے چھوڑ دو جو دُنیا پر ناز کرتے ہیں۔"

اسی طرح پند و نصیحت کے موتی بکھیرتا وہ اپنی روحانی اولاد کی صفوں میں سے گذرنے لگا۔ پفنوتوس نے جب اس کو اپنے قریب آتے دیکھا۔ تو زمین پر گھٹنے ٹیک دئے اُس وقت اس کا دل خوف اور اُمید سے عجیب اضطراب میں تھا۔ جب انطونی بالکل ہی قریب آگیا۔ تو پفنوتوس بڑی عاجزی سے کہنے لگا۔ "یا ابی۔ میری مدد کیجئے۔ میں ہلاک ہوا جاتا ہوں۔ تائیس کو گمراہی سے نکال کر خدا کی حضور میں پیش کیا۔ ستون پر فقیر بن کر بیٹھا۔ پھر مقبرے میں جا کر رہا۔ پیشانی زمین پر اتنی رگڑی کہ اس کی جلد مُردہ ہو گئی۔ لیکن خدا مجھ سے دور نہ رہا۔ اے باپ برکت دیجئے کہ میری نجات

ہو۔ زدنے کی جھاڑی کو ہلا دیجئے کہ میرے گناہ دُور ہوں، اور میں پاک ہو کر مثل برف کے چمکنے لگوں۔"

انطونی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور انصینو کے راہبوں کو ایسی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا جس کی تاب کسی کو نہ تھی۔ آخر کار اس کی نظر پال پر پڑی جو ایک بے عقل مجذوب تھا۔ دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اشارے سے اُسے اپنی طرف بُلایا۔ ہر شخص کو حیرت تھی کہ اتنا بڑا ولی ایک ایسے شخص کی طرف متوجہ ہوا ہے جو عقل کچھ نہیں رکھتا مگر انطونی نے ان لوگوں سے کہا:۔

"خدا نے اس آدمی کو وہ برکت دی ہے کہ تم میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ اے میرے فرزند پال اپنی آنکھیں اُونچی کر اور بتا کہ تو آسمان پر کیا دیکھتا ہے؟"

پال نے نظر اونچی کی۔ اس کے چہرے پر ایک روشنی پیدا ہوئی اور اس کی زبان اس طرح کھُلی:۔

"میں دیکھتا ہوں کہ عرش پر ایک سیج بچھائی گئی ہے۔ تین کنواری لڑکیاں اس کے گرد پاسبانی کرتی ہیں تاکہ ان روحوں کے سوا جو خدا نے منتخب کی ہیں کوئی روح اس سیج کے قریب نہ آئے کیونکہ ان ہی منتخب روحوں میں سے کسی کیلئے یہ سامان آراستہ کیا گیا ہے۔"

یفنوتوس اتنی بات سُن کر سمجھا کہ اسی کی بزرگی کے لئے یہ سیج آسمان پر سجائی گئی ہے۔ بہت خوش ہو کر بہ آواز بلند خدا کا شکر کرنے پر آمادہ ہوا۔ لیکن انطونی نے اشارے سے کہا "خاموش۔ پال جو کچھ کہتا ہے اس کو سُنو۔" پال نے اسی حالت جذب میں کہنا شروع کیا:۔

"تینوں کنواریاں کہتی ہیں کہ اس دُنیا سے خدا کی ایک پیاری رُوح رُخصت ہونے والی ہے۔ اسکندریہ کی تائیس مرنے کو ہے ہم نے اسکے عزّ و جلال کیلئے یہ سیج بچھائی ہے کیونکہ ہم اسکی نیکیاں ہیں۔ یعنی ایمان۔ خوف اور خلوص۔"

انطونی نے پوچھا:۔

"اے پیارے فرزند اور بھی کچھ نظر آتا ہے؟"

پال نے آسمان پر مغرب سے مشرق اور سمت الراس سے سمت القدم تک نگاہ دوڑائی۔ ناگہاں انطینو کے قسیس پر اس کی نظر ٹھہر گئی۔ پال کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور اسی حالت میں کہنے لگا۔

"میں دیکھتا ہوں کہ اس آدمی کو تین عفریت نہایت خوش ہو کر گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں ایک اونچا مینار ہے۔ دوسری عورت ہے۔ تیسرا ایک ساحر۔ ہر ایک کے جسم پر گرم سلاخوں سے اس کا نام داغ دیا گیا ہے۔ پہلے کا نام اس کی پیشانی پر۔ دوسرے کا نام اس کے شکم پر اور تیسرے کا نام اس کے سینے پر نقش ہے اور یہ نام تکبر۔ عیش اور شک ہیں۔

بس جو کچھ مجھے دیکھنا تھا وہ دیکھ چکا۔"

یہ کہہ کر پال گردن ٹیڑھی کر کے پریشان نظری کے ساتھ پھر اپنی بے عقلی کی حالت میں آ گیا۔

انطینو کے راہب نہایت سراسیمہ ہو کر انطونی کی صورت دیکھنے لگے۔ انطونی نے کہا۔

"خدا نے اپنے عدل و انصاف سے سب کو آگاہ کر دیا۔ بس اب خدا کی تعریف کرو اور کچھ منہ سے نہ نکالو۔"

اب انطونی سب کے حق میں دعا کرتا ہوا پہاڑ کی طرف واپس چلا۔ آفتاب نے افق مغرب کے قریب پہنچ کر شفق سے تمام عالم کو لالہ زار کر دیا۔ اور آسمان کے نور نے انطونی کا سایہ زمین پر ڈال کر اتنا دراز کیا کہ ریگ بیابان پر ایک سیاہ غالیچہ تاحد نظر بچھا ہوا معلوم ہوتا تھا اور یہ علامت تھی کہ جس قدر یہ سایہ دراز ہوتا جائے گا اتنے ہی زمانہ دراز تک خدا کے اس ولی کی یاد لوگوں کے دلوں میں زندہ رہے گی۔

پفنوتوس کھڑا تھا۔ مگر ششدر۔ جیسے کوئی بجلی کا کڑکا مر کے اور سن کر سہم جائے۔ اسے کچھ ہوش نہ تھا۔ نہ کچھ دیکھ سکتا تھا نہ کچھ سن سکتا تھا۔ کانوں

میں سوائے اس آواز کے کہ "تائیس مرنے کو ہے"! اور کوئی آواز نہ تھی۔ دل میں کبھی یہ خیال نہ گذرا تھا کہ تائیس مرجائے گی۔ صلیب پر مسیح مُردہ کی تصویر دیکھتے ہوئے تیس برس گزرے تھے مگر اس کا وہم و گمان بھی نہ ہوا کہ موت ایک دن تائیس کی آنکھیں بھی بند کردے گی۔

"تائیس مرنے کو ہے"۔ یہ چند الفاظ کیسے عجیب و خوفناک معنی رکھتے ہیں "تائیس مرنے کو ہے"۔ اگر ایسا ہے تو پھر یہ چاند سورج باغ اور چشمے بلکہ جو کچھ مخلوق ہوا سب بیکار و لاحاصل تھا۔ پھر ان کو پیدا کرنے سے نتیجہ ہی کیا نکلا؟ اتنا سوچکر ایک دفعہ ہی جست لگائی اور زور سے بھاگنا شروع کیا۔ کچھ خبر نہ تھی کہ کدھر جانا ہے اور کس حال میں ہے لیکن عقلِ حیوانی دلیلِ راہ بن گئی۔ اور وہ سیدھا دوڑتا ہوا دریائے نیل کے کنارے پہنچا۔ یہاں بادبانی کشتیاں بکثرت موجود تھیں۔ نوبیہ والوں کی ایک کشتی میں بیٹھ گیا۔ کشتی بہاؤ پر تیز چلنے لگی۔ لیفنوتوس کی نظر فاصلے کو تکتی تھی کہ کب اور کیونکر ختم ہو۔ روتا تھا اور کہتا تھا:-

"میں احمق تھا۔ بیوقوف تھا۔ موقع ملا تھا کہ تائیس کو اپنا کرلیتا۔ مگر بات کو نہ پہنچا۔ نادان تھا جو سمجھا کہ دُنیا میں تائیس کے سوا بھی کوئی چیز لائق تمنّا ہے۔ دیوانہ تھا۔ مجنوں تھا۔ جو خُدا کے خیال میں رہا۔ روح کو محفوظ رکھنے اور آسمانی زندگی حاصل کرنے کی جستجو کی۔ گویا تائیس کو دیکھنے کے بعد بھی ان چیزوں کی کوئی قدر و قیمت تھی۔ کیوں میری سمجھ میں نہ آیا کہ مسرتِ جاوید تائیس کے بوسوں کے سوا کہیں میسّر نہیں۔ بغیر اس کے زندگی کوئی چیز نہ تھی۔ اگر تھی بھی تو ایک بھیانک خواب۔ ارے احمق۔ اس جہان میں تائیس جیسی نعمت کو دیکھنے کے بعد بھی تو نے دوسرے جہان میں نعمتیں حاصل کرنے کی آرزو کی۔ ارے بزدل تائیس سے مل کر بھی خدا سے ڈرا۔ خدا۔ آسمان۔ یہ کیا ہیں۔ ان کے پاس رکھا کیا تھا جو تجھے کچھ دیں۔ اگر کچھ دیتے بھی تو تائیس کی داد و دہش کا وہ عشرِ عشیر بھی نہ ہوتا۔ ارے دیوانے۔ مخبوط الحواس۔ وہ کونسی آسمانی خیر و برکت تھی جو تائیس کے لبوں کے سوا کہیں اور

تلاش کی جاتی۔ اُس دن کس نے تیری آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ بُرا ہو اس کا جس نے اُس وقت تجھے اندھا بنایا۔ تائیس کا وصل۔ ارے کمبخت۔ ساری دوزخ کے عذاب کو قیمت میں لگا دیتا اور اس لذت کو ایک آنِ واحد کیلئے مول لے لیتا لیکن تجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔ تائیس ہاتھ پھیلائے تیری طرف بڑھی۔ وہ گورے گورے ہاتھ، وہ بھرے بھرے بازو جن میں پھولوں کی خوشبو آتی تھی۔ مگر تجھے جنبش نہ ہوئی۔ جس سینے پر بند قبا کھلے ہوئے تھے اسی پر اپنی ہستی کیوں نہ مٹا دی۔ ارے کج فہم۔ رشک رقیب کے حکم پر کہ "پرہیز کر" عمل کرتا رہا اور دھوکا کھایا۔ ہائے افسوس۔ ہائے پشیمانی۔ ہائے ناامیدی۔ ایک ساعت کے لئے بھی وہ عیش حاصل نہ کیا جیسے دوزخ میں تا ابد یاد کیا کرتا۔ "تائیس مرنے کو ہے" خدایا۔ کاش تجھے معلوم ہوتا کہ اب تیری دوزخ پر مجھے کیسی ہنسی آتی ہے۔ ہائے "تائیس مرنے کو ہے" اب مجھ سے کبھی نہ ملے گی۔ ہائے ہائے۔ کبھی وہ صورت پھر دیکھنی نصیب نہ ہوگی"

کشتی بہاؤ پر بڑی تیزی سے جا رہی تھی۔ اور پفنوتس دن دن بھر کشتی میں منہ کے بل پڑا رہتا۔

"کیا اب وہ صورت دیکھنی نصیب ہوگی؟ نہیں کبھی نہیں۔ کبھی نہیں"

پھر دفعتاً یہ خیال آیا کہ تائیس نے سب کو محظوظ کیا مگر وہ ہی محروم رہا۔ عشق و الفت کی موجیں سب کی طرف پہنچیں مگر اس کے کام و دہان تر کرنے نہ آئیں۔ اس خیال کے آتے ہی ایک خونی مجنوں کی طرح اُٹھ بیٹھتا اور زور زور سے چیخنے لگتا۔ کبھی ناخنوں سے سینہ نوچتا کبھی دانتوں سے ہاتھوں کا گوشت کاٹتا۔

سوچنے لگا "کیا میں ان لوگوں کو جن سے تائیس ملوث رہی جان سے نہیں مار سکتا۔ یقینی میں ان کا خون کر سکتا ہوں"

خون کرنے کے قصد نے دل کو ایک عجیب وحشت کے ساتھ خوش کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ نیکیاس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے نہایت اطمینان سے اسکی بوٹیاں کاٹ کاٹ کر کھا رہا ہے۔

پھر یہ شدتِ جنون دفعتاً کم ہو جاتی۔ زار زار رونے لگتا۔ طبیعت کمزور ہو کر
زم ہو جاتی۔ محبت کا ایک رنگ دل میں پیدا ہوتا اور جی چاہتا کہ نیکیاس سے جو
ناکپن کا دوست تھا دوڑ کر گلے مل جائے۔ اور کہے کہ نیکیاس مجھکو بھی تجھ سے ایسی ہی
لفت ہے جیسی تجھ کو مجھ سے ہے۔ تائیس کا کچھ حال بیان کر۔ بتا۔ وہ تجھ سے کیا
باتیں کیا کرتی تھی۔" باوجود اس کے یہ الفاظ کہ "تائیس مرنے کو ہے"۔ خنجر کی طرح
سینے میں اُترے چلے جاتے تھے۔

"دن کی روشنی۔ رات کے چاند تارو۔ آسمانو۔ جھومتے درختو۔ جنگل کے درندو۔
انسان کی مضطر روحو۔ کیا تم نے نہیں سُنا کہ تائیس مرنے کو ہے۔ بادِ نسیم کے جھونکو۔
گلزار کے معطر پھولو۔ جاؤ۔ دور ہو۔ غارت ہو جاؤ۔ کائنات کی صورتو اور شبیہو صفحۂ
ہستی سے مٹ جاؤ۔ تائیس مرنے کو ہے۔" وہ دُنیا کا حُسن تھی۔ جو اس کے قریب آتا تھا
وہ بھی اس کے پرتو سے منور ہو جاتا تھا کیسے ہر دلعزیز تھے وہ مسن اور خردمند لوگ
جو اسکندریہ میں ضیافت کی شب کو تائیس کے پاس بیٹھے تھے۔ انکی تقریروں میں کیسا
ربط تھا۔ چہرے بشاش تھے۔ اور لبوں پر تبسم تھا۔ اور ہر خیال جو زبان پر آتا تھا۔
مسرت خوشبو بن کر دلوں کو مسرور کرتی تھی۔ یہ سب اس وجہ سے کہ تائیس کا دم وہاں موجود
تھا۔ سوائے عشق و محبت۔ حسن و رعنائی۔ صدق و صفا کے اور کوئی بات کسی کی زبان پر نہ
تھی۔ شیریں تقریروں میں لامذہبی کی چاشنی کس خوبصورتی سے آمیز کر دیتے تھے۔ انسان
کی شان و شوکت کو کس طرح بے خطر بیان کرتے تھے۔ افسوس وہ جلسہ ایک خواب تھا۔
"تائیس مرنے کو ہے"۔ ظاہر ہے کہ اس کے مرنے ہی میں بھی مر جاؤنگا۔ موت مجھے بھی
آجائیگی۔ لیکن اے رحم مادر کے مضغۂ خشک اور اے اشکوں اور تلخیوں میں بھیگے ہوئے
پارۂ گوشت کیا تجھ سے یہی ہوگا کہ مر جائے نہیں اے خلقتِ ناقص سمجھ لے کہ جس نے
زندگی کی حلاوت کو نہ جانا اسے موت میں بھی راحت نصیب نہ ہوگی۔ خدا اگر موجود
ہے تو مجھے داخلِ جہنم کر دے۔ اُس سے مجھے یہی اُمید ہے اور یہی میری خواہش بھی
ہے۔ اے خدا۔ اب میں تجھ سے بیزار ہوں۔ مگر میری عرض سُن لے۔ مجھے دوزخ میں

ڈال دے۔ ورنہ تیری بے ادبی کر کے تجھے اس پر مجبور کرونگا۔ میں تو خود ایک جہنم کی تلاش میں ہوں جس میں ہمیشہ جلتا اور بھنتا رہوں اور جو غیظ و غضب مجھ میں بھرا ہے وہ میرے دھن سے شعلوں کی طرح ہمیشہ نکلتا رہے"..................

ایک دن علی الصباح البینہ دیر راہبات کے دروازے تک آئی کہ الفینوکے قیس کو خیر مقدم کہے۔ ملاقات ہوتے ہی کہنے لگی:۔

"اے ابی۔ اس امن و عافیت کے گھر میں آپ کا قدم رکھنا مبارک ہے۔ کیونکہ بالمشبہ آپ اس نیک بخت عورت کو برکت دینے آئے ہیں جسے کچھ عرصہ ہوا آپ اس دیر میں چھوڑ گئے تھے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اب خدائے پاک اپنی رحمت اور شفقت سے اسے اپنے پاس بلانے والا ہے۔ اسکی اطلاع آپکو بھی ہوئی ہوگی کیونکہ اس خبر کو فرشتوں نے قاصد بن کر صحرا صحرا پہنچایا ہے۔ تائیس اب سفر زندگی ختم کرکے منزل راحت میں پہنچنے والی ہے۔ دنیا میں اس کا کام ختم ہوا۔ اور جس طرح وہ اس دیر میں رہی اس کی مختصر کیفیت میں آپ کو سنائے دیتی ہوں۔ آپکے رخصت ہونے کے بعد وہ اسی حجرے میں بند رہی جس کے دروازے پر آپ اپنی مہر لگا گئے تھے۔ میں روزانہ اس کو کھانا اور کھانے کے ساتھ ایک بانسری اسی قسم کی جو اسکی پینے والیاں بجایا کرتی ہیں بھیج دیتی تھی۔ یہ میں سلئے کرتی تھی کہ اسکی طبیعت افسردہ نہ ہونے پائے اور جب خدا کے سامنے وہ آئے تو اسکا حسن اور اسکا ہنر اس سے کم نہ ہو جو انسان کے سامنے ظاہر ہوا کرتا تھا۔ میرا یہ خیال درست تھا۔ تائیس روز خدا کی حمد و ثنا شیریں نغموں میں ادا کرتی تھی۔ اور جو راہبات بانسری سننے کے لئے جمع ہوتیں وہ کہتیں کہ "جنت کے باغوں سے بلبل کے چہکنے کی آواز آرہی ہے یا مسیح مصلوب کا ایلچی حالت نزع میں بول رہا ہے"! غرض تائیس اس طرح اپنے گناہوں سے توبہ کرنے اور ان کی مکافات میں مصروف رہتی۔ یہاں تک کہ ساٹھ دن گزرنے کے بعد جس دروازے پر آپ مہر کر گئے تھے وہ از خود کھل گیا۔ کسی انسان کا ہاتھ اس کو نہ لگا تھا اس واقعہ سے میں سمجھ گئی کہ جو آزمائش آپ نے اس کے لئے تجویز کی تھی وہ پوری ہوئی اور

مُہر کا خود بخود ٹوٹ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس گانے والی کے گناہ خدا نے معاف کر دیئے۔ اس وقت سے وہ تمام راہبات کے ساتھ انکے کاروبار اور عبادتوں میں شریک ہونے لگی۔ نہایت شیریں گفتگو اور پاکیزہ اخلاق سے وہ اپنی بہنوں کو خوش کرتی۔ اور اسے دیکھ کر مجھے معلوم ہوتا کہ عورتوں میں حیا اور شرم کی وہ ایک مجسّم تصویر ہے۔ کبھی کبھی وہ کسی قدر غمگین ہو جاتی تھی۔ لیکن یہ ایک عارضی کیفیت ہوتی تھی جو جلد دُور ہو جاتی تھی۔ جب میں نے بخوبی دیکھ لیا کہ اس کا ایمان راسخ ہے اور امید رحمت اور عشقِ الٰہی میں اس کا تعلق خدا سے مستحکم ہو گیا ہے تو پھر مجھے کچھ خوف نہ رہا۔ اور میں نے اسے اجازت دی کہ جس فن میں وہ یکتائے روزگار ہو چکی ہو اس کے ذریعہ اور اپنے حُسن کے اثر سے اپنی بہنوں کو خوش کیا کرے۔ میں نے اس سے فرمائش کی کہ انجیلوں میں جن جری عورتوں اور فرزانہ کواریوں کا ذکر آیا ہو ان کی نقلیں اُتار کر اپنی بہنوں کو محظوظ کرے۔ چنانچہ آسر۔ دبورہ۔ یودی۔ لعزر کی بہن ماریہ اور یسوع کی والدہ جناب مریم کی تمثیلیں نہایت اثر اور خوبی کے ساتھ دکھاتی رہی۔ اے ابی۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس قسم کے تماشوں کو آپ کے ایمان کا تفقد و تشدد جائز نہ سمجھتا ہوگا۔ لیکن اگر آپ ان موقعوں پر موجود ہوتے تو آپ دیکھتے کہ ان تماشوں میں تائیس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں کس طرح جاری ہو جاتی تھیں اور خدا سے ملنے کے لئے کیسی بیتاب ہو کر وہ اپنے ہاتھ پھیلاتی تھی۔ اگر آپ موجود ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ آپ کے دل پر اثر نہ ہوتا۔ عورتوں کی نگرانی و نگہداشت میں میری عمر کا ایک حصّہ گزر چکا ہے۔ میں نے ہمیشہ اپنا یہ قاعدہ رکھا کہ کوئی بات جو عورت کی اصلی فطرت کے خلاف ہو اسے کبھی نہ کرنا چاہیئے۔ سب بیجوں سے ایک ہی طرح کے پھول پیدا نہیں ہوتے۔ ہر شخص کو ایک ہی طریقہ سے پاکیزگیٔ نفس حاصل نہیں ہوتی۔ پھر مجھے اس بات کا بھی خیال تھا کہ تائیس نے زُہد و پارسائی اس وقت اختیار کی تھی جبکہ وہ جوان اور حسین تھی۔ اور یہ اتنا مشکل کام ہے جس کی مثالیں بہت ملتی ہیں۔ یہ حُسنِ صورت اس کا ایسا تھا کہ تین مہینے کی شدید تپ کے بعد بھی جس کو اب اس

کا مرض الموت سمجھنا چاہیئے زائل نہیں ہوا۔ اس علالت کے زمانے میں وہ بار بار آسمان کو دیکھنے کے لئے کہا کرتی تھی۔ اس لئے میں نے اجازت دی کہ اس کا پلنگ صحن میں انجیر کے درخت کے نیچے جہاں پانی کا چشمہ ہے روز صبح کے وقت بچھا دیا جایا کرے۔ چنانچہ اب تک یہی ہو رہا ہے۔ اس دیر میں جس قدر عابدات ہیں وہ اس کی تیمارداری میں شریک رہتی ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو وہیں صحن میں درخت کے نیچے اسے دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن تاخیر نہ فرمایئے۔ کیونکہ خدا کے ہاں اس کی طلبی جلد ہو رہی ہے۔ اور ممکن ہے کہ آج شام تک اس چہرے پر نقاب پڑ جائے جسے خدا نے اس جہان کی زینت اور فضیحت دونوں کے لئے پیدا کیا تھا۔"

یفنوتوس البینہ کے ساتھ ساتھ خانقاہ کے صحن میں آیا۔ صبح کا وقت تھا۔ صحن خوب روشن تھا۔ چھتوں کی اونچی نیچی منڈیروں پر سفید سفید قمریاں اس طرح پاس پاس بیٹھی تھیں جیسے کسی نے موتیوں کی جھالر لٹکا دی ہو۔ انجیر کی چھاؤں میں پلنگ پر دونوں ہاتھ سینے پر رکھے تائیس لیٹی تھی۔ رنگ بالکل سپید ہو گیا تھا بستر کے گرد راہبات منہ پر نقابیں ڈالے سکرات کی شدت کو کم کرنے کیلئے یہ دعا پڑھتی تھیں۔

"اے میرے خدا۔ اپنے فضل و کرم سے مجھ پر رحم کر اور اپنی غفاری سے میرے گناہوں کو معاف کر۔"

یفنوتوس نے آواز دی:۔

"تائیس!"

تائیس نے پلکیں اٹھا کر جدھر سے آواز آئی تھی ادھر آنکھیں پھیریں۔ البینہ نے نقاب والی عورتوں سے کہا کہ چند قدم ہٹ کر کھڑی ہو جائیں۔

یفنوتوس نے پھر آواز دی:۔

"تائیس!"

تائیس نے اس آواز پر تکیہ سے کچھ سر اونچا کیا اور اس کے سپید لبوں سے یہ نحیف آواز سنائی دی:۔

" بابا۔ کیا آپ ہیں۔ وہ چشمے اور درختوں کے نیچے کھجوروں کا اُٹھانا یاد ہے' وہ ن تھا کہ عشق خدا میں حیاتِ جاوید حاصل کرنے کے لئے میں اس دُنیا میں از سرِ نو پیدا ہوئی تھی۔" اتنا کہہ کر چُپ ہوگئی اور سر پھر اُسی طرح تکیہ پر رکھ لیا۔

موت قریب تھی۔ پیشانی پر ٹھنڈا پسینہ آنے لگا تھا۔ ہر طرف بالکل خاموشی تھی کہ اتنے میں ایک قمری نے حق سرہ کی صدا لگائی۔ اور اب راہب کا گریہ راہبانہ لی اس دعا میں شامل ہوا۔

"میرے اعمال دھو دے۔ گناہوں سے مجھے پاک کر دے کیونکہ اس وقت میرے عمال اور میرے گناہ سب تیرے سامنے ہیں۔"

دفعتاً تائیس لیٹے سے اُٹھ بیٹھی اور اس کی خوبصورت آنکھیں پوری کھل گئیں' دونوں ہاتھ بڑھا کر دُور کی پہاڑیوں کی طرف نظر کی۔ اور نہایت روشن آواز سے کہا۔

"دیکھو وہ صبح ازل کی گلابی روشنی نمودار ہو رہی ہے۔"

اتنا کہتے ہی آنکھوں میں نور اور پیشانی پر ہلکی سی سُرخی آئی۔ اس وقت اس کا حُسن اور حُسن کی ملاحت پہلے سے کہیں زیادہ تھی۔ لفنوتوس جھک کر اُسکو لپٹ گیا اور ایسی آواز سے جس کو خود نہ پہچانتا تھا کہنے لگا: "تائیس مر نہیں' مجھے تجھ سے عشق ہے مر نہیں۔ سُن۔ میں نے تجھے دھوکا دیا تھا۔ میں بدنصیب احمق تھا۔ نہ خدا کچھ ہے۔ نہ آسمان کوئی چیز ہے۔ دُنیا کی زندگی اور دُنیا کی محبت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ تائیس میں تیرے عشق میں ڈوب رہا ہوں مر نہیں۔ تو اور مر جائے' یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ تیری جان کا مول نہیں۔ آ۔ میرے ساتھ چل۔ میں تجھے اپنی گود میں اُٹھا کر بہت دُور تک لے جا سکتا ہوں۔ آ۔ ہم دونو عشق و محبت میں زندہ رہیں۔ میری جان۔ میری بات سُن۔ اپنی زبان سے اتنا کہہ دے کہ ہاں ابھی جیوں گی' جینے کو میرا جی چاہتا ہے۔ تائیس تائیس۔ اُٹھ۔"

تائیس نے ایک بات بھی نہ سُنی۔ آنکھوں کی پُتلیاں پھیر کر یہ کہتی ہوئی سُنائی دی۔

"عرش کے دریچے کُھل گئے ہیں۔ ملائکہ۔ انبیاء اور خدا کے اولیاء نظر

آرہے ہیں۔ مقدّس طیدور شہید میرا پاک احمس بھی ان ہی میں ہے اور اُسکے ہاتھوں میں پھول ہیں۔ وہ ہنستا ہے اور مجھے پکارتا ہے۔ دیکھو۔ وہ دو فرشتے بڑھے ہوئے میری طرف آرہے ہیں۔ لو۔ وہ آگئے۔ کیسے خوبصورت ہیں.....
خدا کا دیدار شروع ہوگیا۔"

مُنہ سے ایک خوشی کا نعرہ نکلا اور سر بے حس ہوکر تکیہ پر گرا۔ تائیس گزر گئی۔ پفنوتوس اس کو چمٹ کر ایسی حرکتیں کرنے لگا جس میں ہوائے نفسانی غضب اور عشق شامل تھا۔

البینہ یہ حالت دیکھ کر چلّائی:۔

"دُور ہو خبیث"

یہ کہہ کر البینہ نے تائیس کی آنکھیں بند کیں۔ پفنوتوس پیچھے ہٹ گیا۔ سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا۔ آنکھیں ایسی سُرخ تھیں جیسے کسی نے آگ جلا رکھی ہو۔ اسے معلوم ہو رہا تھا کہ زمین شق ہوگئی ہے اور وہ اسکے اندر دھنسا چلا جاتا ہے۔

دو شیزہ راہبات نے ذکریا نبی کی یہ مناجات شروع کی:۔

"تعریف ہو اسرائیل کے خداوند کی"۔ .....

گاتے گاتے دفعتاً یہ عورتیں رُکیں۔ اتفاق سے ان کی نظر پفنوتوس کی صورت پر جا پڑی۔ اسے دیکھتے ہی سب چیخ چیخ کر کہنے لگیں:۔

"خفّاش۔ خفّاش۔ روز کور۔ روز کور"

پفنوتوس کی شکل خود بخود ہیبت ناک ہوگئی تھی۔ اور جب اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو اپنی بدنمائی اُسے معلوم ہوئی۔

تمام شُد

تلمیحات

(۱) دیوکالیون - یہ تھسلی کے ملک میں علاقہ فتھیا کا بادشاہ تھا - اس کی ملکہ کا نام پرہا تھا - یہ دونوں بہت نیک بخت تھے - لیکن ان کے زمانے میں لوگ بداعمال ہو گئے - اور زیوس نے جو سب دیوتاؤں میں بڑا تھا - ان سب کو غرق کرنا چاہا - دیوکالیون کو جس وقت زیوس کا یہ ارادہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے باپ کے مشورے سے ایک جہاز تیار کیا جس میں وہ اور اس کی بیوی سوار ہو گئے - اس کے بعد زیوس کے حکم سے ایک سیلاب آیا - جو نو دن تک جاری رہا - اور اس میں تمام مخلوق غرق ہو گئی - سیلاب کے کم ہونے پر دیوکالیون کا جہاز یونان میں پرناسوس کے پہاڑ پر جا لگا - بادشاہ اور ملکہ جہاز سے اُتر کر تھیمس دیبی کے مندر میں گئے اور اس سے پوچھا کہ دُنیا پھر کس طرح آباد ہو؟ دیبی نے جواب دیا کہ "سروں کو بچا کر اپنی ماں کی ہڈیاں اُٹھا اُٹھا کر پیچھے کو پھینکو" پہلے یہ حکم ان کی سمجھ میں نہ آیا پھر وہ اس کا مطلب سمجھ گئے - ماں کی ہڈیوں سے مراد زمین کے پتھر تھے - چنانچہ انھوں نے پتھر اُٹھا اُٹھا کر پیچھے پھینکنے شروع کئے - دیوکالیون نے جتنے پتھر پھینکے وہ مرد اور پرہا نے جس قدر پتھر پھینکے وہ عورتیں بن گئیں - اور اس طرح پھر دُنیا آباد ہو گئی - یہ اعتقاد بُت پرستوں کا تھا - عیسائی طوفانِ نوح میں جیسا کہ توریت میں مذکور ہے بنی نوع انسان کے غرق ہونے کا یقین رکھتے تھے مصنف نے گو طوفانِ نوح کا ذکر نہیں کیا ہی لیکن بظاہر ایک خوش اعتقاد عیسائی بن کر لکھتا ہی (جس میں ایک طرح کا طنز بھی موجود ہی) کہ پفنوتوس کی بے دینی اسقدر زیادہ تھی کہ دیوکالیون کے سیلاب کا یقین رکھتا

تھا۔ دراں حالیکہ صحیح واقعہ نسل انسان کے غرق ہونے کا طوفان نوح میں پیش آیا تھا۔

(۲) وینس۔ لیدا۔ پاسیفی۔ یہ تینوں یونان اور روما کے قدیم باشندوں میں دیبیوں کا رتبہ رکھتی تھیں۔ وینس جس کو یونانی افرودیتی کہتے تھے حسن و عشق کی دیبی تھی۔ شروع میں روما کے لوگ وینس کو کوئی بڑی دیبی نہیں مانتے تھے لیکن جب یونانیوں کی دیبی افرودیتی سے وینس کی مطابقت ثابت کر لی گئی تو اس کی پرستش عام ہو گئی سب سے پہلے یونان کے جزائر قبرس اور قبترہ میں اسکی پرستش شروع ہوئی تھی۔ اس کے بعد یونان اور روما میں اس کا رواج ہو گیا۔ اپریل کا مہینہ یعنی فصل بہار کا پہلا مہینہ وینس کی پوجا کے لئے مخصوص تھا۔ نباتات میں سیب۔ کوکنار۔ برگ ریحان اور شاخ گل۔ حیوانات میں کبوتر۔ قمری۔ بط۔ ابابیل اس دیبی کی وجہ سے متبرک مانے جاتے تھے۔ ان پرندوں سے یا تو وہ اپنا رتھ کھچواتی تھی یا ان سے قاصد کا کام لیتی تھی۔ مصور اور بت تراش جب اس کی تصویر یا بت تیار کرتے تھے تو اس کے معصوم بچے ایروس کو بھی اس کے ساتھ بناتے تھے۔ اس دیبی کی پیدائش کی نسبت پرانے شاعروں نے لکھا ہے کہ وہ سمندر کے کف سے پیدا ہوئی تھی۔ آگ کا دیوتا ولکن اس کا شوہر تھا۔ لیکن خاوند سے اس نے بے وفائی کی۔ پہلے لڑائی کے دیوتا ایرس سے پھر بیکس خدائے شراب سے ملوث ہوئی۔ اس کے بعد رب الارباب زیوس کے قاصد مرکیوری اور سمندر کے دیوتا پوسیدون پر جان دینے لگی۔ دیوتاؤں کے علاوہ آدمیوں میں انکی سیس اور نوعمر ایڈونس سے آشنائی کی۔ غرض اپنے دامن عصمت پر بار بار داغ لگانے سے مطلق پرہیز نہ کیا۔ حسن و جمال میں کوئی دیبی اس کو نہ پہنچتی تھی۔ شہزادہ پاریس سے خوبصورتی میں انعام پا چکی تھی۔ عورتوں کو حسین اور دل فریب بنانے کی قدرت اسمیں تھی۔ اور جب کسی عورت کی کمر سے اپنا سحر انگیز کمر بند کھول کر باندھ دیتی تھی تو مرد اس عورت پر عاشق ہو کر اس کے خواہشمند رہنے لگتے تھے۔

اسی طرح لیدا اور پاسیفی کی نسبت جو قصے مشہور تھے وہ بھی بعض باتوں میں اخلاقی حیثیت سے بہت گرے ہوئے تھے۔

لیدا ملک اسپارٹا کے شاہانِ سلف میں سے ایک بادشاہ کی بیٹی نہایت حسین تھی۔ زیوس دیوتا اس پر عاشق ہوا اور ایک بطخ کی شکل میں اس کی سیج پر گیا اور اس سے مباشرت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لیدا کے بطن سے دو انڈے پیدا ہوئے۔ ایک انڈے سے ہیلن ظہور میں آئی جو دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت عورت سمجھی گئی اور دوسرے انڈے سے ہیلن کے دو بھائی کیسٹر اور پولکس پیدا ہوئے۔

اسی طرح پاسیفی کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ سورج دیوتا کی بیٹی تھی۔ اس نے ایک بیل سے صحبت کی اور اس کے پیٹ سے مینوس پیدا ہوا۔ جو ایک مردم کش جانور آدھا بیل اور آدھا انسان تھا۔

خلاصہ یہ کہ ایسے ہی فحش اور جوانوں کے دل بھڑکانے کے قصے تھے جن کی نقلیں اتار کر تائیس اپنے تماشائیوں کو خوش کیا کرتی تھی۔

(۴) یولی سیز۔ یونان کے علاقہ ایتھیکا کے بادشاہ لیارتیس کا بیٹا تھا۔ یونان میں وہ دیوتا مانا گیا۔ ایشیا کی پرانی مشہور لڑائی میں جسے جنگ تروجہ کہتے ہیں یونانیوں کا طرفدار بن کر شریک ہوا۔ نہایت بہادر۔ فصیح اور عاقل تصور کیا گیا ہے۔ جس وقت اس لڑائی میں یونانیوں کا سب سے بڑا سردار اکیلیز مارا گیا تو اس کے ہتھیاروں پر دشمن نے قبضہ کر لیا۔ تو یولی سیز اس موقع پر بڑی بہادری سے لڑا اور دشمن سے اکیلیز کے ہتھیار چھین لئے۔ جنگ تروجہ میں یونانیوں نے جو لکڑی کا ایک بہت بڑا گھوڑا بنایا تھا جس کے اندر تیر انداز بیٹھ کر تیر چلاتے تھے وہ یولی سیز ہی کی ایجاد تھا۔ تروجہ کی لڑائی کے بعد یولی سیز نے دنیا کی سیر و سیاحت میں شہرت حاصل کی گو یونانیوں میں یولی سیز دیوتائی کا درجہ رکھتا تھا۔ لیکن اس کے کام جسقدر تھے وہ انسانوں کے سے تھے۔ اسی وجہ سے نیکیاس فلسفی کہتا ہے کہ ایسا خدا خدا کا ہیکو بلکہ محض ایک انسان ہوا۔

(۳) فارفریوس۔ یہ یونان کا ایک مشہور حکیم فلسفہ افلاطونیت جدیدہ کا استاد تھا۔ فلسطین کے شہر بطانیہ یا صور میں پیدا ہوا۔ اس کا اصلی سریانی نام ملک تھا۔ ایتھنز میں

اس کے اُستاد نے اس کا نام فورفاریوس رکھ دیا۔ جو ایک یونانی لفظ سے مُشتق ہے جس کے معنی ارغوانی رنگ کے ہیں جو بادشاہوں کے لباس کا رنگ ہوا کرتا تھا۔ اور ملک کی رعایت سے یہ نام رکھا گیا تھا۔ تیس برس کی عمر میں وہ روما کے شہر میں آباد ہوا۔ اور عیسائی مذہب کے رد میں اس نے ایک بڑی تصنیف لکھی جو شہنشاہِ روما تھیودوسیوس کے حکم سے جلا دی گئی۔

(۶) برقلس۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں سلطنت ایتھنز کا سب سے بڑا مدبّر گزرا ہے۔ اس نے ایتھنز کی ریاست کو ترقی دیتے دیتے شہنشاہی کے رتبہ تک پہنچا دیا اور چالیس برس کے عرصہ میں جبکہ عنانِ حکومت اس کے ہاتھ میں ہی ایتھنز یونان کا سب سے زیادہ شائستہ شہر بن گیا۔ حکیم اناناغورس اس کا اُستاد تھا۔ برقلس کے زمانۂ حکومت میں مذہبی مُعتقدات پر مباحثے ہوتے رہتے تھے۔ بعض لوگوں نے چند دیوتاؤں کو اس بنا پر کہ ان میں انسانی صفات زیادہ دکھائی جاتی ہیں دیوتا ماننا ترک کر دیا۔ مصنّف نے یہاں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۵) جوپیٹر۔ یہ قدیم رومانیوں کا دیوتا ہے۔ یونانیوں میں اس کا نام زیوس تھا۔ جوپیٹر دو لفظوں سے مرکّب ہے جن کے معنی آسمان کے باپ یا مالک کے ہیں۔ مالکِ آسمان ہوتے کی بنا پر وہ بارش۔ طوفان۔ کڑک اور بجلی کا خدا مانا جاتا تھا۔ دیوتاؤں میں اس کا درجہ سب سے اعلیٰ تھا۔ اور قوت میں کوئی اس کا ہمسر نہ تھا۔ روما کے شہر میں ایک اونچی پہاڑی پر اس کا مندر بنایا گیا۔ اور اس شہر کا وہ خاص طور پر نگہبان اور سرپرست سمجھا گیا۔ چنانچہ جب شہر میں نئے حاکم مقرر ہوتے تو وہ اپنی خدمت شروع کرنے سے پہلے جوپیٹر کے مندر میں جاکر اس کی پوجا کرتے اور بلدان چڑھاتے۔ روما کے لوگوں کا اعتقاد تھا کہ انسان کے تمام معاملات اسی دیوتا کے حکم سے طے ہوتے ہیں۔ آیندہ کے حالات کا علم وہ رکھتا ہے۔ اور مستقبل میں جو حالات پیش آنے والے ہوتے ہیں وہ سب اسی کے ارادے اور قصد کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ آسمان پر خاص خاص علامتیں یا پرندوں کی پرواز میں خاص خاص کیفیتیں دکھا کر انسان پر آیندہ کے حالات ظاہر کرنا

ہے۔اس لئے کوئی کام چاہے مذہب سے متعلق ہو چاہے دُنیا سے اس دیوتا کے سامنے حاضر ہوئے بغیر نہیں کیا جاتا تھا۔ قانون۔ عدل۔ نیکی کا محافظ بھی وہی تھا۔ اور جو لوگ اپنے مُلک سے بغاوت یا کسی اور طریقے سے دغا و فریب کے مُرتکب ہوتے تھے انکو اس پہاڑ کی چوٹی سے جہاں اس دیوتا کا مندر تھا نیچے گرا دیا جاتا تھا۔ چونکہ آسمان کا مالک سمجھا جاتا تھا اس لئے اس کو نور کا خدا بھی مانا گیا۔ اس کے مندر کے خُدام ہمیشہ سرکا لباس سپید رکھتے تھے۔ مصنّف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دیوتا میں انسانی صفات اسقدر تسلیم کی جا چکی تھیں کہ بعض لوگوں نے اسکو دیوتا ماننے سے انکار کر دیا۔

(۷) اناتاغورس۔ حکمائے یونان میں یہ بڑے درجہ کا حکیم گزرا ہے سنہ ۵۰۰ قبل مسیح میں ایشیا کے صوبہ ایونیا میں پیدا ہوا۔ بیس برس کی عمر میں اپنا کل مال و اسباب عزیزوں میں تقسیم کر کے وطن سے نکلا۔ اور ایتھنز کے شہر میں آ کر تیس برس تک وہیں بود و باش رکھی۔ پرقلس نے جو اس وقت مدبرانِ ایتھنز میں سب سے بڑا صاحب تدبیر اور با اختیار شخص تھا اس حکیم کی شاگردی اختیار کی لیکن اناتاغورس کے مسائل حکمت کچھ ایسے تھے جن سے اہل ایتھنز کے مذہبی خیالات کو صدمہ پہنچتا تھا۔ چنانچہ اسی بنا پر اُنھوں نے لامذہبی کا الزام لگا کر اس حکیم کو سپرد عدالت کرا دیا۔ جب مقدمہ پیش ہوا تو پرقلس نے اپنے اُستاد کی صفائی میں ایک بڑی فصیح و بلیغ تقریر کی جس کی وجہ سے اُستاد کی جان تو بچ گئی لیکن بجائے اُستاد کے خود پرقلس کو جرمانہ اور شہر بدر کئے جانے کا حکم ملا۔ اناتاغورس اس حکم کے سنتے ہی ایتھنز سے نکل کر لمپساکس کے شہر کو چلا گیا۔ اور وہاں ۷۲ برس کی عمر کو پہنچ کر دُنیا کو خیرباد کہا۔ اس حکیم کی سب سے بڑی تعلیم یہ تھی کہ تمام اشیاء کی علّت ایک عقل ہے۔ جو سب سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ عیسائیت کے غلبہ میں یفنوتوس کو یہ حکیم بھی دوزخ میں نظر آتا ہے۔

(۸) یوریپیڈیس۔ یونان کا مشہور شاعر تھا۔ ڈرامے میں الم انجام قصے خوب لکھتا تھا۔ اس کے والدین ایتھنز کے رہنے والے تھے۔ ایرانیوں نے جس وقت یونانیوں پر فوج کشی کی ہے تو یہ لوگ ایتھنز سے نکل کر سلامس کے مقام کو چلے گئے۔ یہاں ۴۸۰ سنہ قبل

مسیح میں جس دن یونانیوں نے ایرانیوں کو شکست دی تو یوریپڈیس پیدا ہوا جوانی میں
ورزشوں کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اس میں اس نے انعام بھی پایا لیکن پھر اس
شغل کو ترک کیا اور حکیم اناناغورس سے حکمت و فلسفہ کا سبق لینے لگا۔ یونان کے
مشہور ادیب پراڈیکوس سے فن بلاغت سیکھا اور حکیم سقراط کے بڑے ملنے والوں میں
ہوگیا۔ یوریپڈیس کے کلام میں اناناغورس کے خیالات جابجا پائے جاتے ہیں۔ ڈراما
نویسی میں ۴۵۵ سنہ قبل مسیح میں اس کو سب سے پہلا انعام ملا۔ ۴۰۸ سنہ ق م تک وہ شاعری
کرتا رہا۔ اس کے بعد ایتھنز سے رخصت ہو کر بادشاہ مقدونیہ کے دربار میں پہنچا۔
یہاں زیادہ دن تک نہ جیا۔ اتفاق سے بادشاہ کے کتوں نے اسکو زخمی کیا اور اسی تکلیف
سے ۷۵ برس کے سن کو پہنچ کر مر گیا۔ اس کے ڈرامے میں یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ
یونان کے پرانے سورماؤں اور بہادروں کے حالات لکھنے میں اس نے سابق کے شعرا کی
طرح مبالغہ نہیں کیا بلکہ ان کا تذکرہ اس طرح کیا کہ گویا وہ اپنے ہی زمانے کے معمولی لوگ
ہیں۔ ارسطو نے لکھا ہے کہ یوریپڈیس اپنے کلام میں آدمیوں کو اس طرح بیان نہیں کرتا
جیسا کہ ان کو ہونا چاہیئے۔ بلکہ ایسی شکل میں ان کا حال لکھتا ہے کہ جو شکل وہ
فی الحقیقت رکھتے ہیں۔ اور اسی اصلیت پرستی کی وجہ سے حکیم سقراط نے اسکی شاعری
کی تعریف کی تھی۔

(۹) میناندر۔ یہ بھی ایتھنز کا ایک مشہور شاعر تھا۔ ۳۴۲ سنہ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔
اور ۲۹۱ سنہ ق م میں اتفاق سے ڈوب کر مر گیا۔ یہ حکیم تھیوفراسٹوس کا شاگرد تھا۔
اور حکیم اپی قور کا بڑا دوست تھا۔ اس کا کلام کل ضائع ہوگیا۔

(۱۰) بیکس۔ اصلی نام دیونیوس ہے۔ بیکس یا باکوس لقب ہے جسکے معنی شور مچانیوالے
کے ہیں۔ یونان اور روما کے لوگوں میں وہ زیادہ تر بیکس کے نام سے مشہور تھا۔ یہ
شراب کا دیوتا مانا جاتا تھا۔ نہایت حسین اور جوان تھا لیکن اکثر خصلتیں عورتوں
کی سی رکھتا تھا۔ اس کا باپ زیوس دیوتا تھا۔ ماں کا نام سیملی تھا جو شہر تھیبس کی
ایک امیرزادی تھی۔ زیوس کی ایک پہلی بیوی بھی تھی جس کا نام ہیرا تھا۔ یہ ایک

دن سیمیلی کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ کہ جب زیوس نے مجھ سے شادی کی تھی تو وہ اپنے پورے جاہ وجلال میں مجھ پر ظاہر ہوا تھا۔ تم بھی اس سے یہ ہی فرمائش کرو۔ سیمیلی نے ہیرا کے کہنے کے مطابق شوہر سے درخواست کی۔ زیوس نے بادلِ ناخواستہ اس کی درخواست منظور کی۔ فوراً گرج اور بجلی کی شکل میں اس پر ظاہر ہوا۔ سیمیلی اس وقت حاملہ ہو چکی تھی۔ جب بجلی کے شعلوں نے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو اس کا حمل اسقاط ہو گیا اور کچا بچہ پیدا ہوا۔ زیوس نے اس بچے کی جان بچانی چاہی۔ اور اپنی ران چیر کر بچے کو اس میں رکھ لیا۔ جب وقت معیّن آیا تو بچہ پورا ہو کر زندہ وسلامت زیوس کی ران سے پیدا ہوا۔ کوہ نیسا کی پریوں نے اس بچے کو پرورش کیا اور اس خدمت کے صلے میں زیوس نے ان پریوں کو آسمان پر پانچ ستاروں کا جھمکا بنا دیا۔ جب بیکس بڑا ہوا تو اسکی سوتیلی ماں ہیرا نے اسکی طبیعت میں دیوانگی پیدا کر دی۔ اور اسی حال میں وہ دنیا کے مختلف حصّوں میں گشت کرتا رہا۔ پہلے مصر گیا۔ پھر شام میں پہنچا اور یہاں سے اس نے ایشیا کے تمام ملکوں کی سیاحی کی۔ جہاں جاتا وہاں کے لوگوں کو انگوروں کے باغ لگانے سکھاتا تھا۔ اسکے ساتھ تہذیب اور تمدن کے اور سبق بھی دیتا۔ ایشیا کے جس ملک میں اس نے برسوں سیاحت کی وہ ہندوستان بیان ہوا ہے۔ جب یورپ واپس آیا تو تھریس کے ملک سے اسکا گزر ہوا۔ یہاں کے بادشاہ نے اس کے ساتھ برا برتاؤ کیا۔ اس لئے وہ یہاں سے اپنی ماں کے وطن تھیبس میں چلا آیا۔ اور یہاں آکر اس نے تمام عورتوں کو حکم دیا کہ "فوراً اپنے اپنے گھروں سے نکل کر کنھرون کے پہاڑ پر جمع ہوں اور وہاں میری پوجا کریں"۔ جن لوگوں نے اس حکم کو بجا لانے میں مزاحمت کی تھی ان کو سخت سزائیں دیں۔ پھر تھیبس سے نکل کر آرگوس کے علاقہ میں آیا۔ یہاں شروع میں لوگوں نے اسکو دیوتا ماننے سے انکار کیا۔ لیکن جب بیکس نے ان کی عورتوں میں وحشت اور دیوانگی پیدا کرنی شروع کی تو سب اسکو دیوتا مانکر پوجنے لگے۔ آخیر سفر بیکس کا شہر اکاریا سے جزیرہ نکسوس کا بیان ہوا ہے۔ اکاریا سے وہ ایک جہاز پر سوار ہوا کہ نکسوس کے جزیرہ کو جائے۔ یہ جہاز اتفاق سے بحری قزاقوں کا

تھا۔ جب بکیس جہاز میں بیٹھ لیا تو ملاحوں نے جو قزاق تھے بجائے نکسوس جانے کے ساحل ایشیا کا رُخ کیا تاکہ وہاں پہنچ کر بکیس کو غلام بنا کر کسی کے ہاتھ بیچ ڈالیں۔ بکیس کو ملاحوں کا یہ قصد معلوم ہو گیا۔ اس نے جہاز کے بادبانوں اور پتواروں کو سانپ بنا دیا اور خود شیر بن گیا۔ جہاز کے گرد درخت اور بیلیں اُگ آئیں اور وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ چاروں طرف سے بانسریوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ ملاح ان آوازوں کو سنتے ہی دیوانے ہو گئے۔ اور سب کے سب سمندر میں کود پڑے۔ اور پانی میں پہنچتے ہی مچھلیاں بن گئے۔ خلاصہ یہ کہ جب بکیس نے اپنا دیوتا ہونا سب سے منوا لیا تو دنیا چھوڑ کر تخت الثریٰ میں آیا اور وہاں سے اپنی ماں کو ساتھ لیکر اولمپس میں جو تمام دیوتاؤں کا مسکن ہے آباد ہوا۔

شروع زمانے میں اس دیوتا کی پرستش یونان کے لوگوں میں لازمی نہ تھی لیکن جب سے انگور کی کاشت کو وہاں ترقی ہوئی بکیس کے تہواروں کی رونق بڑھ گئی۔ سکندر مقدونی کے زمانے میں ان جلسوں میں بیہودگی اور بدمستی حد سے زیادہ ہو گئی۔ پہلے تہواروں میں بکیس کے ساتھ حسن و آراستگی کی دیبیاں دکھائی جاتی تھیں۔ پھر ایسی عورتیں ساتھ رہنے لگیں جو شراب کے نشہ میں چور سر کے بال کھولے مستانہ روش رکھتی تھیں اور انکے ہاتھوں میں چھڑیاں ہوتی تھیں جن کے سروں پر انگور کے خوشے لگے ہوتے تھے غرض بکیس کے یہ ہی دلچسپ حالات ان تماشوں یا مے نوشی کے جلسوں میں جو اس کے نام سے کیے جاتے تھے دکھائے جاتے تھے۔

(۱۱) "اب تماشا شروع ہوا"۔ جو تماشا یہاں بیان کیا گیا ہے اُسکے سمجھنے کے لئے اس قدیم اور مشہور لڑائی کے حالات جس کو جنگ تروجہ کہتے تھے معلوم کرنے چاہئیں۔

ایشیا کے ساحل پر بحر ایجین اور آبنائے درد انیال سے ملحق ایک بڑا علاقہ تھا۔ جس کا پرانا نام تردس تھا اور اس کے دارالحکومت کو ترائے یا تروجہ کہتے تھے۔ اسکے بادشاہ کا نام پریام اور اُسکی ملکہ کا نام ہکوبہ تھا۔ جب ملکہ کو حمل رہا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ اُس کے بطن سے ایک جلتا ہوا لکڑی کا کندہ پیدا ہوا ہے جسکے شعلوں

نے تمام شہر میں آگ لگا دی ہے۔ اس خواب کو سُن کر بادشاہ ڈر گیا۔ اور جب لڑکا پیدا ہوا تو اس کو آئیدا کے پہاڑ پر جو ٹروس کے علاقہ کا ایک پہاڑ تھا ڈلوا دیا۔ وہاں ایک چرواہے نے اس بچّہ کو اُٹھا کر پرورش کیا اور اسکا نام پارِیس رکھا۔ یہ لڑکا جوان ہو کر گلّوں کی رکھوالی اور چرواہوں کی حمایت میں بڑا جری اور بہادر ثابت ہوا۔ رفتہ رفتہ اس کو معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ پریام کا بیٹا ہے۔ بادشاہ سے اس کی ملاقات ہوئی اور اس نے پارِیس کو اپنا فرزند تسلیم کیا۔ اس موقعہ پر پُرانے قصہ نویس لکھتے ہیں کہ ملک تھسلی میں علاقہ فتھیا کے بادشاہ پِلیوس نے سمندر کے دیوتا کی بیٹی تھٹیس سے شادی کی۔ اس تقریب میں زمین و آسمان کی جسقدر دیبیاں اور دیوتا تھے سب مدعو کئے گئے لیکن ایرِیس کو جو فتنہ و فساد کی ملکہ تھی بُلاوا نہیں دیا گیا۔ اسپر ایرِیس کو غصّہ آیا اور جب شادی کے موقع پر سب دیبیاں اور دیوتا ایک جگہ بیٹھے تو اُس نے سونے کا ایک سیب ان میں پھینک دیا۔ اس سیب پر لکھا ہوا تھا کہ "جو دیبی سب سے زیادہ خوبصورت ہوگی اس کو یہ پھل دیا جائیگا"۔ جب سیب پر یہ عبارت سب نے پڑھی تو تین بڑی حسین دیبیوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ ہر ایک کو دعویٰ ہوا کہ سیب اس کو ملنا چاہیئے۔ اسوقت اکاش کا مہا دیوتا زیوس بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے ہرمیس دیوتا کو بُلا کر حکم دیا کہ ان تینوں دیبیوں کو آئیدا کے پہاڑ پر جو ٹروجہ کے ملک میں ہے لے جاؤ وہاں ایک چرواہا پارِیس رہتا ہے۔ اس سے یہ کُل قصہ بیان کرو۔ اور جس دیبی کو مستحق سمجھے اس کو وہ یہ سیب دیدے۔ غرض ہرمیس تینوں دیبیوں کو پارِیس کے سامنے لے گیا۔ ان میں سے ہیرا دیبی نے پارِیس سے کہا کہ اگر یہ سیب مجھ کو دیا تو میں تجھے تمام ایشیا کا بادشاہ کر دونگی۔ اتھینا دیبی نے کہا میں تجھے ایسا سورما بنا دونگی کہ لڑائی میں تیرے برابر کوئی نہ نکلے۔ افرودیتی بولی کہ اگر یہ پھل مجھ کو دیا تو میں تجھے ایسی عورت دونگی جو دُنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت ہوگی۔ پارِیس نے افرودیتی کے حق میں فیصلہ کر کے سیب اس کو دے دیا۔ اس پر ہیرا اور اتھینا جل گئیں۔ اور ان کو ٹروجہ کی سلطنت سے جسکا مالک پارِیس کا باپ پریام تھا خاص عداوت ہوگئی۔

اب ایسا ہوا کہ پاریس نے سیر و سفر کا قصد کیا۔ افرودیتی پاریس کی حفاظت و نگہبانی پر مستعد ہوئی اور پاریس جہاز پر سوار ہو کر یونان کے جزیرہ آرگوس کو روانہ ہوا۔ وہاں کے بادشاہ مینی لاس نے اس کو اپنے محل میں مہمان کیا اور بڑی خاطر و مدارات کی۔ لیکن پاریس نے یہ حرکت کی کہ بادشاہ مینی لاس کی ملکہ ہیلن کو جو نہایت حسین تھی بھگا کر اپنے ملک میں لے آیا۔

ہیلن کے حالات سابقہ یعنی مینی لاس سے شادی ہونے سے پہلے کے یہ ہیں کہ وہ زیوس دیوتا کی بیٹی اسپارٹا کی ملکہ لیدا کے بطن سے تھی۔ اسکے دو بھائی کیسٹر اور پولکس تھے ہیلن کی خوبصورتی اس قدر مشہور ہوئی کہ ایٹیکا کا شہزادہ تھیسوس اس کو کسی طرح اپنے وطن میں لے آیا۔ ہیلن کے بھائیوں کو یہ حرکت بہت ناگوار گزری۔ اور جب ان کو معلوم ہوا کہ تھیسوس تحت الثریٰ کی سیر کو گیا ہوا ہے تو یہ دونوں بھائی ایٹیکا پہنچے اور اس کے پایہ تخت اتھینز کو برباد کر کے اپنی بہن کو اپنے گھر لے آئے۔

جب ہیلن اپنے وطن میں پہنچ گئی تو یونان کے بڑے بڑے سرداروں اور رئیسوں نے اس سے شادی کرنے کا پیغام بھیجا۔ ہیلن نے اسپارٹا کے بادشاہ مینی لاس کو پسند کیا۔ اور اسی سے شادی کر لی۔ اس حال میں یہ دونوں خوش و خرم رہتے تھے کہ شہزادہ پاریس ٹروجہ سے آکر ان کے گھر مہمان ہوا اور ہیلن کو بھگا کر اپنے ملک میں لے آیا۔

اس واقعہ نے یونان کے تمام بادشاہوں اور رئیسوں کو سخت برہم کیا اور انہوں نے ایک بڑی مہم تیار کر کے ٹروجہ پر حملہ کر دیا۔ ٹروجہ کی طرف سے خاص خاص لڑنے والوں میں بادشاہ پریام کے بیٹے ہیکٹر اور پاریس تھے۔ اور یونان کی طرف سے اکیلیز۔ اکامس۔ نستور۔ اگامنن۔ یولیسیز وغیرہ وغیرہ تھے۔ دس برس تک یونانیوں نے شہر ٹروجہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ آخر کار اکیلیز لڑائی میں کامیاب ہوا۔ شہر فتح کر کے اُسکو منہدم کر دیا۔ بادشاہ پریام کے بیٹے اور خاندان کے بہت سے لوگ اس جنگ میں مارے گئے اور جو بچے ان پر یونانیوں نے سخت ظلم کئے۔

یہاں جس تماشے کا ذکر ہوا ہے وہ اسی لڑائی کے بعد کا ایک ظالمانہ واقعہ ہے۔

جس میں بادشاہ پریام کی کنواری بیٹی کو اکیلینر کی روح کی تسکین کے لئے بے دردی سے ہلاک کیا گیا ہے۔

(۱۲) اکیلینہ۔ یونان سے متصل تفسلی کے ملک میں علاقہ فتھیا کا بادشاہ تھا۔ تروجہ کی لڑائی میں یونان کی طرف شریک ہوا۔ بڑا دلاور اور خوش رو جوان تھا۔ گو اگا ممنن اس جنگ میں یونانیوں کا سپہ سالار تھا۔ لیکن ہمت۔ شجاعت اور درجہ میں اکیلینر اس سے کم نہ تھا۔ لڑائی میں اکیلینر پریام کے بیٹے ہیکٹر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ لڑائی کے زمانہ میں ہی یونان کے سرداروں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ فتح کی صورت میں بادشاہ پریام کی کنواری لڑکی پولی زینہ اکیلینر کو انعام کے طور پر دی جائیگی۔ لیکن چونکہ لڑائی کا نتیجہ معلوم ہونے سے پہلے ہی اکیلینر قتل ہو گیا۔ اور آخرکار یونانیوں نے لڑائی فتح کر لی۔ تو یونان کے سرداروں نے اپنے فیصلہ کی تعمیل اس طرح کی کہ پولی زینہ کو اکیلینر کی قبر پر لاکر اسکو ذبح کر ڈالا۔ گویا اس معصومہ کی روح کو اکیلینر کی روح کے پاس جو پولی زینہ کیلئے بیقرار تھی پہنچا دیا۔ اور اکیلینر کی روح کو تسکین ہو گئی ہے۔

(۱۳) اکامس۔ یونان کے علاقہ اٹیکا کے بادشاہ تھیسوس کا بیٹا ملکہ فیدرا کے بطن سے تھا۔ ملکہ فیدرا مینوس کی بیٹی تھی۔ اور مینوس زیوس کا فرزند یعنی یوریپیا ت تھا۔ اکامس جنگ تروجہ میں یونانیوں کی طرف سے لڑا تھا۔

(۱۴) نسٹور۔ یونان میں جزیرہ نمائے پیلوپونیس کا بادشاہ تھا۔ بڑا بہادر تھا۔ عمر کے آخری زمانے میں یونان کے سرداروں کے ساتھ جنگ تروجہ میں شریک ہوا۔ اس نے بڑی عمر پائی۔ رعایا کی تین پشتوں پر سلطنت کی تھی۔ دانشمندی اور دادگستری میں مشہور تھا۔ فنون جنگ کا بہت بڑا ماہر مانا جاتا تھا۔

(۱۵) اگاممنن۔ جزیرہ نمائے پیلوپونیس کے علاقہ آرگوس میں شہر میکینی کا بادشاہ تھا۔ مینی لاس بادشاہ اسپارٹا جسکی بیوی ہیلن کو تروجہ کا شہزادہ پارس لے بھاگا تھا۔ اگاممنن کا بھائی تھا۔ جنگ تروجہ میں اس نے بہت بڑا حصہ لیا۔ یونان کی فوجوں کا سپہ سالار اور یونانی سرداروں کا افسر ہو کر نہایت بہادری اور شجاعت سے لڑا۔

جب یونانیوں نے تروجہ فتح کیا تو مفتوح بادشاہ پریام کی دوسری بیٹی کسندرہ اُسکے عقد میں آئی۔

(۱۶) تروجہ۔ دیکھو جنگ تروجہ کا حال جو اُوپر بیان ہوا۔

(۱۷) ہکوبہ۔ تروجہ کے بادشاہ پریام کی ملکہ تھی۔ کثیر الاولاد تھی۔ جنگ تروجہ کے زمانہ میں اور اس کے بعد اس کی بہت سی اولاد قتل ہوگئی۔ بڑی مصیبت زدہ ملکہ تھی۔

(۱۸) پولی زینہ۔ بادشاہ تروجہ پریام کی ایک کنواری لڑکی تھی۔ ملکہ ہکوبہ اس کی ماں تھی۔ پولی زینہ جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اکیلیز کے قتل اور آخر کار تروجہ پر یونانیوں کی فتح کے بعد اکیلیز کی روح کی تسکین کے لئے ہلاک کردی گئی (دیکھو جنگ تروجہ)

(۱۹) لائیس۔ یہ یونان کی ایک مشہور حسین طوائف کورنتھ کی رہنے والی تھی۔

(۲۰) کلوپترہ (قلیطرہ) مصر کے بطلیموسی بادشاہوں میں گیارہویں بادشاہ بطلموس اولیتیس کی سب سے بڑی بیٹی خوبصورتی اور ذہانت میں مشہور تھی۔ ۵۱ سنہ ق م میں جب بادشاہ کا انتقال ہوا تو ۱۷ برس کی عمر میں اس شرط کے ساتھ تخت مصر پر بٹھائی گئی کہ سلطنت میں اس کا چھوٹا بھائی بھی شریک رہیگا اور اس بھائی کے ساتھ اس کو اپنا عقد کرنا پڑیگا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ان لوگوں نے جو ان دونوں کے اتالیق و نگراں مقرر ہوئے تھے کلوپترہ کو تخت سے اُتار دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ روما کی سلطنت کو بڑا اقتدار حاصل ہوتا جاتا تھا۔ کلوپترہ نے روما کے مشہور سپہ سالار سیزر سے آشنائی کرکے تخت مصر پھر حاصل کرلیا۔ سیزر سے اس کے اولاد بھی ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد کلوپترہ سیزر کے ساتھ روما میں چلی آئی۔ ۴۴ سنہ ق م میں جب سیزر کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ تو کلیوپترہ مصر واپس آئی۔ ۴۱ سنہ ق م میں روما کے ایک دوسرے سپہ سالار اینطونی سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس وقت کلیوپترہ کی عمر ۲۸ برس کی تھی۔ حسین صورت اپنے کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ ذہانت اور قابلیت نے اینطونی کو اس کا بالکل گرویدہ کرلیا۔ اور جب تک وہ زندہ رہا کلیوپترہ کا عاشق زار اور غلام بنا رہا۔ ۳۱ سنہ ق م میں ملک شام کے مقام اکتوم پر روما کے جرنیل اوکٹے ویان

اور اینطونی میں جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں کلیوپیترا بھی اینطونی کے ساتھ گئی تھی۔ لیکن لڑائی ختم ہونے سے پہلے اپنا جہازی بیڑا اسکندریہ کو واپس لے آئی۔ اس حرکت سے اینطونی کو ایکتوم کے میدان میں اور بھی جلد شکست ہوگئی۔ اور وہ شام سے اسکندریہ میں کلیوپیترا کے پاس چلا آیا۔ اب کلیوپیترا نے یہ دیکھ کر کہ اینطونی کا ستارہ اقبال گردش میں آچکا ہے، روما کے سپہ سالار اگستوس سے خط و کتابت کرکے وعدہ کرلیا کہ وہ اینطونی کو ہلاک کرادیگی۔ اسی قصد سے کلیوپیترا اسکندریہ سے نکلکر ایک عالی شان مقبرہ کی عمارت میں چلی گئی۔ جو اس نے اپنے لئے اپنی زندگی میں ہی تیار کرایا تھا۔ اور وہاں پہنچ کر مشہور کرادیا کہ کلیوپیترا مرگئی۔ اینطونی نے یہ خبر سُن کر زندگی سے ہاتھ دھوئے مقبرے کے قریب پہنچ کر اپنے سینہ میں خنجر بھونک لیا۔ کلیوپیترا کو جب معلوم ہوا تو مقبرے کی بلند دیوار سے رسیاں ڈال کر زخمی عاشق کو اوپر کھینچ لیا۔ اور اسوقت اس عاشق صادق کی جان نکلی ہے تو کلیوپیترا کے سینہ پر اُس کا سر تھا۔ اس واقعہ کے بعد کلیوپیترا نے چاہا کہ کسی طرح اگستوس کو اپنے دام میں پھنسائے مگر وہ ایسی ٹھنڈی طبیعت کا نکلا کہ ملکہ کا حُسن و جمال اس پر کچھ کارگر نہ ہوا۔ کلیوپیترا کو اب یقین ہوگیا کہ اگستوس اس کو قید کرکے مصر سے روما لے جائیگا۔ اس ذلت و خواری سے بچنے کیلئے کلیوپیترا نے ایک زہریلے سانپ سے اپنے تئیں کٹوا کر خودکشی کی (۳۰ ق م) موت کے وقت اسکی عمر ۳۸ برس کی تھی۔ اس کے مرنے پر مصر میں بطلیموسی خاندان شاہی کا خاتمہ ہوگیا۔ کلیوپیترا کے حُسن و جمال پھر خداداد ذہانت اسکے ساتھ بڑے بڑے لوگوں سے اس کی آشنائیاں اور بیوفائیاں ایسے واقعات تھے جو قصہ نویسوں کے قلم کے لئے دلچسپ مضامین بن گئے۔

(۲۱) آئی سیس۔ یہ ملک مصر کے دیوتاؤں اور دیبیوں میں سب سے بڑے درجے کی دیبی مانی جاتی تھی۔ شروع میں اس کو زمین کی دیبی مانا گیا۔ پھر چاند کی دیبی سمجھنے لگے۔ یونانیوں نے اس کو اپنے ملک کی دیبی ڈیمیٹر سے مطابق سمجھ کر اس کی پوجا شروع کردی۔ روما میں اس کی پرستش جمہوری حکومت کے آخری زمانہ میں شروع ہوئی جب شہنشاہی

قائم ہوگئی تو یہ پرستش ہر طبقہ میں عام ہوگئی۔ روما کے شہر میں اس دیبی کا ایک بہت بڑا مندر تھا۔ اس مندر کے پروہت ہمیشہ سوتی لباس پہنتے تھے۔

(۲۳) جونو۔ یہ رومانیوں کی دیبی تھی۔ یونانیوں میں اس کا نام ہیرا تھا جس طرح مرد دیوتا کا نگہبان جوپیٹر دیوتا تھا۔ اسی طرح پیدائش سے لیکر موت تک عورتوں کی محافظ اور نگہبان جونو مانی جاتی تھی۔ ہر عورت اپنی سالگرہ پر اس کے مندر میں جاکر نذر چڑھاتی تھی۔ شادی کے وقت بھی سمجھا جاتا تھا کہ جونو دیبی موجود ہے۔ جون کا مہینہ جو اسی دیبی کے نام پر ہے شادی بیاہ کے لئے بہت مبارک سمجھا جاتا تھا۔ وضع حمل کے وقت عورتیں جونو سے دعا مانگتی تھیں کہ کسی طرح یہ وقت آسان ہو۔ نوزائیدہ بچوں کی حفاظت اور دولت کی رکھوالی بھی اسی دیبی کے سپرد تھی۔ روما میں اس دیبی کے بڑے بڑے مندر تھے۔ اور ان کے مجاور بہت اثر مانے جاتے تھے۔

(۲۴) ہرمیس۔ یہ باشندگان روما کا دیوتا تھا جسے یونانی مرکیوریوس کہتے تھے۔ یہ زیوس دیوتا کا بیٹا اٹیلس کی بیٹی مائی کے بطن سے آرکیڈیا کے علاقہ میں کوہ کلینی کے ایک غار میں پیدا ہوا تھا۔ اور پیدا ہوتے ہی وہ خصوصیات اس میں ظاہر ہونے لگیں جو فطری طور پر اس میں ودیعت کی گئی تھیں۔ ہنڈولنے میں بچہ سا پڑا تھا اس سے نکل کر پیرا کے شہر میں آیا اور یہاں سے اپولو کے بیل چرا کر پیلوس کی طرف ہانک لے گیا۔ پھر خود کوہ کلینی کو واپس آیا۔ یہاں پہنچا تو غار کے منہ پر ایک کچھوے کو بیٹھا دیکھا جھٹ اسے پکڑ کر اس کی ڈھال نکال لی۔ اور ڈھال میں تار لگا کر بربط کی طرح اسے بجانے لگا۔ اپولو نے اپنی قوت سے بیلوں کا چور معلوم کرکے ہرمیس پر سرقہ کا الزام لگایا۔ لیکن ہرمیس کی ماں مائا نے کہا کہ بچہ تو ہنڈولے میں پڑا تھا۔ وہ بیل چرانے کہاں جاتا۔ اپولو نے نہ مانا اور ہرمیس کو زیوس کے سامنے لے گیا۔ زیوس نے پہلے تو ہرمیس کو حکم دیا کہ بیل واپس کرے لیکن جب اس کا بربط سنا تو ایسا خوش ہوا کہ اپنا حکم منسوخ کر دیا۔ اور ہرمیس کو دیوتاؤں کے دربار میں قاصد اور ایلچی کی خدمت عطا کی۔ دیوتاؤں نے ہرمیس سے جو جو خدمتیں لیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔ تروجہ کے بادشاہ پریام کو یونان کے سردار اکیلیز

کے پاس لے گیا تاکہ اُس کی اجازت سے اپنے مقتول بیٹے ہیکٹر کی لاش ٹرائے میں لائے جس وقت زیوس نے اکزیون کو اس کی احسان فراموشی کی سزا دی ہی تو ہرمیس نے بھی اکزیون کو اس چکر سے باندھا تھا جو ہر وقت گردش میں رہتا تھا۔ ہیرا۔ ایتھینیا۔ افرودیتی ان تینوں دیبیوں کو ہرمیس ہی زیوس کے حکم سے کوہ آیدا پر شہزادہ پارِیس کے پاس اس فیصلے کے لئے لایا تھا کہ ان میں سب سے زیادہ خوبصورت کون ہی۔ ہرمیس نے ہی ہرکیولز کو غلام بنا کر دیبی اومفیلی کے ہاتھ بیچا تھا۔ اور جب زیوس دیوتا بادشاہ ارگوس کی بیٹی ائی یو پر عاشق ہو گیا اور اپنی بیوی جونو کے خوف سے اپنی معشوقہ کو گائے بنا کر اپنے پاس رکھنے لگا لیکن جونو نے خبر پا کر سو آنکھوں والے دیو ارگس کا پہرا اس گائے پر بٹھا دیا کہ وہ زیوس کے پاس نہ جانے پائے تو ہرمیس ہی نے اس دیو کو مار کر ائی یو کو زیوس کے پاس پہنچایا تھا۔ بعض دیوتاؤں نے مُردوں کی روحوں کو عالمِ بالا سے عالمِ اسفل کی طرف لے جانے کی خدمت بھی ہرمیس سے لی تھی۔ چونکہ قاصد یا سفیر کو عام مجمعوں میں پر اثر تقریریں کرنی پڑتی تھیں اور ہرمیس کو دیوتاؤں کے دربار میں قاصد یا سفیر کی خدمت حاصل تھی اس لئے وہ فصاحت و بلاغت کا خدا مانا جاتا تھا۔ احتیاط۔ ہوشیاری۔ چالاکی چاہے زبانی ہو یا عملی بلکہ دغا و فریب۔ جھوٹے حلف اور چوری کا دیوتا بھی اسی کو تسلیم کرتے تھے۔ چونکہ بہت عاقل و زیرک تھا اس لئے حروفِ تہجی۔ اعداد۔ علم ہیئت۔ موسیقی۔ بربط نوازی۔ فنِ حرب۔ جسمانی ورزشیں۔ زمینوں کی کاشت۔ پیمانے اور اوزان کا وہ موجد سمجھا گیا ہی۔ پیغام لانے اور لے جانے میں چونکہ وہ اکثر سفر میں رہتا تھا اس لئے راستوں اور مسافروں کا بھی وہ ہی محافظ تھا۔ گھروں کے سامنے اور سڑکوں کے کنارے جو بُت اکثر نصب کئے جاتے تھے وہ ہرمیس ہی کے ہوتے تھے۔ وہ تجارت اور منافع کا بھی خدا تھا۔ اور قمار بازی کے جلسوں میں اسی کو صدر نشین سمجھا جاتا تھا۔ طرح طرح کی قربانیاں بھی اس نے جاری کی تھیں اسلئے قربانی کے جانوروں کی نگہداشت اسی کے ذمہ تھی۔ گڈریے اور چرواہے خاص طور پر اسکی پرستش کرتے تھے۔ یونانیوں کے جسقدر ورزش خانے تھے ان سب کی حفاظت بھی اسی کے

ذمہ تھی۔ اسی وجہ سے جس قدر بُت اس کے بنائے جاتے تھے ان کی شکل ایک ایسے نوجوان کی سی ہوتی تھی جس کا بدن ورزشوں سے خوب بنا ہوا ہو۔ سب سے پہلے اس کی پوجا اس کے وطن ارکیڈیا میں شروع ہوئی پھر ایتھنز میں بھی اس کا رواج ہو گیا۔ اور آخر تمام یونان میں پھیل گئی۔ تاڑ کا درخت۔ کھچوا اور اکثر قسم کی مچھلیاں اس کی وجہ سے متبرک مانی جاتی تھیں۔ اس کے بُت پر جو نذریں چڑھائی جاتی تھیں وہ لوبان۔ شہد روئی۔ سور۔ بھیڑ اور بکری کے بچے ہوتے تھے۔ لباس اور وضع کے متعلق یہ چیزیں مخصوص تھیں (۱) اس کے سر کی پوشش ایک سفری ٹوپی ہوتی تھی جس کے کنارے باہر کو نکلے ہوتے تھے اور ران میں دو چھوٹے چھوٹے پر لگے ہوتے تھے (۲) ایک چھوٹا سا عصا قاصد رکھا کرتے تھے اُسکے ہاتھ میں ہوتا تھا جو اپولو دیوتا نے اس کو دیا تھا۔ ابتدائی زمانہ میں جو بُت اسکے بنائے گئے ان میں اس عصا میں دو سفید فیتے لگے ہوتے تھے لیکن اس کے بعد کے زمانہ میں ان فیتوں کی جگہ دو سانپ بنائے جانے لگے (۳) چپلیاں جنکو پہن کر یہ دیوتا زمین اور سمندر کی سطح پر تیز ہوا کی مثل چلتا تھا۔ ان میں ٹخنے کے قریب دونوں جانب ایک ایک چھوٹا سا پر لگا ہوتا تھا۔

(۲۴) رودوپس۔ یونان کی ایک مشہور طوائف کا نام ہے جو دراصل تھراکیا کی رہنے والی تھی شروع میں جزیرہ ساموس میں ایک رئیس ایڈمیون کی لونڈی رہی جسکا شاعر ایسپ بھی اُسی زمانے میں غلام تھا۔ اس کے بعد اسی جزیرہ کے ایک دوسرے رئیس کے ہاتھ وہ فروخت ہوگئی۔ اور وہ اس کو اپنے ساتھ بادشاہ مصر تمائیس کے زمانے میں مصر کے شہر نوکراتیس میں لے آیا جو سمندر کے کنارے واقع تھا۔ یہاں پہنچ کر رودوپس کسب کرنے لگی تاکہ اس کی آمدنی اپنے مالک زنتھوس کو دیا کرے۔ یہی زمانہ تھا کہ مشہور شاعر سافو کا بھائی کاراز وس تجارت کرتا ہوا اس شہر میں آنکلا اور رودوپس پر عاشق ہو گیا۔ بہت سا روپیہ دیکر اس کو غلامی سے آزاد کرایا۔ سافو نے اسی بنا پر اپنی ایک نظم میں رودوپس کی ہجو لکھی۔ رودوپس نے نوکراتیس میں بدستور سکونت رکھی اور اپنی آمدنی کے دسویں حصے سے دلفائے کے مندر میں دس آہنی سیخیں کباب لگانے کی نذر چڑھائیں۔

ان سبھوں کو مورخ ہرودوتوس نے بچشم خود دیکھا تھا۔ ہرودوتس نے اس طوائف کا
نام رودپس لکھا ہے اور سافو نے دریکا۔ غالباً دریکا اس کا اصلی نام تھا اور رودپس
کا نام اس کے حسن کی وجہ سے پڑ گیا تھا جس کے معنی گلعذار کے ہیں۔

(۲۵) ابی قورس (ایی کورس) یونان کا مشہور فلسفی تھا ۳۴۲ ق م میں جزیرہ سامس
میں پیدا ہوا اور ۳۶ برس کے سن میں مستقل طور پر شہر اتھینز میں سکونت اختیار
کر لی۔ یہاں اس نے ایک باغ مول لے کر اس میں حکمت کی تعلیم کا ایک مدرسہ کھولا۔
یہ باغ اس فلسفی کے نام پر ابی کوریان کے نام سے تمام دنیا میں مشہور ہو گیا۔
۷۲ برس کی عمر پائی۔ عمر کا آخری حصہ ایک نہایت تکلیف دہ مرض میں گزرا لیکن ان تمام
تکلیفوں کو نہایت حکیمانہ صبر و استقلال سے برداشت کیا۔ یہ فلسفی اس مذہب
حکمیہ کا سب سے نامور پیشوا گذرا ہے جس میں مسرت کو اعلیٰ ترین خیر و نیکی
سمجھا گیا تھا۔ لیکن جس مسرت اور خوشی کا حاصل کرنا وہ اپنے شاگردوں کو سکھاتا
تھا وہ نفس کی مسرت نہ تھی بلکہ اس سے مراد وہ سکون قلب تھا جو تمام نیکیوں
پر عمل کرنے سے انسان کو حاصل ہو سکتا ہے۔ اس حکیم کے مذہب کے مطابق نیکی پر
عمل کرنا اس بنا پر لازمی ہے کہ اس سے مسرت پیدا ہوتی ہے لیکن حکمت رواقی کے
پیرو کہتے تھے کہ نیکی پر عمل کرنا محض نیکی کی بنا پر لازمی ہے۔ بلحاظ اس کے
کہ اس سے مسرت کا پیدا ہونا ضروری ہو۔ طبیعیات کے اعتبار سے اس حکیم کے فلسفہ
میں جزو لا تیجزی کا اصول تسلیم کیا گیا تھا۔ ابی قورس کے شاگرد بکثرت تھے اور ان
کو اپنے استاد سے انتہائی شغف تھا۔ اس حکیم کے فلسفے پر اعتراضات نہایت سختی
سے کئے گئے۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ جب اس کا زمانہ گزر لیا تو جو لوگ اپنے کو اس
کا معتقد کہتے تھے وہ نفس کی لذتوں میں مصروف ہو گئے۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ
اس کی ہدایتوں کو لوگ اچھی طرح سمجھے نہ تھے۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ نیکی کو
آیندہ مسرت پر منحصر کر دینے یعنی یہ کہ جس چیز کا نتیجہ مسرت ہو وہ ہی نیکی ہے۔
اس کا مذہب ایک غلط اصول پر قائم ہو گیا۔

(۲۶) ڈموس تھینس۔ یونان کا سب سے بڑا خطیب ولادت مسیح سے تقریباً ۳۸۵ برس پہلے یونان کے علاقہ اٹیکا میں پیدا ہوا۔ سات برس کے سن میں یتیم ہو گیا۔ باپ مالدار تھا اپنے بچوں کی ذات و جائداد کی نگہداشت کیلئے جن میں ایک لڑکا اور اُسکی نابالغ بہن تھی چند لوگوں کو ولی مقرر کر گیا۔ ان میں ایک شخص افوبوس تھا۔ ان لوگوں نے ان یتیم بچوں کی طرف سے غفلت کی اور ان کے باپ کا متروکہ بھی خورد برد کر دیا۔ ڈموس تھینس نے جوان ہو کر ۲۰ برس کی عمر میں افوبوس پر اپنے مال کا دعویٰ کیا۔ اور عدالت کے سامنے اپنے دعوی میں خود ایک بڑی پُر زور بحث کر کے مقدمہ جیت لیا۔ اس کامیابی سے ہمت بڑھی اور تقریر کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ پہلی مرتبہ جو تقریر ایک عام جلسے میں کی۔ اس میں مطلق کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن ساتروس تماشا گرنے جو اُسے تقریر کرنی سکھاتا تھا نصیحت کی کہ جو ارادہ کر لیا ہو اس میں ثابت قدم رہنا چاہیئے فن تقریر کے سیکھنے میں بعض قدرتی موانع بھی ایسے تھے کہ سخت مشکلات کا سامنا ہوا۔ آواز کمزور تھی اور ہکلاتا بھی تھا۔ مگر ہمت پست نہ ہونے دی۔ نہایت محنت شاقہ سے آواز کے ان تمام نقائص کو رفع کیا۔ بیان ہوا ہے کہ جس وقت وہ تقریر کرتا تھا تو لکنت کم کرنے کے لئے مُنہ میں دو چار کنکریاں رکھ لیتا تھا۔ پہاڑ پر دوڑ کر چڑھتا تھا اور اشعار پڑھتا جاتا تھا تاکہ آواز میں قوت پیدا ہو۔ سمندر کے کنارے چلا جاتا اور وہاں موجوں کے شور میں تقریر کرتا تاکہ عموم کی مجالس میں خطبوں کی تقریر کے وقت جو شور و غل ہوا کرتا تھا طبیعت اس کی خوگر ہو جائے۔ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ مہینوں تک زمین کے نیچے ایک غار میں بیٹھ کر مشہور مورخ تھوسی ڈائیڈز کی تاریخ کے مضامین کو اپنی عبارت میں لکھا کرتا تھا تاکہ اپنا کوئی خاص طرز تحریر پیدا کر لے ۳۰ برس کی عمر کو جب پہنچا تو تقریر کے فن میں اس کی شہرت عام ہو چلی۔ خوش بیانی سے بہت جلد جمہور ایتھنز کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ لیکن عوام کے دل پر جو کچھ اثر پیدا کیا اس سے کوئی ذاتی اقتدار نہیں بڑھانا چاہا بلکہ ملک اور قوم کو فائدہ پہنچانا اپنا مقصود رکھا۔ اس کا اسے کامل یقین ہو گیا تھا کہ مقدونیہ کا بادشاہ فیلقوس تمام

یونان کو فتح کرنے کا مصمم قصد رکھتا ہے۔ اور اس کے لئے وہ ریشہ دوانیاں کر رہا ہے۔ پس جس قدر قوت اور قابلیت رکھتا تھا وہ سب اس نے اس بادشاہ کے منصوبوں کو توڑنے میں صرف کی۔ چودہ برس تک ایتھنز کی سیاسی مجلس میں بادشاہ مقدونیہ فیلقوس کے خلاف تقریر کرتا رہا۔ طرح طرح کی دھمکیاں بھی سنیں۔ رشوتوں کے وعدے بھی کئے گئے مگر اپنے مقصد سے نہ پھرا۔ یہ سچ ہے کہ آخر میں اس کو ناکامی ہوئی لیکن اس میں اس کا کوئی قصور نہ تھا۔ یونان کی جس قدر ریاستیں متحد ہو کر فیلقوس کے مقابلہ میں جدوجہد کر رہی تھیں ان سب کا خاتمہ جنگ کرونیا میں ہو گیا (۳۳۸ ق م) ڈموس تھینس اس لڑائی میں بذات خود موجود تھا۔ جہاں اور ہزاروں یونانی میدان جنگ سے بھاگے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا۔ جب ایتھنز میں پہنچا تو مجلس جمہوریہ ایتھنز کے سامنے ارکان مجلس نے اس پر بہت سے الزام لگائے۔ تیسی فون اس کا بڑا دوست تھا۔ اس نے ایک موقع پر یہ تحریک کی تھی کہ ڈموس تھینس کو اس کی ملکی خدمات کے صلے میں سونے کا ایک تاج تماشا گاہ میں جمع ہو کر جمہور کی طرف سے پیش ہونا چاہیئے۔ اس کی تیس نے جو ڈموس تھینس کا بڑا مخالف تھا اس تحریک کو ایک جرم قرار دیکر تیسی فون پر ایک مقدمہ چلا دیا۔ یہ حملہ دراصل ڈموس تھینس پر تھا۔ مقدمہ تین برس تک بار بار ملتوی ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ڈموس تھینس نے اپنے دوست کی صفائی پر وہ پُرزور تقریر کی جو اب تک دُنیا میں مشہور ہے۔ اسکی تیس کو قطعی شکست ہوئی اور وہ ایتھنز سے نکل گیا۔ ۳۲۵ سنہ ق م میں ایک دوسرا معاملہ پیش ہوا۔ ڈموس تھینس اس الزام میں ماخوذ ہوا کہ ہارپاس سے کچھ روپیہ وصول کر کے کھا گیا ہے۔ یہ الزام ایسا تھا جس کی صحت میں لوگوں کو اب تک شبہ ہے لیکن عدالت میں یہ جرم ثابت ہو گیا اور وہ قید خانہ بھیج دیا گیا لیکن کسی طرح قید خانہ سے بھاگ کر وہ تری زون کے شہر میں چلا آیا۔ کبھی اس شہر میں اور کبھی جزیرہ اگینا میں جا رہتا تھا اور یہاں سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر بڑی حسرت سے اپنے وطن کی طرف دیکھا کرتا تھا۔ یہ جلاوطنی اس کی زیادہ مدت تک نہ رہی۔ کیونکہ مقدونیہ کے بادشاہ فیلقوس

کا بیٹا سکندرِ اعظم جب مر گیا تو یونان کی تمام ریاستوں نے بالاتفاق اسکی حکومت کا جُوا اپنی گردن سے اُتارنا چاہا۔ اب ایتھنز والوں نے ڈموس تھنیس کو اپنے پاس بلُا لیا لیکن اس کے دوسرے ہی برس یونان کی متحدہ ریاستوں کا مقابلہ انٹی پاترکی فوجوں سے ہوا۔ انٹی پاتر اس وقت مقدونیہ میں اسکندر اعظم کا جانشین تھا اس موقعہ پر بھی یونانیوں کو قطعی شکست ہوئی۔ اور ڈموس تھنیس نے لکوریہ کے جزیرہ میں آکر پوسیدون کے بُت خانہ میں پناہ لی لیکن انٹی پاتر کے جاسوس لگے ہوئے تھے۔ انکو پتہ چل گیا۔ ڈموس تھنیس کو جس وقت یقین ہو گیا کہ اب دشمن گرفتار کرے گا تو فوراً زہر کھالیا۔ جو کچھ عرصے سے وہ اپنے پاس رکھا کرتا تھا۔ غرض اس طرح سنہ ۳۲۲ ق م میں یونان کے اس مشہور خطیب نے اپنی جان شیریں جانسپار کو سونپی۔ ڈموس تھنیس کی ۶۱ تقریریں اس زمانہ کے لوگوں تک پہنچی ہیں۔ ان میں ۱۷ تقریریں سیاسی مضامین پر ہیں اور ان میں سے ۱۲ محض فیلقوس بادشاہ مقدونیہ کی مخالفت پر ہیں۔ ۴۲ تقریریں عدالتی مقدمات سے متعلق ہیں۔ دو تقریریں ایسی ہیں جن کی نسبت بعض اور تقریروں کی طرح مشہور ہے کہ اس کی نہیں ہیں۔

(۲۷) ایپیس۔ یہ مصر میں شہر منف کے ایک بیل کا نام ہے جس کو مصر کے لوگ دیوتا مانکر پوجتے تھے مصر میں دستور تھا کہ بیل جسکے بدن پر خاص خاص علامات ہوتی تھیں انکو دیوتائی کا رتبہ دیا جاتا تھا منف میں اس بیل کے رہنے کیلئے ایک بہت وسیع احاطہ نہایت پُر تکلف تھا جس میں متعدد روشیں اور صحن اس کے آسائش کیلئے بنے ہوئے تھے اس کی سالگرہ کا جشن کیا جاتا تھا اور تمام اہلِ مصر کے لئے یہ دن بڑی خوشی و شادمانی کا ہوتا تھا۔ اسی طرح جب وہ مر جاتا تو مصر کے تمام لوگ اس کا سوگ کرتے اور جب تک پیشوایان مذہب کوئی دوسرا بیل تلاش و تحقیق کے بعد دیوتائی رُتبہ کے قابل دریافت نہ کر لیتے تھے یہ سوگ جاری رہتا تھا۔

(۲۸) پالاس ایتھینا۔ اس کا شمار یونان کی سب سے بڑی دیویوں میں ہے۔ روما کے لوگ اسکو مینروا کہتے تھے۔ اس کا باپ زیوس ایتھینا کی پیدائش سے پہلے اُسکی ماں میٹس

تو نگل گیا تھا۔ اس لئے ایتھینا اپنے باپ کے سر سے زرہ بکتر لگائے نعرہ جنگ بلند کرتی ہوئی پیدا ہوئی۔ چونکہ باپ بہت صاحب قدرت اور ماں نہایت زیرک تھی اس لئے قوت اور عقل میں یہ دونوں چیزیں ایک اعلیٰ درجہ کی مناسبت کے ساتھ ایتھینا میں جمع تھیں۔ سلطنت کی محافظ اور تمام ایسی چیزوں کے بخشنے والی جن سے سلطنت کے استحکام اور اقبال میں ترقی ہو اور زراعت کی نگہبان مانی جاتی تھی۔ زیتون کا درخت اسی نے پیدا کیا تھا۔ تمام علوم جو انسان کے فوائد یا ترقی حسن کے لئے مخصوص ہیں ان کی سرپرست تھی۔ اس لحاظ سے علم و دانش کی دیبی بھی وہی تھی۔ لوگوں کو عدل و قانون کا پابند رکھنا اور ایتھنز کی مجالس سیاسی کا قیام و استقرار بھی اسی کے ذمہ تھا۔ چونکہ باہر کے دشمنوں سے سلطنت کو محفوظ رکھتی تھی اس لئے وہ لڑائی کی دیبی بھی تھی۔ جس وقت اس کے باپ زیوس کی لڑائی خبیث روحوں سے ہوئی ہے تو ایتھینا نے ایک بہت بڑے دیو کو جس کے سو ہاتھ تھے اور جس کا نام اینکی لادوس تھا مار کر صقلیہ کے جزیرہ میں دفن کر دیا۔ دیوتاؤں کے سردار پلاس کو قتل کیا۔ جنگ تروجہ میں یونانیوں کی سرپرستی کی۔ لڑائی کی دیبی ہونے کی وجہ سے بت تراشوں نے اس کے بت اس شکل کے بنائے کہ پورے ہتھیاروں سے اسے سجایا۔ سر پر تاج رکھے اور ہاتھ میں عصا لئے کھڑی ہے اور فولادی سپر یا سینہ پر چار آئینے کے بیچ میں گرگن چڑیل کا چہرہ بنا ہے جس کے سر پر بالوں کی لٹوں کی جگہ سانپ بل کھائے ہوئے لپٹے ہیں۔ یہ دیوی کنواری مانی جاتی تھی۔ اس لئے عشق و محبت کے آزار سے ناآشنا تھی۔ چنانچہ تھر لیسیا کے ایک فال گیر نے جب اس کنواری دیوی کو نہاتے میں برہنہ دیکھ لیا تو وہ اندھا ہو گیا۔ اسی طرح ولکن دیوتا نے جب اس کی عصمت کو غارت کرنا چاہا تو نامراد بھاگتا نظر آیا۔ گو یہ دیبی شہر ایتھنز کی خاص طور پر معاون و مددگار تھی لیکن یونان کے اور تمام شہروں میں بھی اس کی پرستش ہوتی تھی۔ قصہ مشہور تھا کہ ایک مرتبہ ایتھینا اور سمندر کے دیوتا پوسیدون میں اس بات پر جھگڑا ہوا کہ ایتھنز پر کس کا قبضہ ہونا چاہیے۔ دیوتاؤں نے مل کر یہ تجویز کیا کہ ان دونوں میں جو سب سے زیادہ مفید چیز انسان کے لئے پیدا

کرے اسی کو شہر پر قبضہ دیا جائے۔ اس پر پوسیدون نے اپنا ترسول زمین پر مارا اور فوراً ایک گھوڑا زمین سے برآمد ہو گیا۔ ایتھینا نے اپنی قدرت سے زیتون کا ایک پودا پیدا کر کے زمین میں لگا دیا۔ ان دونوں چیزوں کو دیکھ کر دیوتاؤں نے کہا کہ زیتون کا درخت بہ نسبت گھوڑے کے انسان کے حق میں زیادہ مفید ہے۔ اس بنا پر ایتھنز کا شہر ایتھینا کو دلوا دیا گیا۔ سانپ۔ الّو۔ مرغا۔ زیتون کا درخت اس دیبی کی وجہ سے متبرک مانے جاتے ہیں۔

(۲۹) تائیفون۔ جس زمانہ میں دُنیا نئی نئی پیدا ہوئی تھی تو یہ اسوقت کا یہ ایک بڑا ہولناک دیو تھا۔ کبھی اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا وہ ایک نہایت تباہ و غارت کرنے والا طوفان تھا اور کبھی اس کو ایسا دیو لکھا ہے جسکے مُنہ سے آگ کے شعلے نکلتے رہتے تھے۔ شاعر ہومر نے لکھا ہے کہ آریمی کے ملک میں جب یہ دیو زمین کے نیچے چھپا دیا گیا تو زیوس دیوتا نے اس زمین پر متعدد بار بجلیاں گرائیں۔

(۳۰) اپولو۔ قدیم یونانیوں کے سب سے بڑے دیوتاؤں میں مانا گیا ہے۔ یہ زیوس دیوتا کا بیٹا دیبی لیٹوا کے بطن سے تھا۔ اس کے جُڑواں بھائی کا نام ارتیمس بیان ہوا ہے۔ لیٹوا کو جب حمل رہا تو وہ زیوس کی پہلی بیوی جونو کے خوف سے دیلوس کے جزیرہ میں چلی آئی۔ اور یہیں اپولو پیدا ہوا۔ اس دیوتا میں مختلف قسم کی قوتیں مانی جاتی تھیں۔ مثلاً (۱) گناہوں کی سزا دینا۔ اسی وجہ سے جب اس کا بُت بناتے تھے تو ہاتھ میں کمان اور ترکش میں تیر بھرے ہوئے بناتے تھے (۲) بیگناہوں کو ہر طرح کی آفات سے بچانا اور زخمیوں کو اچھا کرنا (۳) آیندہ کی خبریں دینا۔ یونان میں چند مقامات ایسے تھے جہاں جا کر لوگ آیندہ کا حال دریافت کیا کرتے تھے۔ ایسے مقام کو اوریکل کہتے تھے دلفائی کے مشہور بُت خانہ میں اسی کام کے لئے ایک کاہنہ اور بہت سے خادم مقرر تھے۔ بُت خانہ کے وسط میں ایک کمرہ تھا جس کے فرش میں ایک سوراخ تھا جس میں سے ایسے بخورے نکلتے تھے جن کے سونگھنے سے نشہ پیدا ہو جاتے۔ جب کوئی شخص آیندہ کا حال دریافت کرنے آتا تو کاہنہ اس سوراخ پر ایک تپائی بچھا کر بیٹھ جاتی اور اب جو سوال

اس سے کیا جاتا اس کا جواب نظم یا نثر میں دیتی۔ خدام جو حاضر رہتے جواب سنتے ہی فوراً اس کو لکھ لیتے اور اگر جواب نثر میں ہوتا تو اس کو اسی وقت نظم کر دیتے۔ ایسے کل جواب اپولو دیوتا کی طرف سے سمجھے جاتے تھے۔ اپولو میں صرف یہ ہی قوت نہ تھی کہ آئندہ کی باتوں کی خبر دے بلکہ وہ دوسروں میں خواہ انسان ہو یا دیوتا پیشین گوئی کی قوت بھی پیدا کر سکتا تھا۔ اس لئے قدیم زمانہ کے جس قدر فال گیر یا نجومی گذرے ہیں ان کو کسی نہ کسی طرح صورت میں اپولو دیوتا سے ضرور تعلق رہا ہے۔ (۴) موسیقی اور نغمے کا خدا مانا گیا ہے۔ اکثر موقعوں پر دیوتاؤں کو اپنا گانا بجانا سنا کر خوش کیا۔ شاعر ہومر کی تصانیف میں جس قدر مغنیوں کا ذکر آیا ان سب کو اس فن میں اپولو ہی سے فیض پہنچا تھا۔ اسی بنا پر شاعری اور نغمے کی جس قدر دیبیاں تھیں ان کو اپولو سے ہمیشہ واسطہ رہا اور وہ انکے طائفہ کا سردار مانا گیا۔ اخیر زمانہ کے مصنفین نے لکھا ہے کہ بانسری اور بربط اپولو ہی نے ایجاد کئے تھے گو قدما کا بیان ہے کہ بربط کا موجد دیوتاؤں کا مشہور قاصد ہرمیس تھا (۵) بھیڑوں کے گلوں اور مویشیوں کا رکھوالا بھی یہ ہی دیوتا تھا۔ مشہور تھا کہ تھسلی کے ملک میں ایک بادشاہ کے گلے اپولو نے نو برس تک چرائے تھے (۶) شہروں کی تعمیر اور ان کے طرز حکومت کے متعلق قوانین وضع کرنا بھی اسی دیوتا کا کام تھا۔ یونانی جب کوئی نئی آبادی یا نیا شہر بساتے تھے تو پہلے کسی اوریکل میں جا کر اپولو دیوتا سے اس کی اجازت ضرور حاصل کر لیتے تھے اور جب شہر بن جاتا اور اس میں آباد ہوتے تو اپولو کو اپنا روحانی سردار اور سرپرست باور کرتے (۷) اپولو کو سورج کا دیوتا بھی مانا گیا ہے گو پرانے مصنفوں کی کتابوں میں اپولو اور سورج جدا جدا دیوتا مانے گئے ہیں لیکن بعد کے مصنفوں نے جب یونان کا تعلق مصر سے ہو چکا تھا تو اپولو اور سورج کو ایک ہی دیوتا مان لیا لیکن اپولو ہر حال میں یونانیوں کا مخصوص دیوتا رہا۔ یونان کے بت تراش جب موسیقی اور نغمے کا دیوتا مانکر اپولو کے بت تیار کرتے تھے تو اس کا لباس بہت نیچا اور زیادہ گھیر کا عورتوں کے لباس کی مثل بناتے

(۳۱) قائن - توریت میں بیان ہوا ہے کہ حضرت آدم و حوّا کا پہلا فرزند قائن تھا اس کے بعد حابیل پیدا ہوا - قائن نے کاشتکاری کا پیشہ اختیار کیا - حابیل بھیڑ بکریاں چرانے لگا - جب قائن نے اپنے کھیت کی پیداوار یہوواہ کو نذر میں پیش کی تو وہ قبول نہ ہوئی - لیکن حابیل نے جب اپنی بھیڑ بکریوں سے ہدیہ پیش کیا تو وہ قبول ہو گیا - قائن کو اس کا صدمہ ہوا اور اس نے حابیل کو ہلاک کر دیا - اس پر یہوواہ کا اس پر عتاب نازل ہوا اور حابیل سے اس نے کہا کہ جب تو زمین پر کھیتی کریگا تو زمین تجھ کو اپنا حاصل نہ دیگی -

(۳۲) ارفیوس - یونان کے پرانے مذہبی قصوں میں بیان ہوا ہے کہ یہ ہومر کے زمانے سے بھی پہلے کا ایک مشہور مغنّی اور شاعر تھا - اس کی زندگی کا ایک بڑا واقعہ یہ ہے کہ جب ارگوس کے ملاح ایک جہاز تیار کر کے جس کا نام ارگو تھا ایشیا کے شہر کولکس کو اس غرض سے جانے لگے کہ وہاں مرلیغ کے باغ میں جو زرین اون ایک درخت میں لٹک رہی تھی اس کو لے آئیں تو ارفیوس بھی جو تھریس کا رہنے والا تھا اس مشہور مہم میں شریک ہوا - ارفیوس کے شاعر اور مغنی ہونے کا قصہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ جب اپولو نے اس کو بربط دیا اور نغمے کی دیویوں نے اس کو گانے کی تعلیم دینی شروع کی تو وہ موسیقی میں ایسا استاد ہو گیا کہ انسان اور حیوان تو ایک طرف دیوتاؤں کے قیام گاہ اولمپس میں جتنے درخت اور پہاڑ تھے اس کا گانا سنکر اپنی جگہ چھوڑ دیتے تھے اور جدھر سے گانے یا باجے کی آواز آتی تھی اسی طرف چلنے لگتے تھے - ارفیوس جب ارگوسی ملاحوں کے ساتھ کولکس سے واپس آیا تو بدستور تھریس میں رہنے لگا - یہاں اس نے ایک پری سے شادی کی - لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ پری ایک سانپ کے کاٹنے سے مر گئی - مرنے کے بعد جب اس کی روح تحت الثریٰ کو جانے لگی - تو ارفیوس بھی ساتھ ہو لیا - اور تحت الثریٰ میں پہونچ کر اپنا بربط ایسا بجایا کہ جن روحوں پر عذاب ہو رہا تھا ان کو بھی ایک قسم کی تسکین محسوس ہونے لگی - اور تحت الثریٰ کا دیوتا جو بہت ہی سخت مزاج تھا اس قدر خوش ہوا کہ جب ارفیوس نے اپنی پری کو واپس مانگا تو اس نے اسکی

درخواست منظور کرلی۔ مگر شرط یہ کی کہ جب تک تخت الثریٰ کی حدود سے نکل کر وہ دُنیا میں نہ پہنچ لے اپنی بیوی کی صورت نہ دیکھے۔ ارفیوس نے اس بات کو منظور کرلیا۔ اور اب وہ تخت الثریٰ سے چلا۔ پیچھے پیچھے بیوی ساتھ ہوئی۔ دیر تک ضبط کرتا رہا۔ لیکن جب تخت الثریٰ کی سرحد سے نکلنے کو ہوا تو تاب نہ رہی اور پیچھے مُڑکر دیکھنے لگا کہ بیوی آرہی ہے یا کہیں رہ گئی۔ جونہی اس کی صورت نظر آئی تخت الثریٰ کے کارکنوں نے فوراً اسکی بیوی پری کو تہ زمین پہنچا دیا۔ ارفیوس اس واقعہ سے نہایت غمگین ہوا اور ہر وقت غم و غصہ کی حالت میں رہ کر تھریس کی عورتوں کی تحقیر و تذلیل کرنے لگا۔ عورتوں کو یہ امر بہت ناگوار ہوا۔ اور جب شراب کے دیوتا بیکس کا تہوار آیا تو اس میں بدمست ہوکر ان عورتوں نے ارفیوس کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔ نغمے کی دیویوں کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ آئیں اور ارفیوس کی لاش کے ٹکڑوں کو جمع کرکے کوہ اولمپس کے دامن میں ایک جگہ دفن کردیا اور ارفیوس کے سر کو اُنہوں نے ہیبرس کے دریا میں پھینک دیا جو بہتا ہوا سمندر میں پہنچا۔ اور وہاں سے سمندر کی موجوں نے ارفیوس کے سر اور اس کے بربط کو لسبوس کے جزیرہ میں پہنچا دیا۔ بیان ہوا ہے کہ اس قصہ سے صرف اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ لسبوس کا جزیرہ موسیقی کیلئے تمام دُنیا میں مشہور تھا۔ علم ہیئت کے عالموں نے اس قصہ پر اتنا اور اضافہ کیا کہ نغمہ کی دیبیوں نے جب زیوس اور اپولو سے سفارش کی تو ارفیوس کا بربط آسمان پر ستاروں کے ایک بُرج میں رکھ دیا گیا۔ ارفیوس کی بہت سی نظمیں اُس زمانہ میں جبکہ یونان میں وہاں کے علم ادب کو بہت ترقی تھی زبان زد خلائق تھیں۔ لیکن ارفیوس کی نظموں کا جو مجموعہ اس وقت موجود ہے اس میں بہت کم نظمیں ایسی ہیں جن کو ارفیوس کی شاعری کا (جس شکل میں یونان کے قدما اس کا علم رکھتے تھے) اصلی نمونہ سمجھ سکیں۔

(۳۳) لقمان۔ یونانی نام ایسوپس یا ایسوپ ہے۔ اس نے بہت سی حکایتیں لکھی تھیں۔ زمانہ اس کا ۵۷۰ برس قبل مسیح بیان ہوا ہے۔ حکیم سولن کا ہم عصر تھا۔ دراصل یہ جزیرہ ساموس کے ایک رئیس ایدامیون نامی کا غلام تھا جب اسکے آقا نے اسے آزاد کردیا

تو وہ ایشیا میں لیدیا کے بادشاہ کریسس کے دربار میں حاضر ہوا۔ کریسس نے اسکو کچھ روپیہ دے کر ہیکل دلفائی کو روانہ کیا تاکہ وہاں کے خدام میں وہ روپیہ تقسیم کردے۔ ایسوپ، دلفائی پہنچا مگر روپیہ تقسیم کرنے وقت وہاں کے خادموں میں جھگڑا ہوا۔ اور ان لوگوں نے غصہ میں آکر ایسوپ کو ایک پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرادیا۔ ایسوپ اسی صدمہ سے مرگیا۔ اس خونِ ناحق کی سزا میں دلفائی کے لوگوں میں وبائیں پھیلنی شروع ہوئیں۔ آخرکار مجبور ہوکر انہوں نے کہا کہ ہم ایسوپ کا قصاص دینے کو تیار ہیں۔ بشرطیکہ مقتول کا کوئی وارث پیدا ہو۔ ایسوپ کا کوئی عزیز موجود نہ تھا۔ اس لئے اسکے آقائے سابق کے پوتے کو قصاص دیا گیا۔ اور دلفائی پر جو آفات سماوی نازل ہورہی تھیں وہ بند ہوگئیں عام طور پر مشہور ہے کہ ایسوپ نہایت کریہ منظر تھا لیکن قدیم مصنفین کی تحریر میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ وہ حکایات جن کی تحریر ایسوپ سے منسوب ہے یونان کے لوگوں میں خاصکر جبکہ یہ شہر علمی ترقی کا مرکز تھا بہت مشہور ہوچکی تھیں۔ ابتدا یہ سب نثر میں تھیں لیکن بعد کو لوگوں نے انہیں نظم کردیا۔ مشہور ہے کہ ان میں سے بعض حکایتوں کو حکیم سقراط نے نظم کیا تھا۔ جو حکایات آج کل ایسپ یا لقمان کے نام سے مشہور ہیں وہ اصلی نہیں ہیں۔

(۳۴) فلسطیون۔ بحیرہ شام کے ساحل سے ملحق جنوب مغربی سمت میں ایک علاقہ فلسطیہ نام کا تھا۔ اس کے پانچ شہر بہت مشہور تھے۔ غزہ یا غزہ۔ عسقلان۔ اسدود عقرون۔ جات۔ فلسطیون اور بنی اسرائیل میں صدہا سال تک مخالفت اور دشمنی کا بازار گرم رہا۔ اور جب تک حضرت داؤدؑ کا زمانہ نہ آیا فلسطیون پر بنی اسرائیل غالب نہ آسکے۔ فلسطیون کی نسبت بیان ہوا ہے کہ دراصل یہ جزیرہ اقریطش سے آکر فلسطیہ میں آباد ہوئے تھے اور پہلے سمندر پر قزاقی کیا کرتے تھے۔

(۳۵) تیقرو (سکرو)۔ یہ روما کا بڑا زبردست عالم اور مصنف تھا۔ ۱۰۶ سنہ ق م میں پیدا ہوا علاوہ عالم و فاضل ہونیکے سلطنت کے جلیل القدر مناصب پر مامور ہوتا رہا۔ ۴۳ سنہ ق م میں جبکہ روما کی شہنشاہی پر اکابر قوم میں سے تین شخص یعنی اوکتے ویان۔ اینطونی

اور لیپیدوس حکومت کرتے تھے تو اینطونی کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ جن علوم پر اس نے کتابیں لکھی ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) ریطوریقا (خطابیات) اس میں اس کی سات کتابیں مشہور ہیں۔

(۲) فلسفہ۔ اس صنف میں فلسفہ سیاسیات۔ فلسفہ اخلاق۔ فلسفہ نظریات اور دینیات پر اس نے متعدد کتابیں لکھیں۔

(۳) خطبات۔ ۵۶ خطبے اس کے اس وقت تک موجود ہیں۔

(۴) خطوط۔ آٹھ سو خطوط جو اس نے ۲۶ برس کے عرصہ میں اپنے قوم کے بڑے بڑے لوگوں کو لکھے ہمارے زمانہ تک پہنچے ہیں۔

(۳۶) فلپی۔ ملک مقدونیہ کے ایک مشہور شہر کا نام ہے۔ جو ایک پہاڑ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ شہر مقدونیہ کے بادشاہ فیلقوس نے کسی پرانے شہر کے موقع پر آباد کیا تھا۔ روما کے جرنیل جولیوس قیصر کے قتل کے بعد جب روما میں خانہ جنگی ہوئی۔ تو اوکٹے ویان اور اینطونی نے اپنی متفقہ فوجوں سے اسی شہر کے سامنے بروٹس اور کاسیوس کو شکست دی تھی۔ یہ واقعہ سنہ ۴۲ ق م کا ہے۔ اسی جنگ کی وجہ سے اس شہر کو شہرت ہوئی۔

(۳۷) سرماتی یعنی سرماتیہ کی رہنے والی قوم۔ سرماتیہ سے مُراد یورپ میں روس کا جنوبی حصّہ ہے۔

(۳۸) مرکومانی۔ یورپ میں المانی نسل کی یہ ایک زبردست قوم تھی۔ جو ابتدا میں دریائے رائین اور ڈینیوب کے درمیانی ملک میں آباد تھی۔ اس کے بعد اس نے اپنی ایک مستقل حکومت قائم کرلی جس کی جنوبی سرحد دریائے ڈینیوب تک پہنچی تھی۔ اس قوم نے ایک دوسری المانی (جرمانی) قوم کو روی کی مدد سے روما کے شہنشاہ اوریلیوس کے زمانے میں رومانی سلطنت پر بڑے بڑے حملے کئے یہانتک کہ بادشاہ نے رومجبور ہو کر ان قوموں سے صلح کرلی۔ یہ واقعہ سنہ ۱۸۰ع کا ہے۔

(۳۹) سراپیس۔ قدیم مصریوں کے ایک دیوتا کا نام ہے۔ یونان میں اس کی پرستش اس زمانہ میں شروع ہوئی تھی جبکہ مصر پر بطلیموسی بادشاہ جو یونانی نسل سے تھے حکومت کرتے تھے۔

(۴۰) ڈیمیٹر۔ یونان کی بڑی دیبیوں میں سمجھی گئی ہے۔ رومانی اس کو کیرایں کہتے تھے۔
لفظ ڈیمیٹر کے معنی دھرتی ماتا کے ہیں۔ یعنی زمین کی ماں۔ یہ زمین کی دیبی زراعت
اور زمین پر جس قدر پھل پیدا ہوتے ہیں ان کی محافظ سمجھی جاتی تھی۔ اور وہ
کرونس زحل کی بیٹی دیبی رِیا کے بطن سے تھی۔ زیوس دیوتا اور اُس کا بھائی تھا
اور اسی بھائی سے وہ ایک لڑکی پروسرپینی کی ماں ہوئی۔ زیوس نے بغیر ڈیمیٹر کی
اطلاع کے تحت الثریٰ کے دیوتا پلوٹو سے اس لڑکی کو بیاہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ جب
یہ لڑکی جوان ہو کر اِنیسیا میں نیسیا کی ایک پھلواری میں پھول چُن رہی تھی تو زمین
دفعتاً شق ہوئی اور پلوٹو اس کو پکڑ تحت الثریٰ میں لے آیا۔ بیٹی کے غائب ہو جانے پر
ماں اس کی تلاش میں پریشان رہنے لگی۔ ایک دن سورج دیوتا نے اسکو بتایا کہ اُسکی
بیٹی کو پلوٹو لے بھاگا ہے۔ اتنا سُن کر ڈیمیٹر کو اس قدر ملال ہوا کہ اولمپس کے پہاڑ
سے جہاں سب دیوتا رہتے تھے اُتر کر اس دُنیا میں چلی آئی۔ یہاں جن لوگوں نے اسکی
مدارات کی اُن کو طرح طرح کی نعمتیں بخشیں اور جن لوگوں نے اسے دور کرنا چاہا انکو
سزائیں دیں۔ بیٹی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے کیلیوس کے مقام پر آئی اور اب اس کا
غصے اور رنج سے یہ حال ہوا کہ زمین کو پھل پیدا کرنے کی اس نے قطعی ممانعت کر دی۔
یہ حالت دیکھ کر زیوس نے اپنے قاصد ہرمیس کو تحت الثریٰ بھیجا تا کہ پلوٹو سے پروسرپینی
کو واپس لے آئے۔ پلوٹو نے پروسرپینی کو واپس دینا منظور کر لیا۔ لیکن چلتے وقت ایک
انار کا ٹکڑا اسکو کھلا دیا۔ جب ڈیمیٹر کو بیٹی مل گئی تو پھر وہ اسکو ساتھ لئے اولمپس میں
آن بسی۔ چونکہ پروسرپینی نے تحت الثریٰ میں انار کھا لیا تھا۔ اسلئے سال میں چار مہینے
اس کو پلوٹو کے پاس زمین کے نیچے آنا ضروری ہوتا تھا۔ باقی آٹھ مہینے ماں کے پاس
اولمپس میں رہتی تھی۔ اب زمین پر پھر پھل پیدا ہونے لگے۔ اس قصہ کی تاویل یہ کی گئی
کہ گویا زمین کی دیبی ڈیمیٹر کی بیٹی اناج کا بیج ہے جو زمین میں دبے رہنے کے بعد پھوٹتا
ہے اور ماں کے پاس پروسرپینی کے رہنے کا زمانہ وہ فصل ہے جسمیں اناج پروان چڑھ کر انسان
وحیوان سب کی زندگی کا باعث ہوتا ہے۔ ڈیمیٹر کے اور قصے بھی مشہور ہیں۔ ان میں

ایک یہ ہے کہ سمندر کا دیوتا پوسیدون اس کے پیچھے پڑا تو اس نے بچنے کے لئے وہ گھوڑی بن گئی لیکن پوسیدون نے اپنی ہوس پوری کرلی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈیمیٹر کے بطن سے وہ مشہور گھوڑا پیدا ہوا جس کو اوریان کہتے ہیں۔ ایک قصہ یہ ہے کہ ایاسون سے ڈیمیٹر کو عشق پیدا ہوا اور وہ افریطش کے جزیرہ میں ایک کھیت میں جس میں کئی مرتبہ ہل چل چکا تھا ایاسون کے ساتھ پڑی رہی۔ اور اس واقعہ سے دولت کا دیوتا پلوٹس اس کے ہاں پیدا ہوا۔ یونان میں اس دیبی کے تہوار بڑی دہوم سے ہوتے تھے، یہ بھی مشہور تھا کہ ہل اسی دیبی نے ایجاد کیا تھا۔ اسکا بت اس شکل میں بنایا جاتا تھا کہ پورا لباس پہنے ہے۔ سر پر اناج کی شاخوں کا ایک تاج رکھا ہے۔ ایک ہاتھ میں کبھی ایک عصا رہے اور کبھی اناج کے خوشے یا مشعل۔ دوسرے ہاتھ میں ایک ڈالی اناج کی بالوں سے بھری ہے۔ روما کے شہر میں اس کا ایک مندر تھا۔ جو لوگ سلطنت سے بغاوت کرتے تھے انکا مال ضبط ہوکر اسکی آمدنی اسی مندر کی آمدنی میں شامل کی جاتی سیاسی مجلس کے تمام کاغذات جن میں احکام درج ہوتے تھے اسی میں محفوظ تھے تاکہ جس وقت شہر میں نئے حاکم مقرر ہوں تو وہ ان کاغذات کو مندر میں حاضر ہوکر پڑھ لیں۔

(۴۱) ہیلن۔ دیکھو جنگ تروجہ۔

(۴۲) پارلیس۔ دیکھو جنگ تروجہ۔

(۴۳) مینی لاس۔ دیکھو جنگ تروجہ۔

(۴۴) الیوم۔ دیکھو جنگ تروجہ۔

(۴۵) ایڈونس۔ یہ ایک بڑا خوبصورت لڑکا تھا جو پوری جوانی کو ابھی نہیں پہنچا تھا اس کے باپ کا نام کینی راس اور ماں کا نام سمرنہ تھا جو کینی راس کی بیٹی تھی۔ ایڈونس پر دیبی افرودیتی (وینس) عاشق ہوگئی۔ ایڈونس کم سنی کی وجہ سے عشق و جوانی کی لذتوں سے واقف نہ تھا۔ وہ افرودیتی کے شوقِ وصل سے گھبراتا تھا۔ ایک دن شکار کو نکلا۔ ایک جنگلی سور نے اس کو زخمی کیا اور اسی صدمہ سے وہ مر گیا۔ اسکے زخموں سے

خون کی بوندیں زمین پر گر کر گل ریحان بن گئیں جس وقت اسکی ناگہانی موت کی خبر افرودیتی کو پہنچی تو اس کے رنج و الم کی کوئی انتہا نہ رہی۔ تحت الثری کے دیوتاؤں نے جن کی سپردگی میں ایڈونس کی روح تھی۔ افرودیتی کی یہ حالت دیکھ کر حکم دیا کہ سال میں چھ مہینے ایڈونس افرودیتی کے پاس رہا کرے۔ ایڈونس کی پوجا پہلے شام کے لوگوں میں شروع ہوئی تھی پھر یونان میں اس کا رواج ہوا۔ اسکی موت اور پھر زندہ ہونا یعنی مرنے کے بعد سال میں چھ مہینے زمین پر اور چھ مہینے زمین کے نیچے رہنے سے مراد زمستان اور بہار ہے۔ زمستان میں سب چیزیں مردہ معلوم ہوتی ہیں۔ بہار میں ہر چیز میں ایک جان آجاتی ہے۔ ایڈونس کی موت اور پھر زندہ ہو جانیکے تہوار اسکندریہ اور ایتھنز میں منائے جاتے تھے۔ موت پر اس کا ماتم کیا جاتا تھا۔

(۲۴۴) سردانا پالس۔ یہ ملک اشور کا آخری بادشاہ تھا۔ نینوہ اسکا پایہ تخت تھا۔ سردانا پالس یونانی نام ہے۔ اصلی اشوری نام اشوری بعل تھا اور توریت میں یہی نام لکھا گیا ہے۔ اس بادشاہ کی نسبت یونانیوں کا بیان ہے کہ وہ اپنا تمام وقت عیش پرستی اور اپنی بیگمات اور حرموں میں گزارتا تھا۔ آخر کار رعایا نے سازش کر کے بغاوت کر دی۔ بادشاہ نے اس موقع پر خلاف توقع بڑی جوانمردی دکھائی اور باغیوں کو دو مرتبہ شکست دی۔ لیکن آخر کار تیسرے حملے میں نینوہ میں محصور ہو گیا۔ دو برس تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار جب کسی طرح دشمن سے جان بخشی نظر نہ آئی۔ تو اُسنے ایک چتا چنوائی جس پر اپنا تمام زر و جواہر رکھ دیا۔ تمام بیگمات اور حرموں کو اس پر بٹھایا اور چتا میں آگ دے کر اوروں کے ساتھ خود بھی جل مرا۔ اشور کی تاریخ یا توریت سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی اور نہ اس بادشاہ کا عیش پرست ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۲۴۵) افیگینیہ۔ یہ اگامنون بادشاہ میکینی کی بیٹی کلیتم نسترا کے بطن سے نہایت خوبرو و حسین پیدا ہوئی تھی جسوقت یونانیوں کا لشکر تروجہ کی لڑائی کیلئے جہازوں پر سوار ہو کر اولیس کے بندرگاہ سے روانہ ہونے کو ہوا تو اگامنون نے اتفاق سے سمندر کے کنارے بارہ سنگھے کو مار ڈالا۔ یہ جانور داینادیبی کا بڑا چاہیتا تھا۔ اس وقت دیبی ایسی